بسم اللہ الرحمن الرحیم

شہیدی

(از ۱۷۹۸ء غالباً تا ۱۸۳۹ء)

نام و خاندان | کرامت علی خاں نام شہیدی تخلص ولد عبدالرسول خاں باشندہ اُناؤ، لکھنؤ میں سکونت رکھتے تھے۔ بقول ڈی ٹاسی "باپ اُنکا معلم گری اطفال سے اوقات بسر کرتا تھا۔ راجہ ٹکیت رائے[1] بہادر جو کہ ایک بڑا متمول لکھنؤ میں گزرا ہے شہیدی کے باپ کا شاگرد تھا۔"

لیاقت علمی و مشاغل | رسمی علوم کے علاوہ شہیدی کو علم حساب، عروض میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی اٹھارہ سال کی عمر میں عہدۂ منشی گری پر مقرر ہو کر ایک انگریز کے ساتھ وارد دھلی ہوئے تھے۔ اسکے بعد اُنکا قیام اکثر پنجاب و گجرات میں رہا۔ کبھی کبھی دھلی بھی پہونچ جاتے تھے چنانچہ سنہ ۱۲۵۰ھ میں شیفتہ سے بھی ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

اخلاق و عادات | شیفتہ انکی نسبت لکھتے ہیں کہ "مرد بے تکلف و وارستہ مزاج و وسیع المشرب است آزادانہ می زید" ابتدا میں شاید انکی روش بیباکی و رندی سے بھرا تھی چنانچہ بقول گارسن ڈٹیسی[2] یہ ایک لڑکے مسمی گنگا پرشاد پر عاشق تھے اسواسطے ہر ایک کتاب پر جو ان کی ملک تھی بجائے یا فتاح کے یا گنگا پرشاد لکھدیا تھا[2] لیکن آخر میں اُنھوں نے طریق فقر اختیار کر لیا تھا چنانچہ بعض لوگوں کو ان کی کرامت کا بھی عقیدہ ہے[3]۔

سلسلۂ شاعری | شہیدی دراصل مصحفی کے شاگرد تھے لیکن لکھنؤ چھوڑنے کے بعد بزمانۂ آمد و رفت دھلی چند غزلوں میں شاہ نصیر سے بھی اصلاح لی تھی چنانچہ شاہ نصیر کی ایک غزل پر انکا ایک مخمس بھی دیوان میں موجود ہے۔ مگر اسکا کچھ اعتبار نہیں کرنا چاہیے کس لئے کہ انکے انداز کلام کو شاہ نصیر کے طریق شاعری کے ساتھ بظاہر کچھ بھی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔

---

[1] نواح لکھنؤ میں متعدد پل اور تالاب بناکردہ راجہ ٹکیت رائے اسوقت تک موجود ہیں جن کی استواری کو حیرت انگیز کہنا بیجا نہیں ہے۔

[2] ترجمہ تذکرہ شعرائے ہند مولفہ گارسن ڈٹیسی و مترجمہ مولوی کریم الدین۔ [3] ایضاً۔

تصانیف | ڈی ٹاسی لکھتا ہی کہ "شہیدی کا ایک دیوان بہت بڑا ہے۔ میں نے وہ دیوان اسکے ایک قریبی رشتہ دار کے پاس دیکھا تھا۔ اسکا ارادہ لکھنؤ میں چھپوانے کا تہا۔ شہیدی نے بہت قصیدے اور ہر ایک قسم کے شعر کہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ طبقہ چہارمی میں یہ شخص بھی بڑا استاد گزرا ہے۔ اسکے نیک فکر اور مسلم الثبوت اُستاد ہونے میں کچھہ شک نہیں ہے" لیکن مطبوعہ دیوان کچھہ یادہ بڑا نہیں ہی نہ ایسا عمدہ ہے کہ ہم شہیدی کو بلا تامل اُستاد مسلم الثبوت قرار دیسکیں۔

شہیدی کی شاعری | شہیدی کے طرز سخن کو لکھنؤ کے قدیم اور جدید طرز شاعری کا درمیانی اور بین بینی نمونہ کہہ سکتے ہیں جسمیں زبان زیادہ تر ناسخ کی سی اور بیان کہتہ مصحفی کا سا ہے۔ پھر بھی چونکہ انکا زمانہ عہد قدیم سے بالکل متصل ہی اسلئے بعض بعض مقامات پر الفاظ کی سبکی و رنگینی اور کہیں کہیں خیالات کی تازگی اور دردمندی نے انکی شاعری کو ناسخ و معاصرین ناسخ کی خشک کلامی سے ضرور بخصوصیت امتیاز علحدہ رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

منزلِ سفرِ عشق کی زنہار نہ لوٹے
جب تک کہ قافلہ سالار نہ لوٹے

جب تک نہ گوارا ہو تجھے نزع کی تلخی
پرہیز ترا اے دلِ بیمار نہ لوٹے

ہر روز ہو جب سیکڑوں عشاق کا چورنگ
اے شوخ کہاں تک تری تلوار نہ لوٹے

سر ٹکیوں جو دیوار سے کہتا ہی وہ ظالم
بس بس مرے گھر کی کہیں دیوار نہ لوٹے

بیجا ہے تری گرمیٔ بازار کا شکوہ
کیوں جنس نئی پا کے خریدار نہ لوٹے

اے دستِ جنوں جیب دری ہوش سے کرنا
ناخن میں اُلجھ کر کہیں زنار نہ لوٹے

آسان ہے شہیدی کی اگر دلشکنی ہو
پر شرط ہے یہ خاطرِ اغیار نہ لوٹے

اوربھی دیتا جو حق سے کرکے منت مانگتا
پر فزوں قسمت سے کیا میں اہلِ عزت مانگتا

منہ کے بدلے مے پرستی کو سوں میخانے کے گرد
گر مرا ساقی دعا کے ابرِ رحمت مانگتا

ہجر میں وہ لطف حاصل ہی کہ ٹہراتی جو وصل
سو خوشامد کرکے میں شب بھر کی مہلت مانگتا

عشق میں ہے بارِ ناموسِ دو عالم میرے سر
ضعف سے ملتی تو میں تھوڑی سی طاقت مانگتا

ہوکے رخصت کیا خجل بیٹھا ہوں اسکی بزم میں
کاش پہلے اپنے دل سے میں اجازت مانگتا

نازگر بنتا شکل تکل تجھسے چاہتا
حسن گر ہوتا مصور تیری صورت مانگتا

حشر سے پہلے شہیدی تو تو بھیجا خلد میں
ورنہ مشکل ہوتی گر داد محبت مانگتا

شکوہ نہیں عشاق کا دستور کروں کیا
گر اسکے ستم کا ہوں مشکور کروں کیا

تھا روز مرا تجھسے بھی تاریک زیادہ
میں تیرا گلہ اے شب دیجور کروں کیا

ہر لحظہ رکھوں ہاتھ میں دل ان کا ولیکن
میں خوے شہیدی کی ہوں مجبور کروں کیا

دلجوئی عشاق سے فرصت نہیں ملتی
یا ناز سے اپنے تمہیں رخصت نہیں ملتی

دیتا ہے اگر زہر ملا دے شکر انہیں
ہے زہر شکر میں بھی پہ لذت نہیں ملتی

جانے کی رضا یار سے حاصل ہوئی ہر چند
پر اس دل مضطر سے اجازت نہیں ملتی

اے بخت سیہ یہ فگن ہوم ہی سر پر
تکلیف اٹھاتے ہیں یہ دولت نہیں ملتی

فرش قدم بت ہے مرا جامۂ احرام
بے خوار رہے عشق میں لذت نہیں ملتی

ناکامی جاوید کی ہم مانتے منت
افسوس شہیدی تری تربت نہیں ملتی

مرقومہ بالا تمام اشعار میں صفائی اور سادگی ہی کی شان زیادہ تر نمایاں ہے اور یہی شہیدی کا خاص رنگ ہے بھی۔ لیکن دو ایک جگہ بلندی قافیہ کی ضرورت سے انھوں نے بلاغت کے میدان میں بھی اشہب فکر کو اس آن بان سے جولان کیا ہے کہ طبیعت ستایش پہ مجبور ہو جاتی ہے۔ کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

نہیں ہے باغباں گلشن میں طغیان بہار
جام عمر بلبلاں بھر دیگا طوفان بہار

اسکے باغ حسن کی رکھتی ہے گلچینی ہوس
چاک ہوگا مثل گل سو جا سے دامان بہار

لالے پر عارض نے ڈالی ہر ابای رنگین حرام[له]
تیری گرد راہ سے طرح گلستان بہار

له نشان زدہ الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ باوجود زبان قدیم کو ترک کر دینے کے اکثر اوراد فارسی کے ترجموں میں شاگردی مصحفی کا اثر شہیدی کے کلام میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

زلف دلکش سی معطر ہے اگر شکوی باغ
روے مہوش سے منور ہے شبستان بہار

جام گل پُر بادہ نکلے شاخ مینا رنگ سے
تیری چشم مست گر ہو میر سامانِ بہار

بہر استقبالِ گل ملکِ عدم کو ہم چلے
ہمصفیروں کو مبارک لطف عنوانِ بہار

وصل کی شب گریۂ عاشق میں ہی کچھ اور لطف
اے شہیدی خوشنما ہوتا ہے بارانِ بہار

مضمون والفاظ کی دلپذیری ورنگینی کیساتھ ترکیب فارسی کی خوبی نے اس غزل کو لاجواب اور شہیدی کو اساتذہ قدیم کا ہم پلہ ثابت کردیا ہے۔

مندرجۂ ذیل دو غزلیں بھی خوب ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج تک زبان زد خاص و عام ہیں۔

لذتِ قتل سے آگاہ جو قاتل ہوتا
اپنے خنجر کے تلے آپ ہی بسمل ہوتا

سنگ گر سینے میں اسکے عوضِ دل ہوتا
کارِ عشاق نہ اس مرتبہ مشکل ہوتا

عام ہیں اسکے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھسے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا
سرِ دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

چمن پیرائے کن فراش جسکی بزم رنگین میں
بہارِ آفرینش ایک بوٹا اسکی مسند کا

وہ اس عالم میں رونق بخش تھا حوروں کی تسکین کو
گیا جنت میں سایہ بنکے طوبیٰ اُس سہی قد کا

بنینگے جسکی گھڑی عشرت کے ساماں بزم جنت میں
کھلیگا حالِ امت کو ترے احسان بیحد کا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جسوقت ٹوٹے طائر روح مقید کا [1]

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زبان پر میری جسدم نام آتا ہے محمد کا

احسان سپہر پر ہے مرے دودِ آہ کا
کاکل بنا ہے عارضِ زیبائے ماہ کا

اندوہ دائمی میں کٹے کس خوشی سے عمر
گر مجھکو غم نہو طربِ گاہ گاہ کا

برباد ہوگیا میں شہیدی بقول میر
خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا

[1] شہیدی کی یہ دعا مقبول ہوئی اور وہ مدینہ منورہ میں روضہ نبوی کے سامنے جان بحق تسلیم ہوئے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون

اوقاف کی حالت

گذشتہ ایام میں ہندوستان کے مختلف حصص میں نیک دل اور خدا ترس ہندو مسلمانوں نے اس کثرت سے غیر منقولہ جائدادیں وقف کی ہیں کہ شاید ہی کوئی اوسط درجے کا مقام بھی ایسی یادگار سے محروم رہا ہو جہاں دونوں یا ایک قوم کی جانب سے کوئی وقف موجود نہ ہو۔ اس سے پہلے ضروریات زندگی مختصر و سادہ تھے ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی تھی اور لوگ بالطبع بھی کفایت شعارانہ طریق زیست کے خوگر تھے اسلئے ایک معمولی گھرانے میں بھی منہائی اخراجات کے بعد معقول رقم پس انداز ہوتی رہتی تھی کہ جسے وہ لوگ بوجہ بے اولادی مذہبی غلو یا خلق اللہ کو نفع رسانی کے لئے جائداد کی صورت میں وقف کر دیا کرتے تھے جسکا مستقل فائدہ خیر جاریہ کی صورت میں عوام کو پہنچا کرتا تھا۔ مگر کسی وقف کے متعلق یہ نہیں بیان کیا جا سکتا کہ اُس سے کسی شخص واحد یا اُسکے اہل خاندان کو فیض پہونچانا مقصود تھا اسلئے کہ شخصی فیاضیوں کے لئے نقد اور جاگیر کی علاوہ مدیں تھیں جسے انعام یا بخشش کہہ سکتے ہیں۔

وقف کرنے والے (خدا اُن کے حال پر رحم کرے) جو کروڑوں روپیہ کی جائداد منتشر کر گئے ہیں، اگر آجکل کے زمانہ میں ایک دن کے لئے بھی اُن کی روحیں اس دنیا میں لائی جائیں تو یہ دیکھکر کہ گاڑھی کمائی اور جُز رسی سے بچایا ہوا روپیہ کس بیدردی سے مال مفت کی طرح خلاف اغراض مدات میں صرف ہو رہا ہے تو وہ نہایت سخت گیری سے موجودہ نالائق متولیوں کا گلا گھونٹ دیں۔

ان خیر اور فیاض دل بزرگوں نے جو خود غرضی کے نام سے بھی واقف نہ تھے اپنی اپنی پسند و تجویز سے مسجدیں۔ مندر۔ پاٹ شالے۔ مدرسے۔ یتیم خانے۔ محتاجوں کی پرورش اور ایسے ہی دوسرے کاموں کے لیے کثیر التعداد مالیت کی جائدادیں وقف کی تھیں اور مختلف ذریعوں سے خلق خدا کا شمار عظیم اُن سے مستفید ہوتا تھا بعض کی فیاضی تو اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کسی مذہب کی تفریق بھی مدنظر نہ تھی۔ ہندو مسلمان اور

دوسرے فرقے یکساں فائدہ اٹھاتے تھے اسی طرح ابنا رجنس کی نفع رسانی کے کئی طریقے تھے۔ بعض ایسے تھے کہ جن کے قیام واسطے کام کے لئے اسوقت کوئی جائداد موجود نہیں پائی جاتی جیسے پل۔ کنوئیں۔ تالاب اور فرودگاہیں وغیرہ لیکن بہت زیادہ ایسے مذہبی مقامات ہیں جو بہت بڑی بڑی جائدادیں رکھتے ہیں جیسے منادر۔ مساجد۔ خانقاہیں۔ امام باڑے اور مہنتوں کی گدیاں اور دوسری متبرک اور مذہبی عبادت گاہیں۔

وقف کرنے سے دو طرح کے خاص مقاصد وابستہ رہتے ہیں۔ ایک بالکل مذہبی یا مذہبی بشمول عام اغراض۔ دوسرے تعلیمی اور خیراتی ان دونوں طریقوں سے وقف کرنے والے کا مدعا ایصال ثواب اور انسان کی راحت رسانی تھا مثلاً مندروں و مسجدوں میں علاوہ پوجا پاٹ۔ نماز و عبادت کے درس تدریس یا محتاجوں کی پرورش کا سلسلہ۔

اسمیں شک نہیں کہ ابتدا میں واقف کی نیت و منشا کا بہت زیادہ خیال ملحوظ رہتا تھا جن کے افسانے لوگ اب تک بیان کرتے ہیں۔ مگر رفتہ رفتہ امتداد زمانہ اور متولیوں کی خودغرضی کی بدولت یہ کیفیت ہوئی کہ بعض جگہ وقف کی جائداد ذاتی ملکیت میں جذب ہوگئی اور اسپر قاعدہ توریث جاری ہوگیا اور بعض جگہ صرف دکھاوے کے لئے تو وقف کا نام قائم ہے مگر منشائے واقف کا کچھ بھی خیال نہیں کیا جاتا بلکہ صریحاً انحراف ہو رہا ہے مثلاً جہاں ہزار روپئے کے اخراجات مقرر کرکے اس کے مطابق جائداد وقف کی گئی تھی وہاں صرف چند روپیوں میں لیپ پوت کر دیجاتی ہے۔ متولیوں کو ایسی دلیری اور جسارت کی یہ وجہ ہوتی گئی کہ واقف کے ہم مذہبوں اور اہل خاندان نے یہ سمجھ لیا کہ جو جائداد وقف کے نام سے علیحدہ ہوگئی ہے اُس میں ہماری حقوق کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلئے کون دردسری کرے۔ اس کے علاوہ اس غلط خیال کو ایک دوسرے غلط خیال سے تقویت ہوئی کہ گورنمنٹ مذہبی دست اندازی کو پسند نہیں کرتی حالانکہ مذہبی دست اندازی اور یہ دو جدا گانہ باتیں ہیں۔ لیکن اس آخری غلط فہمی سے زیادہ تر وقف کی جائدادیں برباد ہوگئیں۔

اس سے پیشتر نہ تو بنک تھے نہ سرکاری کفالت زر کی کوئی صورت تھی اسلئے ضروری تھا کہ آیندہ اطمینان و بقائے حسن انتظام کے لئے جائداد غیر منقولہ وقف کیجائے جو

عرصہ تک باقی رہ سکے۔ اس غرض کے لئے کوئی متولی مقرر کر دیا جاتا تھا۔ جو جائیداد کی نگرانی اور منشائے واقف کی حرف بحرف تعمیل کرتا تھا تاکہ وہ مقصد پورا ہو جو حصول ثواب کے لئے اختیار کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے اوقاف جائیداد غیر منقولہ کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ ان جائیدادوں کی مستقل آمدنی سالانہ کے علاوہ بہت کچھ چڑھاوے کے طور پر بھی وصول ہوتا رہتا ہے۔ واقف اس لئے متولی مقرر کرتا تھا کہ وہ اپنا پورا وقت آمد و خرچ کی درستی جائیداد وقف کے انتظام اور اغراض وقف کی تعمیل میں صرف کرے اور اُسمیں سے اپنا مناسب ذاتی اخراجات حاصل کرے تاکہ معاش کی جانب سے بے فکری ہو اور نظم میں فرق نہ آنے پائے۔

لیکن اسکے خلاف یہ ہوا کہ متولیوں نے جائیداد کو ذاتی ملکیت بنانا شروع کیا پبلک نے سرکاری عدم دست اندازی کا خیال کرکے خاموشی اختیار کی اور جائیداد وقف جائیداد مکسوبہ یا موروثی کیطرح ورثائے متولی میں تقسیم در تقسیم ہوتے ہوتے ٹکڑے ٹکڑے اور بالآخر رہن و بیع کے ذریعے سے منتقل ہو گئی۔ اور جو باقی ہے اُسکی آمدنی واقف کے مقصد کے خلاف ذاتی آسایش۔ کنبہ پروری۔ امیرانہ بسر اوقات اور ناپاک خواہشوں کی تکمیل میں بے دریغ صرف ہو رہی ہے۔ اگرچہ اب تک براہ راست گورنمنٹ کی جانب سے مداخلت کی مثال موجود نہیں ہے۔ لیکن آگے ہم واضح کر دینگے کہ گورنمنٹ عدالتی ذرایع سے ہر طرح کا انسداد کرنے پر آمادہ ہے۔ غلطی یاد ہو کا عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا اور سرکاری حکام کے خیال سے صرف دکھانے کے لئے چھاتی پر سل رکھکر جو تھوڑا بہت خرچ گوارا کیا جاتا ہے یا نمائشی حساب کا گھروندا بنایا جاتا ہے وہ عرصہ تک باقی رہتا نظر نہیں آتا۔ اُنھیں کا فرضی مرتب کیا ہوا حساب ذمہ داریوں کو سنگینی کے ساتھ قابل مواخذہ بنا دیگا۔ متولیوں اور اُن کے حمایتوں کے تمام منصوبے قانونی گرفت سے بناہ ڈھونڈھنے کی بابت ردی کاغذ کیطرح چاک ہو کر رہ جاینگے۔

اب یہ بات کسی پردے میں چھپی نہیں ہے اور واقف کے مقصد کے عین مطابق ہے کہ کسی جائیداد وقف پر حقوق توریث کا جاری ہونا جائز نہ رکھا جائے گا نہ کوئی تہنیت

یا جانشینی قابل تسلیم ہوگی جب تک شرائط وقف میں اسکی نسبت صاف وصریح ہدایت نہ کی گئی ہو اور اسکی قانونی طور پر تعمیل نہ ہوئی ہو اور اگر کسی جائداد اور وقف کا متولی یا مہتمم نالایق اور بدکار ہو۔ شرائط و منشائے واقف کو پورا نہ کرتا ہو۔ جن مدات میں خرچ کرنے کی ہدایت ہو اُسکی تعمیل سے پہلوتہی کرتا ہو تو پبلک کو ہر طور پر بجمیع وجوہ قانونی حق حاصل ہے کہ نگرانی اور بازپرس کے لیے حساب فہمی کا مطالبہ کرے۔ نالائق اور غیر دیانت دار متولی کو ہٹانے یا اُسکے ساتھ اور ٹرسٹیوں کو مقرر کرانے۔ اور احسن انتظام جائداد کے لئے عدالت انصاف کا دروازہ کھٹکھٹائے جو ایسی دادرسی کے لئے ہر وقت کھلا ہوا موجود ملیگا ؛

ہم کوشش کریں گے کہ گورنمنٹ صوبجات متحدہ اپنے وسیع اختیارات نگرانی کو اس موقع پر کام میں لائے جس کے ذریعہ سے نابالغ یا نالائق مالکان جائداد کے علاقے تحتِ انتظام "کورٹ آف وارڈس" لئے جاتے ہیں۔

بغیر کسی ذاتی خیال کے اس امر کے متعلق جو کہ ہماری خواہش ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ جائدادوں کی آمدنی کی واجبی جانچ کرنیکے بعد واقفوں کی شرائط و منشا کا خیال رکھکر سیئے اُن اخراجات کے لئے ایک رقم علحدہ کر دیجائے اور سابقہ و آیندہ بجٹ کا ایک بہتر مصرف نکالا جائے جو کسیطرح کسی کے نزدیک قابل اختلاف نہ ہو اور ہمیشہ کے لئے متولیوں کی مطلق العنانی و دست برد کا سدباب ہو جائے۔ اسکے لئے سب سے زیادہ مناسب اور ضروری تدبیر یہ ہو گی کہ پس انداز کا تمام روپیہ عام تعلیم یا کسی خاص شاخ تعلیم پر بطور مناسب صرف کیا جائے۔

متولیوں کو ہدایت ہو کہ اپنے گذشتہ دس سال کے حسابات آمد و خرچ کو گورنمنٹ کے چارٹرڈ اکونٹنٹ سے جانچ کرا دیں۔ اگر وہ یہ بیان کریں کہ آمدنی شرائط وقف کے مطابق خرچ کی جاتی ہے تو اس طریقے سے گریز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور آیندہ کے لئے عام ہدایت ہو جائے کہ جائداد کا انتظام اور حسابات مثل نقشہ رجسٹر "کورٹ آف وارڈس" کے مرتب رکھیں۔ جس سے متولیوں کے حسن انتظام و نیک نیتی کا حال معلوم ہو سکے۔

اور ناجائز اخراجات مسدود ہوں۔ متولیوں کو اسطرح پابند کرنے سے عوام کو بے حد اطمینان ہوگا۔ اور متولیوں کی نسبت پھر کوئی شکایت پیدا ہوسکیگی۔

اسلئے اگر نامناسب اور غیر ضروری جلد بازی نہ سمجھی جائے تو بغیر کسی مزید انتظار کے ہر شہر کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب کے اوقاف کی نسبت ایسی داد رسی کی استدعا کرنی چاہیئے جس سے حساب فہمی اور آیندہ بہتر انتظام ممکن ہوجائے۔

ہماری بہترین خواہش یہ ہی کہ بچت کا تمام روپیہ صرف توسیع تعلیم پر لگا دیا جائے۔ اسلئے کہ ملک کی تعلیمی حالت حد درجہ کو پست ہی اور یہ امر گویا ہندوستان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ یہ امر تمام ملک اور صوبوں کے اضلاع اور ملحقہ مقامات کے لئے ضروری ہے۔ یہ بھی ممکن کہ اسی سرمایہ سے صنعت و حرفت کے سیکنڈری اسکول کھولدئے جائیں۔ جن اصحاب کو ملک سی ہمدردی ہی۔ یا جو اسے اپنا وطن سمجھتے ہیں اور تعلیم کی ضرورتوں سی واقف ہیں پھر بھی سرمایہ نہ بہم پہونچنے کی وجہ سے کسی تحریک پر آمادہ نہیں ہوتے تو وہ اس تجویز کا نہایت کشادہ پیشانی سے خیر مقدم کرینگے اسلئے کہ کثیر التعداد رقم موجود ہے، جو تھوڑی سی کوشش سے حاصل ہوسکتی ہی۔ یہاں ایک مثال کا پیش کرنا بیموقع نہ ہوگا کہ گورنمنٹ مصر نے یہ قابل تعریف فیصلہ کردیا ہی کہ سررشتہ اوقات کو صرف قاضی القضاۃ تک محدود رکھنا مناسب نہیں ہی بلکہ معاملات وقف کا انتظام حکومت سی بھی تعلق ہونا چاہیے۔ ایک آزاد اسلامی حکومت کی یہ مثال یہاں کے مسلمانوں کی بہت کچھ ہمت افزائی کریگی۔

جن دنوں روزانہ اخبار "صلح کل گورکھپور" نکلتا تھا اُسکے کئی نمبروں میں سختی کے ساتھ سرکاری دست اندازی کی ضرورت واضح کی گئی تھی۔ اوقاف کی تفصیلی رپورٹ کاغذات مال سی مرتب کرالی جائے۔ اور منقولہ اسباب کی فہرست مناسب ذریعہ سے تیار کرائی جائے جس سی ہر جائداد کی نوعیت معلوم ہوسکے کہ سالانہ آمدنی کسقدر ہی۔ وقف کے اغراض کیا ہیں کون متولی ہی۔ اُس کا چال چلن قابل اعتماد ہی یا نہیں۔ لوگوں پر اُسکی نسبت کسطرح کا اثر ہی اور کسطرح کی حکایتیں لوگوں کی زبان پر ہیں کسطرح کے اخراجات ہیں۔ کس قدر پس انداز ہوتا ہی اور پہلے کا اندوختہ کسقدر موجود ہی۔ جائداد کی آمدنی اور سرمایہ موجودہ سے

کیا بہتر انتظام عوام کی عام تعلیم اور صنعت وحرفت کے لئے ممکن ہے۔ تنہا متولی جائداد کا قابل اطمینان انتظام کر سکتا ہے یا اسکے ساتھ ہندو اور مسلمان ٹرسٹی مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ اور سب سے آخر یا سب سے اول میں یہ دیکھنا ہوگا کہ متولی کی خود غرضی یا حاشیہ نشینوں کی چالاکی سے جائداد وقف ذاتی ملکیت کی صورت میں منتقل ہو رہی ہے یا نہیں۔

سالگذشتہ کی محمڈن ایسوسی ایشن علیگڈہ میں اس امر پر نہایت صحیح طور سے بحث کی گئی تھی کہ ہندوستان میں جسقدر اوقاف ہیں وہ کام میں لائے جائیں اور اُن سے تعلیمی اُمور میں مدد لیجائے نواب محسن الملک بہادر نے اس بارہ میں ایک خط شائع کیا تھا اور اُسکی بُنیاد پر اسٹینڈنگ کمیٹی" ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے پروگرام میں ایک نمبر اوقاف کے متعلق بھی رکھا تھا۔

تعلیمی معاملات میں ہر شہر کے ہندو اور مسلمان دونوں محتاج ہیں اس لئے اس خاص ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ مگر خوش قسمتی سے ایک کافی دولت اُن کی منتظر ہے جو معمولی کوشش سے قبضہ میں آسکتی ہے جیسا کہ اہل کانپور نے کیا ہے۔

اسکے متعلق جیب سے کچھ خرچ کرنا نہیں ہے صرف ضرورت اسکی ہے کہ ہندو اور مسلمان یکجا ہو کر اسپر غور کریں اور وہ تدابیر اختیار کریں کہ جن سے گورنمنٹ کو بھی معلوم ہو جائے کہ عام خیال اوقاف کے نسبت کیا ہے ہماری سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنے اپنے اوقاف کا انتظام کرالیں تو بغیر کسی تردد کے ممکن ہوگا کہ ہر صوبے میں ایک تعلیمی صنعت وحرفت کی یونیورسٹی قائم ہو جائے۔ اس گنج قاروں سے تعلیم کے متعلق ہر ایک ضرورت ہر ایک ضلع میں پوری ہو سکتی ہے۔ اسلئے اس کا وقت آگیا ہے کہ گورنمنٹ اوقاف کی ہر ایک اچھی بُری حالت سے پورے طور پر آگاہ کر دیجائے۔

ہم آگے چل کر بیان کرینگے کہ کسطرح دو ہائیکورٹوں نے طے کر دیا ہے کہ جائداد وقف کے اصلاح انتظام سے مذہبی دست اندازی کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور گورنمنٹ کو اس لئے بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ جائداد وقف کے بہتر انتظام سے عوام کی تعلیم و تربیت بغیر کسی سرکاری امداد کے اعلیٰ پیمانے پر ممکن ہو جائےگی۔ اور یہ شکایت رفع ہو جائیگی کہ گورنمنٹ اعلیٰ تعلیم پر روپیہ نہیں خرچ کرتی۔

۱۹۰۵ء کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان بیرسٹر ایٹ لا نے منجملہ چودہ امور بحث طلب کے ایک نمبر اوقاف کا بھی رکھا تھا مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ کن اوقاف کا ذکر ہوا۔

ہندو اور مسلمان کی طرف سے یہ بھی متفقہ کوشش ہونی چاہیئے کہ جائداد وقف کے بہتر انتظام کے لئے گورنمنٹ سے نفاذ قانون کی درخواست کی جائے جس سے ہمیشہ کے لئے تمام ہندوستان میں یہ معاملہ فیصل ہوجائے۔

جہانتک ہمارا خیال ہے اس صوبہ کے تمام اوقاف میں وقف حسین آباد لکھنو کی آمدنی سے کچھ معینہ کام انجام پاتے ہیں۔

جب روزانہ ''صلح کل'' میں اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث شروع ہوئی تو کئی معزز اخباروں نے اسمیں حصہ لیا۔ اسی زمانہ میں اخبار ''رنگون ٹائمز'' نے لکھا کہ وہاں کے متمول مسلمانوں نے بیمقدار روپیہ وقف کرکے متولیوں کے سپرد کیا تھا جو زیادہ تر مذہبی خیراتی اور تعلیمی اغراض کے لئے تھا۔ مگر اس عظیم سرمایہ کا انتظام نگرانی معقول نہیں تھا۔ جسکی مالیت ایک کرور روپیہ سے زیادہ تھی۔ اسی خرابی سے چونک کر وہاں کے شرفانے ایک ایسوسی ایشن قایم کی جو ایسی جائدادوں کا معقول بندوبست کرنے کے لئے اپنے اختیارات عمل میں لائیگی۔ مگر ایک ہمارا صوبہ ہے کہ دن دہاڑے وقف کی آمدنی اندوختہ پدری کی طرح ناجائز عیش و عشرت میں صرف ہورہی ہے۔ جائداد ذاتی ملکیت بن رہی ہے۔ مگر کسی کو اصلاح حال پر توجہ نہیں۔

ذیل میں ہم نظائر ہائیکورٹ کا اقتباس درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوجائے گا کہ ہندوستان کے باشندے موروثی انتظام اور مداخل و مخارج کی کل باتوں پر قانونی استحقاق رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم ہائیکورٹ اور اسکے دو فاضل ججوں کے فیصلے سے ایک حوالہ درج کرتے ہیں جو جنوری ۱۹۰۵ء کے انڈین لا رپورٹ سلسلہ مدارس میں بہ تفصیل دیکھا جا سکتا ہے۔ اسمیں یہ امر طے کردیا گیا ہے کہ مقامی اشخاص اپنے یہاں کے وقف کا بہترین انتظام بذریعہ عدالت دیوانی قانونی طور پر کرا سکتے ہیں۔

(مذہبی وقف اور فیصلہ عدالت)

صیغہ اپیل ہائی کورٹ میں مسٹر جسٹس سوبرمینا آیر اور مسٹر جسٹس ڈیوس نے ۱۹ جنوری کو حسب ذیل فیصلہ صادر فرمایا۔

مندر بالاجی کی نسبت جو پہاڑی ہیروپتی واقع شمالی ارکاٹ میں ہے لوگوں کو شکایت پیدا ہوئی کہ مندر کی جائداد کا روپیہ مہنت خود صرف کر ڈالتا ہے اور کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ ارکاٹ کی پبلک نے عدالت ضلع میں درخواست کی کہ مہنت اچھی طرح انتظام نہیں کرتا۔ مندر کی جائداد اور سرمایہ بہت زیادہ ہے۔ اسلئے ٹرسٹی مقرر کئے جائیں۔ اس درخواست کو ضلع کے جج نے نامنظور کر دیا تھا جسکی ناراضی سے یہ اپیل دائر ہوئی۔ ہز لارڈ شپ نے تجویز فرمایا کہ

مہنت کے ساتھ ایک ٹرسٹی مقرر کیا جائے۔ جو مناسب موقعوں پر مندر کا روپیہ صرف کیا کرے۔ بغیر منظوری ٹرسٹی کے کوئی رقم خرچ نہ کیجائے۔ اور یہ بھی تجویز کی کہ مندر کی آمدنی سے ۴۲ ہزار سالانہ ایک سنسکرت کالج کے لئے خرچ کیا جائے اور ۱۲ ہزار سالانہ ہندو شاستروں میں امتحان قابلیت پاس کرنے کے انعامات پر صرف کیا جائے۔ اس کے علاوہ پہاڑی ہیروپتی پر ایک مسافر خانہ اور ایک ہسپتال قائم کیا جائے اور یاتریوں کے لئے آب رسانی کا معقول انتظام کیا جائے۔

اس اجمال میں بھی ایک تفصیل موجود ہے جو قابضان جائداد وقف کی پوزیشن کو صاف طور پر واضح کر دیتی ہے۔ اسلئے عوام کے حقوق چارہ کار اور سرکاری دست اندازی و مداخلت کی نسبت تو کچھ کہنا ہی فضول ہے جب عدالتی و قانونی کارروائی کے لئے ہر طرح راستہ صاف ہے تو تعجب ہے کہ یہاں ملک کے تمام باشندے اسمیں غیر ضروری دیر کریں۔ معاملات وقف کے متعلق عدالتی دست اندازی کا ذکر کرتے ہوئے یہ امر زیادہ دلچسپ ہے کہ اس قسم کا ایک مقدمہ خود ہمارے صوبے میں بھی فیصل ہو چکا ہے اور فیصلہ ہائی کورٹ اس سے کہیں قبل کا ہے۔ یہاں یہ اول مرتبہ تھا کہ ہائی کورٹ الہ آباد نے مذہبی اوقاف

کے اختیارات کے متعلق جائداد کی نسبت قاعدہ مقرر کیا شہر الہ آباد کے قریب ایک مذہبی مندر ہے جسکے متعلق کثیر جائداد ہے اور گدی باباگھمری کے نام سے موسوم ہے اس مذہبی وقف کے تاریخی حالات اور نالش ہذا سے قبل جو مقدمہ ہوا تھا اُسکی کیفیت فیصلہ ہائیکورٹ میں اسطرح درج ہے:-

سو برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ باباگھمری کی بنیاد الہ آباد کے قریب ایک مقام پر پڑی مارچ ۱۸۶۹ء کے قبل اس جائداد کا آخری منتظم بابا بھولا گیر تھا جس نے ۸ مارچ ۱۸۶۹ء کو قضا کی۔ اور یہ طے پایا کہ نیپال گیر مٹھ کا گدی نشین ہو۔ اور نبجے گیر و پرشاد گیر جائداد کے منتظم ہوں اور موتی گیر مٹھ میں رہ کر زیر نگرانی مہنت کے مٹھ کا کاروبار انجام دے اُسی دستاویز میں یہ شرط بھی تھی کہ نبجے گیر۔ پرشاد گیر اور خود مہنت کو اختیار ہوگا کہ گدی کی کسی جائداد کو تقسیم یا منتقل کرسکیں۔ اس لئے کہ کل جائداد باباگھمری کی گدی کی ہے۔ اور وہ کسی کی ذات یا شخص کے لئے نہیں ہے نبجے گیر اور پرشاد گیر نے جائداد میں خیانت کی اور گدی کے مواضع سے جسکے وہ منیجر تھے وصول تحصیل کی اور خورد برد کر ڈالا۔ لہذا ۱۸۸۴ء میں نیپال گیر نے ایک نالش بنام پرشاد گیر اسلئے دائر کی کہ موجودہ مواضع جو اُسکی سپردگی میں ہیں مدعی کو واپس دلائے جائیں۔ اور حساب فہمی کا بھی دعویٰ کیا۔ پرشاد گیر دوران مقدمہ میں مرگیا۔ اور اسکی جگہ اُسکے چیلے نربدا گیر کا نام مسل میں درج ہوا۔

اس مقدمہ میں سب جج الہ آباد نے ڈگری دی لیکن اس فیصلہ کو ہائیکورٹ نے منسوخ کردیا جسکے آخری جملے یہ تھے ...... کہ ہم لوگ خیال کرتے ہیں کہ سب جج کو مناسب تھا کہ وہ نیپال گیر کے لئے چھوڑ دیتے کہ وہ نربدا گیر پر بذات خاص نالش کرتا جسمیں بہت سی باتیں جنپر کبھی غور یا بحث نہیں ہوئی طے پاسکتیں۔ اور یہ تجویز کرکے کہ نالش محض پرشاد گیر پر تھی ہم تمام اُمور سے علحدہ رہنا چاہیتے ہیں جو ایک جانب مدعی نیپال گیر اور دوسری جانب نربدا گیر کے حقوق سے متعلق ہیں نبجے گیر بھی مرگیا اور اُسکی سپردگی میں جو جائداد تھی اسی کا انتظام اُسکے چیلوں رام جیون اور گوپال گیر نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ ۱۲ر جنوری ۱۸۹۳ء کو نیپال گیر نے ایک نالش بنام نربدا گیر بغرض حصول

جائداد وقف جس پر وہ بہ جانشینی پرتا دگیر قابض تھا دائر کی اور ایک دوسری نالش نیپال گیرنے زبدا گیر پر بطور مرتہن اُن مواضع کے دائر کی جنہیں رام جیون اور گوپال گیرنے اس کے پاس رہن رکھا تھا۔ دونوں نالشوں کی سماعت سب جج نے ایک ساتھ کی اور ۲۰ جون ۱۸۹۳ء کو ڈگری دی۔ اوّل الذکر نالش کی نسبت اپیل دائر ہوئی جسے اس عدالت نے ۴ نومبر ۱۸۹۵ء کو منظور کیا۔ دوران مقدمہ میں نیپال گیرنے بحق پرسوتم گیر مدعا علیہ اپیلانٹ استعفا دیا۔ اور ۷ نومبر ۱۸۹۵ء کو پرسوتم گیر کا نام بجائے نیپال گیر درج مسل ہوا۔ دستاویز انتقال مورخہ ۳۰ مئی ۱۸۹۵ء میں تقرر پرسوتم گیر پہ جائداد وقف کی نسبت ذیل کی شرطیں عاید کی گئی ہیں۔

پرسوتم گیر یا کوئی مہنت جو اُسکے بعد مقرر ہو مجاز نہ ہوگا کہ کوئی جزو کل جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کو منتقل کرسکے۔ لیکن جو مہنت گدی نشین ہو مجاز ہوگا کہ جائداد گدی کے منافع کا کوئی حصہ کسی نیک کام کے لئے علیحدہ کردے مثلاً اجرائے سنسکرت اسکول یا پاٹ شالہ۔ اور بغرض انتظام و ترقی فوائد گدی اپنی جانب سے ٹھیکہ کل یا جزو جائداد کا کسی معتبر شخص کو میعاد معین کے لئے بہ اخذ ضمانت کافی دیسکتا ہے۔

۲۶ جون ۱۸۹۶ء کو ڈگری ہائیکورٹ مورخہ ۴ نومبر ۱۸۹۵ء کے خلاف عدالت پریوی کونسل میں اپیل دائر کرنے کی اجازت پرسوتم گیر کو عطا کی گئی۔ جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ۴ مارچ ۱۸۹۹ء کو پریوی کونسل نے ہائیکورٹ کا فیصلہ منسوخ کرکے مرافعہ اوّل کا فیصلہ بحال رکھا۔ اس نالش کی پیروی کے لئے جسکی ضرورت ان لوگوں کی بدانتظامی سے پیدا ہوگئی تھی جن کی سپردگی میں جائداد تھی نیپال گیر اور بعدہ پرسوتم گیرنے وقتاً فوقتاً ایک شخص مسمی دت گیر سے قرض لیا تھا۔ اس قرض کی ضمانت کے طور پر پرسوتم گیرنے دو پرامیسری نوٹ تعدادی تین ہزار پانسو بحق دت گیر لکھدئے تھے۔ دت گیرنے پرسوتم گیر پر بربنائے ان پرامیسری نوٹوں کے نالش دائر کی اور اس تجویز کے ساتھ ڈگری حاصل کی کہ یہ قرض پرسوتم گیرنے گدی کی اغراض کے لئے بطور مہنت لیا تھا۔ اس امر کی نسبت کہ گدی کی جائداد بجراے ڈگری میں نیلام ہوسکتی ہے یا نہیں سب جج نے تجویز کیا کہ جائداد غیر منقولہ بری نہیں

ہوسکتی لیکن اسی صورت میں جبکہ تمام دوسرے رسائل ایفائے ڈگری کے ناکامیاب ہوں۔ اس ڈگری کی اپیل ہائیکورٹ میں ہوئی اس بنیاد پر کہ کس مد قرض کے لئے جائداد وقف ذمہ دار ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی رقم قابل ادا ہے تو آیا وہ جائداد وقف کے کسی جزو کو نیلام کرنے سے حاصل ہوسکتی یا نہیں۔ اسکی نسبت ہائیکورٹ نے یہ تجویز کی کہ "ایک رقم جو مدعا علیہ نے قرض لی چند مقامات فوجداری کے اخراجات کے لئے لی گئی تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ ناجائز کوشش جائداد گدی پر جبراً قبضہ کرنیکے لئے کی گئی تھی۔ پس جہاں تک اس رقم سے تعلق تھا اپیل منظور ہوئی اور دعوی مدعی نسبت ذمہ دار کرنے جائداد گدی کے ڈسمس ہوا۔ مگر ایک ذاتی ڈگری مدعا علیہ کی ذات پر اسیقدر رقم کی بابت دیگئی۔ بقیہ دعوی کی نسبت تجویز ہوئی کہ مدعا علیہ نے اسے بحیثیت مھنت گدی یا بابگیری خاص کام کے لئے قرض لیا تھا اور روپیہ نیک نیتی سے مقدمہ کے اخراجات کے لئے واقعی اور سخت ضرورت سے لیا گیا تھا۔ اور اگر پیروی کونسل میں اپیل کرنیکے لئے روپیہ نہ لیا گیا ہوتا تو بہت زیادہ قیمتی جائداد تلف ہو جاتی۔"

مندرجہ بالا دونوں حوالے تو جائداد وقف کے بہتر انتظام اور نوعیت قبضہ کی بابت تھے ذیل میں ہم ایک ایسے مقدمہ کا حوالہ دیتے ہیں جو بنگال میں اپنی قسم کا اول مقدمہ سمجھا جاتا تھا۔

— اپریل ۱۹۰۳ء میں ایک عظیم الشان مقدمہ عدالت ججی ضلع ہگلی میں پیش ہوا جو مھنت تارکیسر کے خلاف دائر کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ کو وہاں کے ہندوؤں نے دائر کیا تھا۔ جسکا یہ مطلب تھا کہ گدی تارکیسر کے مھنت عرصے سے بدنام ہیں اور ایک آدھ مھنت صاحب الزام بدکاری میں جیل کی سیر بھی کرچکے ہیں۔ مندر کا چڑھاوا اور آمدنی بہت زیادہ ہے۔ مھنت جسطرح چاہتے ہیں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ کسی اچھے کام میں نہیں لگاتے آمد خرچ کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ مھنت اپنے رشتہ داروں کی پرورش کے علاوہ کھلے خزانے عیاشی کرتے ہیں اسوجہ سے شہر کے ہندوؤں نے مھنت پر بدکاری۔ بے ایمانی۔ غفلت۔ فریب دہی اور بدنظمی کا الزام لگایا۔ اور زیر دفعہ ۵۵۴ مجموعہ

ضابطۂ دیوانی نالش کی کہ مہنت گدی سی اُتار دیا جائی اور جائداد کی فہرست بنائی جائی۔ آمد و خرچ کا تخمینہ
کرکے اخراجات مقرر کئی جائیں گدی پر کوئی دوسرا شخص مقرر کیا جائی۔ اور اگر کوئی مناسب شخص نہ ملے
تو عدالت خود کسی کو تجویز کردی۔ اسخیال سی کہ مقدمہ پریوی کونسل تک جائیگا اور بنگال میں بالکل جدید
قسم کا یہ مقدمہ تہا چند نامور اصحاب نے یہ کام اپنی ذمہ لیا کہ جائداد وقف کی متعلق قانونی دست اندازی
کریں جسکا اُنہیں قانوناً حق حاصل تہا۔ اسیطرح کی ایک صریح سرکاری دست اندازی اور وقف کی بچت
کو وظائف تعلیم و صنعت و حرفت میں لگانیکا واقعہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۳ء کو لکہنؤ میں ہوا۔ دعویداران تولیت
نجف اشرف صاحب کمشنر کی کچہری میں اسلئے طلب ہوئی تہے کہ جدید انتظام وقف سے آگاہ کردئے جائیں۔
اُس وقف کی ماہوار آمدنی تین ہزار روپیہ ہے۔ قرار پایا کہ دو ہزار تنخواہ ملازمین۔ اخراجات مجالس مرمت
مکانات۔ اور دوسرے ضروریات پر خرچ کیا جائی جو منشائی وصیت کے مطابق ہی۔ باقی ایک ہزار خیرات اور
وظائف صنعتی و عام تعلیم میں خرچ کیا جائی۔ منصرم وقف سکرٹری حسین آباد رہینگے اور تین ٹرسٹی دعویداران
تولیت نامزد کریں جو انتظام مجالس میں مدد دیں انہیں بطور وظیفہ کچہ ماہوار دیا جائیگا۔

گورنمنٹ سی آخری استدعا اب وقت آگیا ہی کہ گورنمنٹ ہندوستان کی اوقاف پر توجہ فرمائی اور
اسبات سی اطمینان رکہی کہ جاہل سی جاہل بہی گورنمنٹ کی امداد کے لئے آمادہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ
سب کام چہوڑ کر پہلے اوقاف کا معقول بندوبست فرمائی اور اسکی آسان تدبیر یہ ہی کہ ہر وقف کے عمدہ انتظام
کیواسطے با اثر اور لائق اصحاب شہر کو ٹرسٹی مقرر فرمائے اور متولی کو (اگر وہ وقف کی حفاظت کا خیال کیے)
سکرٹری بنائی اور اہل شہر اسیطرح اس کام کو انجام دیں۔ جسطرح گورنمنٹ کے ذمہ دار افسر اپنے فرائض کو انجام
دیتے ہیں۔ گورنمنٹ کلکٹروں کو ذمہ دار گردی کہ وہ حساب کتاب کو اچہی طرح سمجہ لیا کریں اور منشائی واقف
کی تعمیل کے بعد جو رقم پس انداز ہو وہ رفاہ عام کی مد میں تو نہ صرف کیجائے اور ملک کی صنعت و حرفت
اور تعلیمی پالیسی کو ترقی دیجائی۔ گورنمنٹ کو درگاہ خواجہ معین الدین چشتی اور حسین آباد شریف کے اوقاف کا
تجربہ ہو چکا ہی۔ اور کوئی شخص گورنمنٹ کے حسن انتظام پر نکتہ چینی نہیں کرتا۔ رنگون میں نواب لفٹنٹ
گورنر بہادر نے سکرٹری انجمن اوقاف کی مدد کی ہے اور نالش کا حکم دیدیا ہی۔ کوئی وجہ نہیں ہی کہ تمام ملک
میں یہ قاعدہ جاری کیا جائی۔ اگر گورنمنٹ مذہب کی وجہ سے خود کو الگ رکہیگی تو یہ سمجہا جائیگا کہ گورنمنٹ کو ایک بہت
ضروری اور اہم مقصد کی طرف یقینی توجہ نہیں ہی۔ فقط۔ "حکیم برہم گورکہپور"

تاریخ اسلام پر ایک سرسری نظر

(۲)

خلفای راشدین اوّل خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ "جناب رسالت مآبؐ نے انھیں ایک مرتبہ اپنے بدلے نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ یہی وجہ انکے انتخاب کی ہوئی۔ ۶۳۲ء میں مسند خلافت پر متمکن ہوکر آپ نے سب سے پہلے اُن مزاحمتوں کو دور کرنے کی کوشش کی جو جو اسلام کی راہ میں حائل تھیں اور مسیلمہ کذاب کا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا استیصال فرمایا۔ آپ کے زمانہ میں سب سے بڑی لڑائی اجنادین کی ہوئی (۶۳۳ء) جسمیں رومنس کے پچاس ہزار آدمی کام آئے اور انھیں شکست فاش نصیب ہوئی پھر محاصرہ دمشق شروع ہوا اور جس روز حضرت ابوبکر صدیق نے وفات پائی (۶۳۴ء) اُسی روز دمشق فتح ہوا۔ جب اس فتح کی خبر ہرقل کو پہونچی تو وہ چلا اُٹھا الوداع اے شام الوداع"۔ آپؓ نے عین حیات حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔ جو ۶۳۴ء میں خلیفہ ہوے۔

"حضرت عمرؓ کی افواج نے بہت جلد عراق عرب اور ایران کو فتح کرلیا۔ اخر ساسانی بادشاہ کو تخت سے اُتار دیئے اور اُسکے ملک پر جو اتنے زمانہ سے شاہنشاہان ایران کی ملک چلا آتا تھا قبضہ کرلینے کے لئے صرف چند مہینے کافی تھے"۔ ایران میں جو کام آپکے سپہ سالار حضرت سعدؓ ابن وقاص نے کیا وہی کام شام میں حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح اور حضرت خالدؓ ابن ولید نے انجام دیا۔ حملہ شام و فتح بصرہ و دمشق سے ہرقل بیدار ہوچکا تھا۔ اُس نے مستقل ارادہ کیا کہ ان بیجا مزاحمت کرنیوالے وحشی عربوں کو اُن کی گستاخی کی سزا دیجائے۔ اس غرض سے اسی ہزار سپاہی یورپ و ایشیا سے انتخاب کرکے قصبہ یرموک کے پاس لا کھڑے کئے۔ ان کے علاوہ ساٹھ ہزار آدمی غسان کے تھے جو اپنے سردار جبلہ کی ماتحتی میں ہم مذہب ہونے کی وجہ سے رومی فوج کے ساتھ خود

له دیکھو تمدن عرب، از موسیو لیبان

اپنے ملک والوں سے لڑنے آئے تھے۔ نومبر ۶۳۶ء کو دریائے یرموک کے کنارے لڑائی شروع ہوئی اور بہت کچھ قتل و خون کے بعد عیسائیوں کو شکست نصیب ہوئی۔ "اُن بہادروں نے بھی جنہوں نے شام کی لڑائیوں میں حصہ لیا تھا یہ بات مان لی کہ اس روز سے زیادہ سخت دن کبھی انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس لڑائی کا نتیجہ قطعی ثابت ہوا۔ ہزاروں یونانی اور شامی عربوں کی تلوار کے بھینٹ چڑھے۔ بہت سے شکست کے بعد جنگلوں اور پہاڑوں میں قتل کئے گئے اور بہت سے دریائی یرموک میں کود پڑے اور ڈوب گئے اور خواہ عرب مورخ عیسائیوں کی نقصان کو کتنا ہی بڑھا کر لکھیں خود عیسائی مصنف اقرار کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی اس پاداش پر آنسو بہاتے ہیں" اسکے بعد رومیوں میں مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہی اور تھوڑے ہی عرصہ میں بیت المقدس حضرت عمرؓ کے حوالہ کر دیا گیا اور رفتہ رفتہ پلمیرہ (تدمر) بعلبک - انطاکیہ - طبریہ - نابلس - صور - طرابلس ان سب شہروں پر ہلال اسلام لہلہانے لگا اور شہنشاہ مشرق ہمیشہ کے لئے شام سے جہاں اسکے بزرگوں نے سات سو برس تک حکومت کی تھی خارج کر دیا گیا۔ مغرب میں اسلامی فوج نے حضرت عمروؓ ابن العاص کی سرکردگی میں بہت کامیابی حاصل کی۔ مصر و نوبہ دونوں فتح ہو گئے اور ۶۴۴ء میں جب حضرت عمرؓ نے وفات پائی۔ روم و شام۔ مصر و طرابلس برقہ کا بہت بڑا حصہ۔ خراسان۔ آرمینیا اور ایران دنیائے اسلام میں شامل ہو چکے تھے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان جو حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ۶۴۴ء میں خلیفہ منتخب ہوئے نہایت کبیر سن تھے۔ آپ کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا اور اسلامی سپہ سالار خراسان و ایران کو پورا فتح کرکے تفقاز تک فوجیں لے گئے اور ہندوستان تک اپنی فتوحات کا سلسلہ پہونچا دیا۔ اسی زمانہ میں جزیرۂ روڈس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور شاہنشاہ روم اسکندریہ میں دوسری مرتبہ شکست کھا کر اپنے ملک کو واپس گیا اور پھر اِدھر جانب کا رخ کبھی نہیں کیا۔ قرآن مجید جس ترتیب کے ساتھ آج کل مروج ہے۔ حضرت عثمانؓ ہی کے زمانہ میں جمع ہوا تھا۔ آپ کی شہادت کے بعد ۶۵۵ء میں مسند خلافت پر حضرت

* گبن کی تاریخ زوال سلطنت روما۔

شیر خدا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہ فائز ہوئے منافقین کی فتنہ پردازیوں سے کچھ ایسی نااتفاقیاں اور خانہ جنگیاں اس زمانہ میں شروع ہوئیں کہ اسلام کی عمارت متزلزل ہو گئی پانچ برس خلافت کرکے تہتر برس کی عمر میں ہجرت نبوی سے چالیس برس بعد کوفہ کی ایک مسجد میں حضرت علیؓ شہید کئے گئے اور خلفائے راشدین کا مبارک زمانہ اختتام کو پہونچا۔

خلفائی بنو امیہ | عربوں کی مغربی فتوحات بیس برس تک ملتوی رہیں اور آپس کے جھگڑوں سے (۶۶۵-۶۸۰ء) مسلمانوں کو کہیں اُسوقت جاکر سکون نصیب ہوا جبکہ بنوامیہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اسلام کا دارالخلافت اب دمشق میں قرار پایا اور سلاطین مشرق کی شان و شوکت کی تقلید شروع ہوئی۔ حضرت معاویہ نے اپنی فوج افریقہ کی شمالی حصہ میں بسرکردگی عقبہ روانہ کی۔ مسلمانوں کے فتوحات کا سلسلہ سمندر کے کنارے کنارے جاری رہا۔ بوگیا اور تنجیر فتح ہوئے۔ "بیوفٹ[1] و جری عقبہ ملک کے قلب تک دہنسا چلا گیا اور تمام ریگستانوں اور بیابانوں کو طے کرتا ہوا جہاں اوسکے جانشینوں نے فارس و مراکو جیسے ملک آباد کئے صحرائے اعظم و بحر ظلمات (اٹلانٹک) کے کنارے تک جا پہونچا۔ ... یہاں اُسکے جوش کی تو نہیں مگر اوسکی فوجوں کے رفتار کی سمندر کے اس بے پایاں کنارے نے مزاحمت کی اُس نے اپنے گھوڑے کو پانی میں ڈالدیا اور آسمان کی طرف آنکھ اُٹھا کر جوش فتح مندی میں کہنے لگا کہ اے خدائے بزرگ و برتر اگر میرے راستہ میں یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو برابر اُن مغربی ممالک تک جنکا علم کسی کو نہیں ہے تیرے مقدس نام کے وحدانیت بیان کرتا ہوا اور اُن باغی قوموں کو جو تیرے سوا دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں قتل کرتا چلا جاتا۔" مگر ان فتوحات کا سلسلہ عبداللہ بن زبیرؓ کے خروج کی وجہ سے کچھ مدت کے لئے تھم گیا اور دوسری مرتبہ خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں چالیس ہزار عربوں نے بماتحتی حسن گورنر مصر یہ سلسلہ فتوحات کو جاری کیا۔ کارتیج دوبارہ مسخر کیا گیا اور یونانی اور گاتھہ فوجوں کو جو ٹڈی دل کی طرح اُمنڈ کر آئی تہیں یوٹیکا کے میدان میں شکست فاش نصیب ہوئی۔ مگر سلسلہ جنگ میں شمال و جنوب کے گاتھہ اور عربوں میں بہت مقابلے ہوتے رہے حتی کہ ۷۰۹ء میں موسیٰ امویوں کے جنرل نے مستقل طور پر فتح

[1] گبن کی تاریخ زوال سلطنت روما

اندلس کا ارادہ کیا۔ ولید ابن عبد الملک اسوقت مسند خلافت پر تہا۔ موسیٰ نے اُس سے اجازت حاصل کرکے ایک سو عرب اور چار سو افریقی اندلس روانہ کئے۔ سنہ ۹۱ھ (جولائی ۷۱۰ء) رمضان کے مہینے میں اس جماعت نے خاک اندلس پر قدم رکھا۔ اسکے بعد اپریل ۷۱۱ء کو پانچہزار سپاہی اور طارق کی ماتحتی میں روانہ ہوئی (اور اُس) مقام پر اُترے جسے آج جبل الطارق کہتے ہیں اور عیسائی جنرل ایڈیکو (تدمیر) کو شکست دیتے ہوئے قادس تک بڑہے چلے آئے جہاں راڈرک (لذریق) بادشاہ اندلس سے سخت مقابلہ پڑا۔ عرب اس لڑائی میں بارہ ہزار کے قریب تھے اور عیسائی ایک لاکھ کے قریب۔ مگر آخر الذکر کو شکست فاش نصیب ہوئی اور ہسپانیہ کا بادشاہ اپنے صبا رفتار گھوڑے اوریلیا پر چڑہکر فرار ہوا کچھ دنوں بعد دریاے وادی الکبیر کے کنارے اُسکا تاج شاہی اور لباس پڑا ہوا ملا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ غرق ہوگیا ہوگا مگر لاش کا پتہ نہ چلا۔ اب طارق نے اپنی فوج کے تین حصے کرکے تین طرف روانہ کئے۔ مغیث رومی کے سپرد پہلا حصہ فتح قرطبہ کے لئے روانہ کیا۔ ایزید بن قیصری نے جو دوسرے حصہ کا سردار تہا شہر ملقون فتح کیا اور خود بنفس نفیس تیسرے حصے کے ہمراہ پایتخت طلیطلہ کے جانب روانہ ہوا۔ پایتخت بلا لڑے ہاتھ آگیا اور "جو لوگ اپنی مرضی سے شہر چھوڑنا چاہتے تھے اُنھیں اجازت ملگئی کہ جہاں چاہیں اپنا مال و اسباب لیکر چلے جائیں۔ عیسائیوں کی عبادت کے لئے سات گرجے اُن کے حوالے کئے گئے اور اسقف اعظم اور دیگر پادریوں کو اپنے مذہبی اقتدارات استعمال کرنے کی پورے اختیار دیدیے گئے راہبوں کو اجازت ملی کہ جسطرح چاہیں ریاضت کریں اور گانہ اور رومنس کے ساتھہ یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی کہ تمام دیوانی اور فوجداری مقدمات میں خود اپنے قوانین اور مجسٹریٹوں کی پابندی احکام کریں"[۱]۔ ایک سال کے اندر ہی موسیٰ کی غلام نے جبل الطارق سے لیکر خلیج بسکے تک (۷۰۰) سات سو میل زمین مسخر کرلی۔ اب ۷۱۲ء میں اشبیلیا و مریدہ نے بہی موسیٰ کی اطاعت قبول کی۔ سرقسطہ (ساراگوسا) میں قریش کی فیاضی سے ایک مسجد تعمیر کی گئی اور بندرگاہ برشلونہ (بارسی لونا) کے دروازے جہازات شام کے لئے واکرد

[۱] گبن کے مسولیان

گئے اور قوم گاتھ کا تعاقب کرکے کوہستان پرینیز کی پرے گالی صوبہ سپٹی مینیا تک اُنھیں پہونچا دیا۔ موسیٰ کی خواہش تھی کہ اس سلسلہ کوہ کو پار کرکے حکومتہائے فرینک ولمبارڈ کی ٹمٹماتی ہوئی مشعل کو بجھا دے اور ویٹیکن کے ممبر پر کلمہ لا الہ الا اللہ کا اعلان کرے۔ مگر مشیت ایزدی نہ تھی اور دربار خلافت کے پروانہ معزولی نے اس ذی حوصلہ جنرل کی تمنائیں دل کی دل ہی میں رہنے دیں مورخین لکھتے ہیں کہ اندلس کو فتح کرنے کے بعد موسیٰ کا ارادہ تھا کہ فرانس و جرمنی کے راستے قسطنطنیہ کو لیتا ہوا شام پہونچکر آستانہ خلافت کو بوسہ دے اور اس تمام خطہ عالم کو نور اسلام سے منور کردے۔ لیکن عین ایسے وقت میں جبکہ اُسکا حوصلہ بڑھا ہوا تھا اور فتح و نصرت اوسکی رہنما تھی خلیفہ نے اُسے دمشق میں طلب کرلیا۔" اسمیں شک نہیں کہ وہ تمام یورپ کو مسلمان بنالیتا اور ایک ہی دہلہ میں تمام متمدن اقوام میں اتحاد مذہب پیدا کردیتا اور یورپ کو اُس زمانہ تاریکی سے بچالیتا جس سے اندلس عربوں کی بدولت محفوظ رہا" موسیٰ کے بعد سپہ سالاران خلافت نے کئی دفعہ آگے تلب فرانس کی جانب بڑھنے کی کوشش کی مگر [illegible] سے آگے نہ جاسکے۔ آخر کار ۷۲۱ء میں خود اہل اندلس کی خواہش [illegible] عبدالرحمن وہاں کا حاکم کیا گیا۔ ایک طرف اُسنے دریائے رون سے [illegible] کیا اور دوسری طرف گیرونی کو عبور کرکے عیسائی جنرل یوڈیز کو [illegible] دی اور صوبہ جات اکوئی ٹین کو فتح کرکے اپنا علم طارس کی دیوار پر [illegible] مگر اس فتح سے لطف اٹھانا اُسکے تقدیر میں نہ تھا اور عربوں کو ۷۳۲ء میں چارلس مارٹل کے مقابلہ میں کوہ ہائی پیرینیز کے اسطرف پھر واپس آنا پڑا۔ عربوں نے یورپ کے اس غربی جانب اپنی سلسلہ فتوحات کو صوبہ سپٹی مینیا تک پھیلا دیا تھا اور شہنشاہ دمشق و سمرقند کا قبضہ ایک جانب تاک تاغ گیگانی و شہر بورڈو تک تھا اور دوسری طرف جنوب فرانس میں دہن گیرونی سے لیکر دریائے رون تک عربوں کی عادات اور مذہب پھیل گئے تھے" یورپ کی مشرقی جانب فتح قسطنطنیہ کا ارادہ عرب کئی بار کرچکے تھے۔ خصوصاً بال بال مسلمانوں کے قبضہ میں آتے آتے رہگیا۔ ولید نے ۷۱۶ء میں دوسری مرتبہ نہایت شد و مد کے ساتھ محاصرہ کی تیاریاں کیں مگر اُسکی زندگی نے وفا نہ کی۔ تاہم یہ دوسرا محاصرہ

جسکا سلسلہ شروع ہو گیا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں
کئی مرتبہ بحر و بر دونوں جانب سے حملے پر حملے کئے گئے مگر کثرت برف باری نے جو ستو دن تک
قائم رہی تمام کوششیں بے سود کر دیں اور عربوں کو اپنے ارادے سے باز آنا پڑا۔
مگر ابھی دوسری صدی ہجری ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بنو امیہ کی سلطنت میں ضعف
پیدا ہونے لگتا ہے۔ شام میں کسی غیر معلوم مقام سے ایک شخص محمد بن علی بن عبدا
بن عباسؓ کھڑا ہوتا ہے۔ دو سیاہ علم اُسکے آگے آگے ہیں اور خلفائے بنو امیہ سے مخالفت
شروع ہوتی ہے۔ اسکی وفات کے بعد ابراہیم اُسکا لڑکا عباسیوں کا سردار بنایا جاتا۔
مگر دربار خلافت سے اس گروہ مخالفین کی سرکوبی ہوتی ہے اور ابراہیم مکہ کے راستے
میں قتل کیا جاتا ہے۔ اُسکے دو بیٹے صفاح و المنصور ظالموں کے ڈر کے مارے کوفے
میں چھپ جاتے ہیں مگر جب اُن کے موافقین کی ایک خاص جماعت ہو جاتی ہے تو پھر
دعوائے خلافت شروع کرتے ہیں اور مشیت ایزدی پکارتی ہے کہ مروان امویوں کا
خلیفہ اور صفاح عباسیوں کا پہلا خلیفہ ہوگا۔ و لولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسد
الارض واللہ ذو فضل علی العالمین۔
مدعیوں حکومت کے زمانے میں شام نے پھر وہ سرسبزی حاصل کر لی تھی جو سالہا
دراز سے مفقود ہو گئی تھی۔۔۔۔ اُنہوں نے اپنی رعایا کے ساتھ نہایت انصاف و انسانیت
سے برتاؤ کیا اور اُن کو پوری آزادی مذہب عطا کی۔ اُنکے عہد میں کلیسہ شرقی و مغربی دو
کے رئیس الاساقفہ کو اسقدر آرام و آسائش ملی جو کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی اور شام
کے تمام بڑے بڑے شہر بیت المقدس۔ صیدون۔ دمشق اور صور پھر سرسبز ہو گئے ا
حرفت و فلاحت انتہائی ترقی پر پہونچ گئی۔[۱]

خلفائے بنو عباس جب علم خلافت عباسیوں کو ملا تو اُنہوں نے بغداد کو اپنا دارالخلافہ
قرار دیا۔ جسطرح بنو امیہ نے بنو ہاشم کے استیصال کی کوشش کی تھی اسیطرح بنو عباس
بنو امیہ کو دنیا سے ناپید کرنے کی کوشش کی۔ اُن کی ایک بہت بڑی جماعت کو دمشق
میں دعوت دیگئی اور مکان ضیافت میں قتل عام کیا گیا۔ اس ہنگامہ سے صرف ایک ل

[۱] تمدن عرب

عبدالرحمٰن جانبر نہو سکا جسنے المنصور کے قبضہ سے اندلس کو چھینکر خاندان بنوامیہ کا علم سفید قرطبہ کی دیوار پر نصب کیا۔ اسطرح پر دنیائے اسلام میں عربوں کی دو مختلف حکومتیں ہوگئیں پہلی خلافت بغداد ایشیا میں۔ دوسری سلطنت قرطبہ یورپ میں جو عبدالرحمٰن ثالث کے زمانہ میں دارالخلافت قرطبہ کے نام سے کہلائی جانے لگی۔" لیکن[1] چونکہ دونوں ہم مذہب ہم اصل و ہمزبان تھیں۔ لہذا ان دونوں کی ترقی کئی صدیوں تک ایک ساتھ برابر جاری رہی اور ایسے زمانہ میں جبکہ یورپ جہالت کی تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ اسلام کے یہ دونوں بڑے دارالسلطنت اُس تمدنی ترقی کی نشار و ضیا تھے جسنے اپنے نور سے تمام عالم کو منور کردیا۔" بنی اُمیہ کے زمانے میں تعلیم صرف قرآن پاک کی تحصیل اور شعر و شاعری تک محدود تھی[2] ۱۳۲ھ میں جبکہ خانہ جنگیوں کے بعد عرب چونکے تو اُنہوں نے بجائے ملک گیری کے زیادہ تر تحصیل علوم کی طرف توجہ مبذول کی۔ اس تحریک کا بانی ثانی خلیفہ المنصور تھا جو خود علم ہیئت کا بہت بڑا ماہر تھا۔ لیکن جب عصائے خلافت مامون الرشید تک پہونچا جو عباسیوں میں ساتواں خلیفہ گذرا ہے تو اُسنے اپنی دادا کے تمام منصوبوں کو پورا کیا۔" اُسکے سفراء قسطنطنیہ میں متعین تھے اور اُسکے ایجنٹ جو آرمینیا، شام اور مصر میں بستے تھے یونانی علوم کی کتابیں جمع کرتے پھرتے اور اُسکے حکم سے بڑے بڑے ماہر عربی زبان میں اُن کا ترجمہ کرتے تھے۔" پانچ سو برس علوم و فنون کا یہ سمندر جوش مارتا رہا یہانتک کہ وحشیان مغلستان نے بغداد کو فتح کرکے خلافت عباسیہ کا خاتمہ کیا۔ قطب الدین الحنفی (المتوفی ۹۸۸ھ) لکھتا ہے کہ اُن ثقیل علوم و فنون نے اس واقعہ سے پہلے اسقدر علمی ذخیرہ جمع کیا تھا کہ جسوقت مغلوں نے مدرسوں کی کتابوں کو دجلہ میں ڈال دیا تو اُن کے آپس میں ملجانے سے ایک پل تیار ہوگیا جسپر سے سوار و پیدل بخوبی اُتر سکتے تھے اور دریا کا پانی بالکل سیاہ ہوگیا تھا۔"

اس خاندان میں ہارون الرشید و مامون الرشید کے نام آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں انکے زمانہ میں بغداد تمام شہروں میں سب سے زیادہ نامور بنگیا۔ چین و تاتار و ہندوستان کے علما فضلا زمانہ کی بیقدری سے آستانہ خلافت کے سایہ میں پناہ

[1] تمدن عرب از موسیو لی بان [2] گبن

میں پناہ لیتے تھے اور شارلیمین شاہنشاہ فرانس جو درحقیقت تمام یورپ کا مالک ہے ہارون الرشید کے پاس اپنے سفیر بھیجکر اظہار نیازمندی کرتا تھا۔ اس خلیفہ نے والی فرانس کو ایک مرتبہ ایک گھڑی بھیجی تھی جو وقت بتاتی اور گھنٹے بجاتی تھی "اس گھڑی نے شارلیمین اور اُسکے نیم وحشی مصاحبوں کو جنکے ذریعے سے وہ بیچارہ بے فائدہ تمدن روم کی تجدید کی کوشش کر رہا تھا نہایت چکر میں ڈالا اور اُسکے دربار میں کوئی شخص بھی اس لائق نہ تھا جو اس گھڑی کے کیل کانٹے کو سمجھ سکتا"۔ اس زمانے میں تمام ملک میں سڑکیں بن گئیں تھیں اور اُن پر ڈاک کا انتظام کیا گیا تھا اور خطوط رسانی کا انتظام بغداد میں ایسا ہی کامل تھا جیسا کہ آج یورپ میں ہے "نامہ بر کبوتر بھی ڈاک لیجانے کے کام آتے تھے۔ تجارت کو بے انتہا فروغ تھا اور قلمرو عباسیہ میں ایسی ایسی چیزیں تیار ہوتی تھیں جو جواب نہیں رکھتی تھیں۔ موصل و حلب و دمشق کے چارنگ کپڑوں کے کارخانے تمام دنیا میں مشہور تھے اور زمین سے نمک۔ گندھک سنگ مرمر۔ لوہے اور سیسے کی کانیں نہایت با اصول طریقے پر کھودی جاتی تھیں۔ علم حاصل کرنے کی خواہش نہیں بلکہ ہوکا تھا۔ "خلفائے بغداد ہر ایک تدبیر سے دنیا کے مشہور علماء اور اہل کمال کو اپنی دارالسلطنت میں جمع کرتے تھے۔ اور ایک خلیفہ نے تو شہنشاہ شرق کو محض اسوجہ سے اعلان جنگ دیا تھا کہ وہ ایک مشہور مہندس کو بغداد میں درس دینے کے لئے نہیں بھیجتا تھا"۔ مامون الرشید کا قول تھا کہ "علما اللہ تعالیٰ کے اُن خاص بندوں میں سے ہیں جنہیں اُسنے انسان کی فہم و ادراک کو کامل کرنیکے لئے انتخاب کیا ہے۔ یہ لوگ دنیا کی مشعلیں اور رہبران بنی نوع انسان ہیں"۔ یونانی حکما کی تصانیف عربی میں ترجمہ کی جاتی تھیں اور اُن کی شرحیں لکھی جاتی تھیں اور اکثر نسخے جن کی اصل اب نہیں ملتی انہیں مشرقی تراجم کے ذریعے سے دریافت کئے گئے ہیں۔ یہ مشرق والے۔ ارسطو و فلاطون اقلیدس و اپالونیس۔ بطلیموس۔ بقراط و جالینوس کی کتابوں کو باحتیاط تمام رکھتے اور پڑھا کرتے تھے"۔ اُنھوں نے علم ہیئت کی جسے مدت ہوئی لوگ بھول گئے تھے پھر بنیاد ڈالی۔ ہندوستان کے سدھانتا اور دیگر ہندی کتب کے ترجمے کرائے۔ کیمیا اور ریاضیات پر بڑی کتابیں لکھیں۔ کالدیہ میں مامون نے ایک رصدگاہ بنوائی تھی اور میدانہائے سنجار (شینار؟)

۱؎ تمدن عرب ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ۵؎ گبن

اور کوفہ میں خلیفہ کے حکم سے موسیٰ بن شاکر کے بیٹوں نے کرہ ارض کی ایک درجہ کی پیمائش کی اور زمین کا محیط چوبیس ہزار میل قرار دیا تھا۔ ارسطو و سقراط کے دُرِ مکنون۔ فلاطون کے اسرار اور سولن کے قانون بغداد ہی نے کہنہ قبروں سے کھود کر عالم پر آشکارا کئے۔ اور آج علی ابن عیسیٰ ابو بکر رازی جبرل ابن بختیشوع اور حنین ابن اسحاق کے نام یونانی اُستادوں کے نام سے زیادہ آسمان فلسفہ پر جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

خلفائے بغداد کی فوجی قوت بھی اُسیقدر تھی جسقدر کہ اُنکی علمی قوت تھی۔ قسطنطنیہ کا شاہنشاہ جو یونان و روم کے شاہنشاہوں کا جانشین تھا۔ آستانہ خلافت کا باجگذار تھا۔ ہارون الرشید اور اُسکے بیٹے کے زمانہ میں ملک اسلام ایشیا میں چین کی سرحد تک پہونچ گیا تھا۔ مغرب میں اُن کی حکومت کی حد بحر ظلمات (اٹلانٹک) تک تھی اور دو صدیوں کے اندر عربوں نے سلطنت روما کے برابر ایسا ملک حاصل کر لیا تھا جو قوت اور تمدنی ترقی میں دنیا پر فوقیت رکھتا تھا۔

بنو امیہ و بنو عباس کی باہم جنگ و جدل کے زمانہ میں یونانیوں نے مسلمانوں سے اپنا پرانا بدلہ لینے کی کوشش کی تھی جسکے عوض میں سنہ ۷۸۱ء میں خلیفہ مہدی نے پچانوے ہزار سپاہی اپنے بیٹے ہارون کے زیر کمان بھیجے کہ آئرینی اور کانسٹنٹائن کو اُن کی گستاخیوں کی سزا دے۔ مگر ملکہ نے خراج دینا منظور کر کے جان بچائی اور اسطرح قسطنطنیہ عربوں کے چنگل سے نکل گیا۔ نیسی فورس نے اسکے بعد یہ جرأت کی کہ خراج دینا بند کر کے خلیفہ بغداد کی اطاعت کا جوا پھینکدے۔ مگر چالیس ہزار یونانیوں کے سر کٹوا کر اُسے راہ راست پر آنا پڑا۔ مامون کے زمانہ میں (سنہ ۸۲۳ء) جزیرہ ہائے کریٹ و سسلی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ مامون کے بھائی معتصم باللہ نے عیسائیوں کے مقابلہ میں آٹھ لڑائیاں لڑیں۔ عموریہ کے میدان میں ایک سخت جنگ ہوئی جسمیں خلیفہ بنفس نفیس شریک تھا اور عیسائیوں کو اتنی سخت ہزیمت ہوئی کہ تین منزل پر میدان جنگ سے بھاگ کر دم لیا مگر قلعہ عموریہ پچپن دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا۔ یہ زمانہ آل عباس کی انتہائے عروج کا تھا۔ اسکے بعد آفتاب اقبال کو زوال شروع ہوا۔ اور وہ ترکی غلام جو ابتداً چاکری کی غرض سے بغداد آئے تھے

[1] گبن

اپنے قد و قامت و وجاہت ظاہری کے بدولت قصر شاہی کے محافظ بن گئے۔ رفتہ رفتہ مصر کے مملوں کے مانند سلطنت پر حاوی ہوتے گئے اور خلیفہ وقت نام ہی نام کے لئے رہ گیا ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہر جگہ خود مختار ریاستیں قایم ہوگئیں اور جسوقت ۱۲۵۸ء (۶۵۶ھ) میں مستعصم باللہ اخیر عباسی خلیفہ ہلاکو کے ہاتھ سے مارا گیا اُسوقت بغداد سوائے مرکز علم و ادب کے اور کچھہ نہ تہا اپنے مالکوں کی تباہی کے بعد بغداد بہی برباد ہوگیا اور وہ علوم و فنوں کا سرچشمہ جسکی طغیانی نے یورپ تک زمین سیراب کردی تہی اس گرد روزگار میں ملگیا جس میں اُسوقت تہبس۔ ہابل و ممفس پڑے سو رہے ہیں۔ مگر ان دار السلطنتوں کی حکومت فوجی حکومت تہی۔ برخلاف اسکے بغداد کی حکومت علم و فضل کی حکومت تہی جسکا اثر ابد الآباد تک باقی رہیگا۔ عباسیوں کے سفید علم والے حریف بہی جو اندلس پر المنصور ہی کے زمانہ میں قابض ہوگئے تہے ترقی علوم و فنوں کے لحاظ سے انسے کم نہیں رہے۔ فقط

"معشوق حسین خان"

مستورات کی پکار

رسالہ

صحت النساء

جوکہ ایک عالم نے ہندوستان کی عورتوں کی حالت درست کرنیکے لئے ہزارہا روپیہ خرچ کرکے صرف معزز پبلک میں مفت تقسیم کرنیکے لئے گیارہ لاکھ کی تعداد میں چہپوا کر طیار کرایا ہے اسلئے نوٹس ہذا کا مطالعہ کرتے ہی جتنی جلدی مناسب سمجہیں پتہ ذیل بالکل مفت منگا کر (جنپر محصول ڈاک بہی فنڈ کیطرف سے ہوگا) فی خواندہ آدمی ایک کتاب بالکل مفت تقسیم کرکے دونوں جہانوں میں ثواب حاصل کریں۔

از جنرل منیجر لائیبریری بک ایجنسی اپرانڈیا جگادہری ضلع انبالہ پنجاب

بیاض حسرت

(ماخوذ از تذکرۂ گلشن ہند لطف)

سراج الدین علیخان آرزو

میخانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے | زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

الم خلف حضرت خواجہ میر درد

نے دلکو قرار بیقراری کے سبب | نے چشم کو خواب اشکباری کے سبب
واقف نہیں ہم تو ان بلاؤں سے کبھی | جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

امانی خلف خواجہ عاصمی

اسکے کوچے ستی غبار اٹھا | کون واں سے خاکسار اٹھا
عندلیب با د اب صحرا | باغ سے موسم بہار اٹھا
ہچکیاں لے گا بیاں رو میں | بزم سے جب وہ میگسار اٹھا

میر شیر علی افسوس

سمند گرم جو یاں اس سوار کا پہونچا | غبار تا فلک اس خاکسار کا پہونچا
تو سچ بتا کہ تجھے کیوں ہوا اتنی بیچینی | مگر پیام کسی بیقرار کا پہونچا

میر عبدالحی تاباں

کہتے ہیں اثر ہیگا گریہ میں یہ ہیں باتیں | اکدن بھی نہ یار آیا روتے ہی کٹیں راتیں

میر شمس الدین فقیر

دردمندوں سے نپوچھو کہ کدہر بیٹھ گئے | تیری مجلس میں غنیمت ہے جدہر بیٹھ گئے
مفت اٹھنے کے نہیں یار کے کوچے سے فقیر | جبکہ بستر کو جما کھول کمر بیٹھ گئے

اشرف علیخان فغان

عشاق تیری گرمی بازار کر گئے | اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے

قدرت

دل پر داغ ہے اور حسرت پابوسی ہے | دست امید ہے اور دامن مایوسی ہے

ایک خط ایسے طالب العلم کے نام جو اپنے مشاغل علمی میں مستعجل رہنے پر مجبور رہتا

(ترجمہ از پی۔ جی ہمرٹن)

ہاں تو اب آپ اُس مسرت افزا حالت سے لطف حاصل کرتے ہیں جو کم وبیش ویسی ہی دلپسند اور خوشگوار ہے نیز نتیجہ خیز مطالعہ اور مشاہدہ کے لئے ویسی ہی فائدہ رساں ہے جیسے گاڑی کے اُس گھوڑے کی حالت جو حد سے زیادہ دوڑایا گیا ہو۔

بہت بڑے کاہل اشخاص کو، جو بغیر اُس حالت کے جبکہ اُن پر کسی فوری ضرورت کا بار ہوتا ہے کبھی کوئی کام نہیں کرتے تم یہ کہتے ہوئے سُنا گیا ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اُنہیں اپنے مشاغل میں مجبوراً عجلت کرنا ہو۔ بے شک چند اقسام کے علمی مشاغل جو عادت کے باعث سے اسان ہو گئے ہوں نہایت ہی سرعت کے ساتھ اُسوقت ختم ہو سکتے ہیں جبکہ کام کرنیوالے کو اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ بوجہ ضرورت کے فوری محنت قطعی طور پر لازمی ہے۔ تاہم یہ فی الحقیقت ہرگز درست نہیں کہ تعجیل کسی قسم کے اہم اور اعلیٰ مطالعہ کے لئے اچھی چیز ہو جو کام ایک مقررہ مضمون کے متعلق ہوتا ہے اُسمیں بلا اس امر کے کہ اوسکی خوبی میں کسیطرح قابل احساس نقصان پہنچے کبھی کمی سرعت کیجا سکتی ہے۔ ایک خزانچی کا منشی روپیوں کو بہت بڑی تیزی کے ساتھ گن لیتا ہے مگر اسکے شمار میں سہو کا اُس سے نہیں کم احتمال ہو سکتا ہے جتنا کہ اُسوقت ہوتا جبکہ وہ مشتبہ کر کے یا آہستہ اُنکو شمار کرتا ہے۔ ایک کاہل مزاج آدمی ہیں، جبکہ وہ تنگی وقت کیوجہ سے عجلت کرنے پر مجبور ہوتا ہے در اصل ایک قسم کی طبیعت کی تیزی پیدا ہو جاتی ہے اور اون چند لمحوں میں جبکہ اُسکی قوتیں اُبھار پر ہوتی ہیں وہ بہ نسبت دوسرے وقتوں یا حالتوں کے ایک زیادہ صاف ذہن اور عمدہ قابلیت والا شخص ہو جاتا ہے۔ اسوجہ سے یہ امر تعجب انگیز نہیں ہے کہ وہ ایک فوری حاجت کی تحریک کے اثر سے اپنے کام اُس سے زیادہ عمدگی اور صفائی سے کر سکتا ہے جتنی کہ روزمرہ کی معمولی اوقات

میں اس سے ممکن ہے۔

عنقریب آجانیوالی مصیبتوں کے ٹالنے کی غرض سے محنت کے بڑے بڑے تعجب انگیز کرشمے اسی طرح سے ظاہر ہوتے ہیں اور خاصکر فوجی افسروں سے نہایت ہی نازک موقعوں پر ایسے واقعات عمل میں آئے ہیں۔

تاجروں کی نسبتاً کم شہرت آور زندگیوں میں بھی بلیغ اور غیر معمولی کوششیں دیوالہ کے خطرہ سے بچنے کی خاطر ہوتی رہتی ہیں حالانکہ اگر اسطرح کی کوئی اہم پریشانی اور تردد ہو تو تاجر کبھی اس قابل نہیں ہوسکتا کہ اپنے معاملات کی طرف اعتدال اور واجبیت کی حد سے زیادہ توجہ کرے۔ تاہم باوجود اس قسم کی بہت سی مثالوں کے جو پیش کیجا سکتی ہیں اور ان مثالوں سے زیادہ متعدد مثالوں کے جو فراہم ہوسکتی ہیں یہ امر بے شک وشبہ صحیح و درست ہے کہ پاکیزہ اور اعلیٰ دماغی مشغلے کسی مناسب طریق سے انجام نہیں پاسکتے درانحالیکہ بار مشاغل کے احساس کا ذرا سا بھی دخل ہو۔ اگر آپ ایک اچھے اڈیٹر ہیں تو آپ اپنی گھڑی کو سامنے میز پر رکھکر ایک پُر اثر لیڈر تحریر کر سکتے ہیں اور اسی وقت مقررہ پر ختم بھی کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ شاعر ہیں تو آپ کبھی پابندی وقت کے ساتھ ایک نازک اور اچھوتے مضمون کو نظم کی صورت میں نہ لا سکینگے۔ اسیطرح یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ سائنس کی کوئی نئی دریافت ممکن ہے کہ یک بیک دریافت کنندہ کے دماغ میں آجائے لیکن وہ ہمیشہ نتیجہ ہوتا ہے، مشاہدات پر عرصہ دراز تک غور و خوض کرنیکا۔ اور یہ دریافت صرف اپنے وقت مناسب ہی پر دماغ میں آسکتی ہیں یعنی اسکا آنا اور معلوم ہونا ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ جو ضرورتیں اور مجبوریاں سپاہیوں اور کاروباری لوگوں کی قوتوں میں تحریک پیدا کرتی ہیں انہیں سے علمی باتوں کے دریافت کرنے والوں اور شاعروں کی قوتیں بالکل بیکار ہوجاتی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ معمولی سمجھ اور جد وجہد کی قوتیں بار احساس کی بیرونی تحریک سے ایک فائدہ بخش اثر قبول کرتی ہیں لیکن ذہن کی اعلیٰ ترین قوتوں کے فعل میں اس سے ایک رکاوٹ پیدا

ہوجاتی ہے اور وہ یہانتک اور اسقدر ہوتی ہے کہ جب یہ احساس بہت زیادہ
ہوجاتا ہے تو ان نازک اور اعلیٰ قوتوں کا فعل بالکل بند ہوجاتا ہے۔ تاکہ دماغ
کی اسفل مگر زیادہ کام میں آنیوالی قوت اپنا کام نہایت آزادی سے اور بلا روک کے
کر سکے۔

جب یہ کیفیت اور یہ حالت ہے تو جو اچھے اور معقول طریقے اور تدبیریں مشاغل
دماغی میں زندگی صرف کرنے کی ہیں انکا یہ ایک لازمی اور ضروری جز ہوجاتا ہے۔
کہ ہم اگر ممکن ہوسکے تو اپنے آپ کو عجلت کے خراب نتیجوں سے، کم سے کم اپنے
وقت کے ایک خاص حصہ تک، محفوظ رکھیں۔ یہ راز صرف اس ایک لفظ میں موجود
ہے یعنی انتخاب۔

مناظر قدرت کے ایک اچھے مصور نے مجھ سے کہا کہ مجھے جو کچھ اپنے فن میں کرنا
ہوتا ہے میں اُس سے متعلق جتنے امور ہوتے ہیں اُن کی مناسب ترتیب میں کوشش
بلیغ کرتا ہوں تاکہ عجلت میری طبیعت کے سکون میں خلل انداز نہو۔ اُسکا طرز عمل
جو منظر کی مصوری کے علاوہ دوسری باتوں کے لئے بھی بالکل مناسب ہی انتخاب
کے اصول پر مبنی تھا۔ وہ ہمیشہ اس امر کی احتیاط رکھتا تھا کہ پہلے ہی معلوم کرلے
کہ اُسے ہر ایک خاکہ یا مضمون میں کتنا وقت صرف کرنا ہے اور اسکے بعد اُن بہت سی
نیچرل باتوں میں سے جو اُسکے پیش نظر ہوں وہ سب سے زیادہ قابل قدر امور کو منتخب
کرلیتا تھا۔ جنکو وہ وقت معینہ کے اندر تصویر کی صورت میں دکھا سکتا تھا۔ کتنا ہی
تھوڑا وقت کیوں نہو مگر وہ ہمیشہ نہایت ہی سکون اور مستعدی کے ساتھ اُسکو اختتام
پر پہنچاتا تھا۔ فی الحقیقت اُسکی طبیعت کے سکون اور اُسکے انتخاب کی قابلیت
کو باہمی طور پر ایک دوسرے سے امداد ملتی تھی۔ وہ دانشمندی سے انتخاب کرتا تھا
اس سبب سے اُسکی طبیعت میں سکون ہوتا تھا اور اُسکی طبیعت کو سکون حاصل ہوتا تھا
اسوجہ سے کہ اُسکا انتخاب دانشمندی کیساتھ ہوتا تھا۔ اپنی ایک مختصر سی یادداشت
میں جو وہ پانچ منٹ میں طیار کرلیتا تھا، وہ اس غور اور تامل کے ساتھ خط اور

نشانات رگاتا تھا جیسی کسی نہایت ہی عمدہ تصویر میں رنگ آمیزیاں ہوتی ہیں۔

اب اگر ہم اس انتخاب کے فن کو اپنے مشاغل میں استعمال کریں تو اُس مصوّر کا سا قابل رشک سکون طبیعت حاصل کرنیکے علاوہ اپنے کام کو زیادہ اطمینان سے انجام دیسکیں گے۔

فرض کیجئے کہ بجائے تصویر کھینچنے کے ہمکو بہت سی چیزیں پڑھنا اور بہت سی چیزیں لکھنا ہیں۔ اب طریق مناسب یہ ہی کہ ہم اُن باتوں کو منتخب کریں جنکا پڑھنا ہماری مقاصد کے لئے بہت ہی مفید ہے اور لکھنے میں اُن لفظوں کو چُن لیں جو ہماری مطالب کو نہایت صفائی سے اور تھوڑی سی جگہہ میں ظاہر کر سکیں۔ پڑھنے کا طریق مناسب یہ ہے کہ ہم ضروری باتوں کو دیکھتے اور غیر ضروری باتوں کو نظرانداز کرتے چلے جائیں اس زمانہ میں پورے پورے کتب خانوں کا اسیطور سے مطالعہ ہو سکتا ہے جبکہ موجودہ تہذیب اور شائستہ تربیت نتیجہ کی صورت میں بلا اسکے کہ ہم اُن کے اسباب کا مطالعہ کریں ہمارے پیش نظر ہیں۔ اُن کتابوں میں ہی جنکے پڑھنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں ہمیشہ بہت زیادہ حصے ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے لئے محض بے ضرورت ہوتے ہیں اور جنکو ہم اُسی روز بھول جائینگے جس روز ہم نے اُن کو پڑھا ہے عاقلانہ تدبیر یہ ہے کہ ہم اُن باتوں کو جن سے ہمکو کوئی تعلق نہیں بالکل ترک کرتے جائیں اور جو باتیں ہمارے لئے ضروری ہیں وہ کبھی نہ چھوٹیں۔ کوئی شخص ہمکو بجز ہمارے یہ نہیں بتا سکتا کہ ہماری دماغی ضرورتیں کیا ہیں پس ہمکو چاہئے کہ ہم خود انتخاب کریں یعنی نہایت ہی استقلال اور مضبوطی کے ساتھ، دوسروں کی صلاح کا بالکل خیال نہ کرکے، اور رسم و رواج کی پابندیوں سے بالکل آزاد ہوکر۔ اخبار میں جو ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہی چند ہی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے پڑھنے کے لایق ہوں پس مناسب یہ ہی کہ ہم انہیں کو منتخب کریں اور باقی باتوں میں وقت کو ضائع نہ کریں۔

چند مضامین میں انتخاب کی بہ نسبت اور مضمونوں کی زیادہ گنجائش ہوتی ہی

مثلاً کسی زبان میں جب وہ شروع کیجاتی ہے انتخاب کی کچھ گنجایش نہیں ہوتی کیونکہ آپ کو اوسکی تمام یا قریب قریب تمام فرہنگ کا جاننا ضروری ہوتا ہے تاکہ آپ اُسمیں کچھ لکھ پڑھ سکیں برخلاف اسکے جنرل علوم میں انتخاب کی کافی گنجائش ہوتی ہے شلاً علم نباتات میں آپ جتنے کم پودوں سے متعلق چاہیں مطالعہ کرسکتے ہیں۔

ترجمہ از سید اسد اللہ گورکھپوری طالبعلم علیگڈھ کالج

تنقید

(۱) حکمت عملی مولفہ مولوی سجاد میرزا بیگ صاحب دہلوی

ارحجم - تقریباً ساڑھے چار سو صفحہ قیمت تین روپیہ پتہ - سجاد مرزا بیگ : بازار عیسیٰ میاں حیدرآباد دکن

"فلسفۂ عملی پر یہ ایک مبسوط اور جامع کتاب ہے - اردو میں اس فن پر کوئی کتاب ایسی جامعیت سے نہیں لکھی گئی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو اس زمانہ اور اس ملک کی ضرورتوں کے قابل بنانے کی کوشش کی ہے - اور افراد انسانی اس ملک کی روحانی ارتقائی تدابیر کے ساتھ ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنے کے اصول ہی بیان کئے ہیں اور مشرقی و مغربی علماء کی کتابوں سے وہ مضامین اخذ کرکے درج کئے ہیں جو انسان کی ذات میں جوہر شرافت پیدا کرنے والے اور اُسکو زندگی کے مختلف زمانوں اور مختلف حالتوں میں اصول حکمت پر کاربند رکھنے والے ہیں تاکہ نفوس انسانی میں حکمت کی ماہیت کو لبعد اُسپر عمل کرنے کی قوت پیدا ہو چونکہ معاشرت اور تمدن کی اصلاح کے لئے عورتوں کی اصلاح اور حقوق کی نگہداشت ضروری ہے، لہذا موقعہ بموقعہ اسکا ذکر بھی کیا ہے، اس لئے اس کتاب کا مطالعہ مردوں اور عورتوں دونوں کو ضرور مفید ہے۔

اس کتاب کی عبارت نہایت صاف شستہ اور رواں ہے اور چونکہ مغربی و مشرقی خیالات کا مجموعہ ہے مضامین میں متانت و دلچسپی پیدا ہوگئی ہے - اگرچہ نہایت دقیق مسائل پر بحث کی گئی ہے لیکن طرز بیان اپنا شگفتہ و دلنشین ہے کہ سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوتی۔ بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کو آزاد دلیر، غیر متزلزل مستقل مزاج جوش ہونے اور مہمات امور پر نظر رکھنے، جائز آرام اور لذت کا حظ اٹھانے کی تعلیم دیتی ہے - کیونکہ قوت فاعلہ

کی ترقی سے انسان میں بلند حوصلگی پیدا ہوتی ہے اور اگرچہ قوت منفعلہ کی خوبیاں بھی جا بجا بیان ہوئی ہیں لیکن اس انداز سے ہیں کہ اُنکا میلان پست ہمتی کیطرف نہ ہو اور اس خصوصیات میں یہ کتاب دوسری اخلاقی کتابوں سے فائق ہے"

"حکمت ہے تو چھوٹا سا لفظ لیکن اس کے معنی اتنے وسیع ہیں کہ اسمیں علم و عمل کی وہ تمام باتیں شامل ہیں جنہیں انسان کو کمال حاصل کرنیکے لئے جاننا اور اُن پر کاربند ہونا چاہیئے۔ "علم" موجودات کی حقیقت اور احوال کے جاننے کو کہتے ہیں تاکہ جہانتک انسان سے ممکن ہے وہ کسی خاص شی کی حقیقت جیسی کہ فی الواقع ہے معلوم کرے اور "عمل" یہ ہے کہ جہانتک انسان سے ہو سکے ایسے مفید اور بکارآمد امور پر کاربند ہو جن کی مزاولت و ممارست اُس کے نقصوں کو دور کرے اور خود اُس کی ذات میں ایسا ملکہ پیدا ہو جائے جو کمال تک پہونچانے والا ہو جس شخص کو یہ دونوں باتیں اچھی طرح حاصل ہوں وہ "حکیم" کہلاتا ہے اور اُس کا رتبہ دوسرے انسانوں سے زیادہ بلند اور زیادہ اعلی ہوتا ہے پس حکمت نہ صرف علم ہی بلکہ عمل پر بھی شامل ہے کیونکہ اگر صرف علم ہی ہو اور اُسکے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ انسان کی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ کتابیں الماری میں رکھی رہتی ہیں لیکن الماری کو اُس سے کیا فائدہ ہے؟ اسیطرح مضامین حافظہ میں موجود ہوں لیکن اُن پر کاربند نہ ہو تو انسان کو اُس سے کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے؟ اَلعِلْمُ بِدُوْنِ الْعَمَلِ وَبَالٌ وَّالْعَمَلُ بِدُوْنِ الْعِلْمِ ضَلَالٌ⁵ ہاں جب علم و عمل دونوں ہوں تو حکمت پوری ہوگی اور انسان اپنے رتبہ اور شرافت میں مرتبہ بمرتبہ ترقی کرتا جائے گا وہ علم جو انسان کو یہ سکھلائے کہ اُنکو اپنے ارادی حرکات اور افعال میں کن کن مصالح کو ملحوظ رکھنا چاہئے تاکہ امور معاش و معاد کا انتظام درست ہو اور اُسکے نفس میں وہ قوت پیدا ہو کہ وہ کمال کی طرف ترقی کرنے لگے حکمت عملی کہلاتا ہے۔

انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ یا تو اُن طبیعی قوتوں کے سبب سے ہوتے ہیں جو فطرت نے تمام انسانوں میں یکساں پیدا کی ہیں۔ مثلاً تمام انسانوں میں یہ طبیعت

⁵ ترجمہ علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔

مشترک ہو کہ وہ ملکر رہیں دوسروں سے نفع حاصل کریں۔ اپنی مضرتوں کو دور کریں وغیرہ اس لئے تمام لوگوں سے جو ایسے افعال صادر ہوں کہ اصلی تحریکوں کے سبب وقوع میں آئے ہوں وہ قریب قریب یکساں ہوتے ہیں اور اُن کی اصلاح کے لئے ایک سے اصول مقرر کئے جاسکتے ہیں لیکن بعض باتیں "وضعی" ہوتی ہیں۔ مثلاً آداب اور رسم و رواج قانون وغیرہ یہ مختلف ممالک میں مختلف مصالح کے سبب مختلف ہوتے ہیں اور انکے لئے ایک قاعدہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ خود اُس ملک کے حکماء اپنے تجربہ اور سمجھ سے حسب اقتضائے ضرورت و مصلحت مقرر کرتے یا اُسمیں اصلاح کرتے ہیں۔

اصول اخلاق کی لحاظ سے انسان کی حرکات طبعی اور وضعی تین قسم کی ہوتی ہیں۔ اوّل تو وہ جن کا اثر صرف انسان کی ذات پر پڑتا ہے یا جو افراد انسان سے متعلق ہوں اسکے علم کا نام "تہذیب اخلاق" یا تہذیب نفس ہے۔ دوسرے وہ جو گھر بار سے متعلق ہوں اور اُنکا اثر اُن لوگوں میں مشترک ہو جو ایک گھر کے ممبر ہیں مثلاً میاں بیوی اولاد بھائی بہن ماں باپ قریبی رشتہ دار وغیرہ یہ "تدبیر منزل" کہلاتا ہے۔ تیسری وہ جن کا تعلق اتنا وسیع ہوتا ہے کہ شہر و ملک و قوم کے افراد تک پہونچتا ہے۔ یہ "سیاست مدن" کہلاتا ہے۔ حکمت عملی وہ اُصول اور قاعدے کہلاتی ہے جو تہذیب نفس۔ تدبیر منزل اور سیاست مدن میں بکار آمد ہوں اور انسان نہ صرف فضیلت و سعادت کے معنی سے واقف ہو جائے بلکہ اُسمیں یہ تحریک پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے نفس میں ان صفتوں کے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس پر اسقدر قدرت حاصل کرلے کہ رذائل سے بچ سکے۔ نیز لوگوں میں عدالت قایم ہو اور وہ صراط مستقیم سے نہ بھٹکیں بلکہ فرداً فرداً اور مجتمعاً اُن میں خیر و کمال پیدا ہو اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے۔"

اس ماہ کے اُردوی معلےٰ میں ہم اس کتاب کے مقالہ سوم متعلق بہ سیاست مدن سے چند اقتباسات بطور نمونہ برائے ملاحظہ ناظرین درج کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سنہ ۱۹۰۲ء میں اس کتاب سے زیادہ مفید اور قابل قدر اور کوئی تصنیف یا تالیف اُردو زبان میں نہیں ہوئی۔

ٹیکس

گورنمنٹ — ہر گورنمنٹ کا فرض ہی کہ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اور بعض ایسے کام کرے جو بحیثیت گورنمنٹ اُسکے ذمہ فرض ہیں۔ یا ملک کی رفاہ اور رعایا کی بہبودی اور آسائش کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح جو کام گورنمنٹ کو کرنے چاہئیں وہ دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔

(۱) ضروری جو گورنمنٹ کے فرائض میں داخل ہیں۔

(۲) استحسانی جو گورنمنٹ اس سبب سے اپنے ذمہ لیتی ہے کہ رعایا کو اُسکا بندوبست کرنا بہت مشکل ہوتا ہی اور رعایا کا ہر ایک شخص یا چھوٹی چھوٹی جماعتیں ایسی سہولت سے اور ایسے کم خرچ میں ایسا عمدہ نہیں کر سکتیں جیسا کہ گورنمنٹ کر سکتی ہے۔ اور چونکہ وہ کام نہایت ضروری اور ملک اور اہل ملک کے لئے سہولت و آسائش کا باعث ہوتے ہیں گورنمنٹ کا اُن کے واسطے بندوبست کرنا نہایت مستحسن بلکہ لابدی ہی۔ پہلی قسم کی ضروری ذمہ داریاں تھوڑی ہیں لیکن جسقدر تھوڑی ہیں اُسیقدر مشکل اہم اور بڑی ہیں مثلاً رعایا کے جان و مال کو غیر ممالک کے حملہ آوروں کی دست برد سے بچانا۔ اسکے لئے بہت بڑی مسلح فوج رکھنے اُسکے واسطے سامان حرب تیار کرنے جنگی جہاز بنانے وغیرہ کاموں کی ضرورت ہوتی ہی دوم خود رعایا میں جو مفسدین۔ قزاق۔ چور۔ دوسرے لوگوں کے جان و مال کو تباہ اور برباد کرتے ہیں اُنکو روکنا اور رعایا کی نگہبانی اور پاسبانی کرنا۔ اسکے لئے پولیس متعین کرنے اور کوتوالی کے انتظام کی حاجت ہے۔ سوم رعایا کے باہمی منازعات اور قضایا کا فیصلہ کرنا اسکے لئے عدالت قائم کرنے قانون نافذ کرنے اور دارالقضا بنانے کی ضرورت ہوتی ہی اور یہ سب کام گورنمنٹ کے ذمہ فرض ہیں۔ چہارم ملک کے واسطے سکہ بنانا اگرچہ بعض حکما اُسکو گورنمنٹ کے فرائض میں شامل نہیں کرتے لیکن سچ یہ ہے کہ اگر گورنمنٹ سکہ جاری نہ کرے تو ملک میں تجارت کی سہولت اور لین دین میں آسائش قائم نہیں ہوسکتی ممکن ہی بلکہ یقیناً ایک شہر یا ایک گروہ کے مقرر کردہ سکہ کو دوسرے شہر کے باشندے یا دوسرا گروہ نامنظور کریگا۔ اور اُنمیں آئے دن ردّ و بدل اور قضیہ ہوتا رہیگا۔

یہ کام ایسے مہتم بالشان ہیں کہ سوائے گورنمنٹ کے رعایا کبھی انجام نہیں دے سکتی خواہ گورنمنٹ خود مختار بادشاہت ہو یا جمہوری سلطنت اور اگر رعایا کو اپنے جان و مال کی حفاظت بیرونی حملہ آوروں یا اپنے ہی شہر اور ملک کے قزاقوں سے کرنی پڑے تو اُس کا تمام وقت اپنی حفاظت میں گزر جائے۔ اور وہ کوئی صنعت کوئی پیشہ یا کوئی کام بھی نہ کرسکیگی۔ بلکہ تھوڑے ہی دن میں فنا اور برباد ہوجائیگی۔ یا جو کچھ پیدا کریگی وہ محفوظ نہ رہیگا اور جلدی غارت ہوجائیگا۔

ان ضروری کاموں کے علاوہ استحسانی کام بہت سے ہیں اور یہ ضرور نہیں ہے کہ جو استحسانی کام ایک ملک میں کوئی گورنمنٹ اپنے ذمہ لے دوسرے ملک میں بھی گورنمنٹ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہوں بلکہ ان کی تعداد ہر جگہ کی ضرورت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے مثلاً بعض ممالک میں سڑک اور ریل گورنمنٹ جاری کرتی ہے بعض میں خود رعایا کی کمپنیاں ان کاموں کو انجام دیتی ہیں۔ تمام مہذب ممالک میں ڈاک اور تار کا انتظام گورنمنٹ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ جسقدر سہولت سے گورنمنٹ اس کام کو چلا سکتی ہے اگر رعایا اپنی ڈاک علیحدہ علیحدہ بھیجنی چاہے تو اسقدر کم بلکہ برائے نام خرچ میں کبھی خبررسانی کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ خط بھیجنے میں اتنا ہی خرچ پڑے جتنا کہ انسان کے خود جانے میں تو جو دقتیں پیش آئیں وہ ظاہر ہیں ڈاک اور تار اور اور ایسی چیزوں کے اسقدر کم ارزاں اور سہل ہونے سے جو صرف گورنمنٹ کے انتظام کی خوبی ہے بیحد سہولتیں اور آسائشیں حاصل ہورہی ہیں اور تجارت وغیرہ کی ترقی میں بہت مدد ملی ہے۔ یہ ناممکن بات ہے کہ کوئی صحیح فہرست ایسے کاموں کی بنائی جاسکے جسمیں یہ فیصلہ کردیا جائے کہ فلاں کام گورنمنٹ کو اپنے ذمہ لینے چاہئیں۔ اور فلاں کام خود رعایا کو کرنے چاہئیں ہر کام فی نفسہ غور طلب ہے اور ہر ملک کی حالت اور رعایا کی ضرورت اور مفاد کے لحاظ سے اُسکی نسبت یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ گورنمنٹ انجام دے یا رعایا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ رعایا یا گورنمنٹ دونوں میں سے کون اس کام کو کم خرچ میں اور زیادہ عمدگی سے کرسکتا ہے۔ اور جس کی نسبت یہ فیصلہ ہوجائے اُسی کے اختیار میں دینا چاہیے

جو کام ایسے وسیع ہیں کہ رعایا کے کل افراد امیر سے لیکر غریب تک ہر فرقہ پیشہ اور ہر درجہ اور طبقہ کے لوگوں کو اُن کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اُن کی وسعت غیر ممالک اور غیر اقوام تک بھی پہونچتی ہے وہ گورنمنٹ کے کئے بغیر نہیں ہو سکتے مثلاً انتظام ڈاک وغیرہ۔ لیکن جن کاموں کو رعایا بسہولت اور کم خرچ میں کر سکتی ہے اُن میں گورنمنٹ کا خواہ مخواہ مداخلت کرنا اور اُسپر زیادہ روپیہ خرچ کرنا نازیبا ہے۔ مثلاً نمک یا افیون وغیرہ اشیاء کی پیداوار گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور اُسکو بہت زیادہ گراں کرکے فروخت کرتی ہے۔ گورنمنٹ کو اپنے ملازمین کو کام چھوڑنے کے بعد بھی پنشن قرار تنخواہیں اور بھاری بھاری وظیفے دینے پڑتے ہیں اور اس سبب سے جو کام وہ کرتی ہے وہ زیادہ گراں ہوتا ہے جس کا بار غریب رعایا کو اُٹھانا پڑتا ہے اسلئے جب تک یہ یقین نہ ہو کہ گورنمنٹ کوئی کام کم خرچ میں اور زیادہ سہولت اور زیادہ عمدگی سے انجام دیگی اُسوقت تک گورنمنٹ کو ہاتھ ڈالنا ضرور نہیں ہے۔ البتہ بعض ضروری اور مفید کام جن کے فوائد سے رعایا ناواقف ہو خود شروع کرکے رعایا کے ہاتھ میں دیدینے شفیق اور محسن گورنمنٹ کا کام ہے ہندوستان میں [illegible] کی کاشت اور فوائد سے لوگ ناواقف تھے اسواسطے گورنمنٹ نے خود اس کام کو شروع کیا اور فائدہ عام کردیا۔ اسی طرح محکمہ تعلیمات ہے۔ وقس علی ہذا۔

گورنمنٹ کو روپیہ کی ضرورت

خواہ گورنمنٹ صرف ضروری فرائض انجام دے یا کم و بیش استحسانی کام بھی کرے۔ اُسکو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لئے فوج کی تنخواہ اور سامان جنگ کی قیمت کے لئے روپیہ درکار ہے محکمہ جات عدالت و کوتوالی میں ملازموں کی تنخواہیں دینی پڑتی ہیں علی ہذا القیاس حکومت اور سیاست کے قیام کے لئے روپیہ کہاں سے آوے جو اسقدر خرچ کیا جائے اسواسطے جن لوگوں کی حفاظت اور آسائش کے واسطے یہ کل کام کئے جاتے ہیں اُن سے ہی اُن کی اُجرت لینی چاہیئے، بازار سے جاکر میز و کرسی اور خورد و نوش کا اسباب خریدتے ہیں اور مال کی قیمت اور بازار سے گھر تک لانیوالے کی مزدوری دیتے ہیں۔ کھانا پکانے کے لئے باورچی اور خدمت کے واسطے ملازم رکھتے ہیں تو اُنکو تنخواہ دیتے ہیں۔ گورنمنٹ سے جان و مال کی نگہبانی اور پاسبانی

کا کام لیا جاتا ہے اور اُسکو اس کے عوض میں ٹیکس دیتے ہیں تاکہ پاسبانی کے اخراجات چلا سکے
اسواسطے ٹیکس اُس رقم کا نام ہے جو لوکل یا جنرل گورنمنٹ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر شخص اس
واسطے ادا کرتا ہے کہ اُس کے جان و مال کی حفاظت کی جاوے۔ غرض ملک کے صنعتی یا
زراعتی پیداوار کا ایک حصہ کل رعایا کی حفاظت اور ان کے کام میں صرف کرنے کے
لئے گورنمنٹ کو دیا جاتا ہے تاکہ بدامنی اطمینان رعایا میں میں ہرج نہ ہو۔ اور ملک کی کل
پیداوار برباد نہ ہو جاوے۔ ورنہ جسقدر ٹیکس میں دیا جاتا ہے اُس سے زیادہ نقصان
ہوگا۔ اس سبب سے گورنمنٹ خواہ کیسی ہی جابر اور ظالم کیوں نہو گورنمنٹ نہونیسے بہتر ہے۔
اور اسکو دینا رائگاں نہیں ہے۔ دوسرے لوگونکو اُجرت دینے اور گورنمنٹ کو اُجرت دینے میں اتنا
فرق ہے کہ اوروں کو دینا یا نہ دینا اور اُنسے کام لینا یا نہ لینا ہمارے اختیار میں ہے لیکن گورنمنٹ
نے جو کام اپنے ذمہ فرض سمجھہ رکھا ہے وہ اُسکو ضرور کریگی۔ خواہ ہم اُس سے وہ کام لینا چاہیں
یا نہ چاہیں۔ اور جو معاوضہ (ٹیکس) گورنمنٹ نے مقرر کیا ہے وہ اگر ہم نہ دیں تو زبردستی
لیگی یا تو گورنمنٹ کی حفاظت میں رہو ورنہ اُسکے ملک سے نکل جاؤ۔ کیونکہ گورنمنٹ یہ نہیں
کرسکتی کہ جو فوج اور سامان اُس نے ملک کی حفاظت اور آسائش کے لئے مہیا کیے ہیں کسی
خاص شخص کے لئے اُسکو روکدے بلکہ وہ اُسکی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر سے نہیں اُٹھا سکتی
اسواسطے یہ بالکل قرین انصاف ہے کہ اُس سے ٹیکس بھی برابر وصول کرے خواہ وہ دینا چاہے
یا نہ چاہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ٹیکس کی مقدار معین کرنیکا اختیار بھی گورنمنٹ کو یا رعایا
میں سے اُن چند اشخاص کو جنکو گورنمنٹ مشورہ میں شریک کرے حاصل ہے اور جسوقت
مانگے دینا پڑتا ہے ممکن ہے کہ کوئی حریص گورنمنٹ ضرورت سے زیادہ بھی لیتی ہو۔
لیکن عموماً انصاف پسند سلطنتیں اسیقدر ٹیکس کا بار رعایا پر ڈالتی ہیں جو نہایت ضروری
اور مناسب مقدار میں ہو اور بہت ہی نرمی سے وصول کرتی ہیں۔

ٹیکس دو طرح وصول کیا جاتا ہے بلاواسطہ اور بالواسطہ۔ بلاواسطہ ٹیکس وصول کرنے
کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص سے ٹیکس لینا منظور ہو خود اُسکی ذات سے وصول کیا جاوے
مثلاً انکم ٹیکس وغیرہ۔ اور بالواسطہ ٹیکس وصول کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اشیار

تجارت وغیرہ پر ٹیکس لگا دیتے ہیں۔ یہ ٹیکس سوداگر اوقات معینہ پر ادا کرتے ہیں مثلاً مال کی درآمد و برآمد پر یا کسی اور وقت۔ لیکن جب وہ شئے خریداروں کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے تو سوداگر جسقدر ٹیکس ادا کرتے ہیں وہ بھی قیمت میں بڑھا کر خریداروں سے وصول کر لیتے ہیں اسطرح فی الحقیقت ٹیکس کا روپیہ خریداروں سے وصول ہوتا ہے اگرچہ گورنمنٹ کو سوداگروں نے دیا ہو۔

اسٹامپ بھی ایک قسم کا ٹیکس ہے جو عدالت کے اخراجات کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک کاغذ کی ایک خاص قیمت مقرر کر لیتے ہیں اور فریقین مقدمہ کو وہ کاغذ خرید کر استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح سے اگرچہ لوگ عدالت میں انفصال مقدمہ کے لئے کوئی رقم نہیں داخل کرتے لیکن ان سے کافی فیس وصول کر لیجاتی ہے۔

گورنمنٹ کا بغیر ٹیکس لئے کام نہیں چلتا اور لوگوں کو ٹیکس دینے گراں گزرتے ہیں اور بعض اوقات یہ شکایتیں بہت بڑھ جاتی ہیں کہ گورنمنٹ بھاری بھاری ٹیکس لگا کر غریبوں کو تنگ کرتی ہے۔ یا گورنمنٹ کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ لوگ ضرورتوں کا تو لحاظ نہیں کرتے اور ٹیکس دینے سے دم چراتے ہیں۔ لیکن اگرچہ گورنمنٹ اپنا کام کسی نہ کسی طرح نکال لیتی ہے۔ اور لوگوں کو چار و ناچار جتنا گورنمنٹ مانگے ٹیکس دینا ہی پڑتا ہے لیکن پھر بھی یہ مناسب ہے کہ بعض ایسے طریقے مقرر کئے جائیں کہ ٹیکس بسہولت وصول ہو جائے اور رعایا پر بے ضرورت بار نہ پڑے اس لئے چار طریقے مقرر کئے گئے ہیں۔

اوّل۔ ہر ایک شخص سے اُس کی آمدنی کے موافق ٹیکس لیا جائے۔ یعنی گورنمنٹ کی زیر حفاظت رہکر جو شخص جسقدر پیدا کرتا ہے اُسی کے تناسب اُس پر ٹیکس لگایا جائے تاکہ امیر غریب اپنی اپنی حیثیت کے موافق ٹیکس ادا کریں۔ اور سب میں درجہ مساوات قائم رہے۔ لیکن یہ اصول ایسے صحیح طریق سے کام میں لانا کہ کسی شخص سے ذرا بھی کم و بیش ٹیکس نہ لیا جائے عملاً مشکل ہے۔ ہر شخص کی صحیح آمدنی یا اُسکے روپیہ پیدا کرسکنے کی قابلیت کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل ہے اور یہ بھی ہو جائے تو اُسکے اخراجات کے لحاظ سے ایسا تناسب قایم کرنا کہ وہ مساوات کے درجہ سے متجاوز نہو محال ہے

مثلاً عمرو کی آمدنی سو روپیہ ماہوار کی ہو اور اُسکے ذمہ چار آدمیوں کی پرورش ہو اور زید کی آمدنی بھی سو روپیہ ماہوار ہو اور اُس کے ذمہ کسی دوسرے شخص کا خرچ نہ ہو تو ان دونوں اشخاص سے برابر ٹیکس نہیں وصول کیا جا سکتا۔ عمرو کو خورونوش اور لباس وغیرہ کی اشیاء زید کی نسبت چہار چند خریدنی پڑیں گی اور جو ٹیکس اُس کو ان اشیا کے خریدنے میں بالواسطہ دینا پڑیگا وہ زید سے چہار چند حصہ زیادہ ہوگا درانحالیکہ دونوں کے اخراجات کے لحاظ سے قرین انصاف یہ ہے کہ زید زیادہ ٹیکس دے کیونکہ اُس کے اخراجات کم اور بچت زیادہ ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ زید اور عمرو کے استعمال کی اشیاء میں بھی فرق ہو اور اُن کے لحاظ سے ۱ اور ۴ کی جو نسبت قایم ہے یہ بھی نہ رہے۔ گورنمنٹ کے لئے یہ ناممکن بات ہے کہ وہ کل رعایا کی آمد و خرچ کا بالکل صحیح حساب لگا کر اُن پر ٹیکس قایم کرے کوئی گورنمنٹ ایسا کرنا چاہے تو اُس کو اسقدر عملہ رکھنا پڑیگا کہ وصول شدہ ٹیکس کی ساری مقدار اُس عملہ کی تنخواہ وغیرہ اخراجات میں صرف ہو جائے گی۔ اور گورنمنٹ کو کچھ بھی پس انداز نہ ہوگا۔ اور اسطرح ٹیکس جمع کرنے کا اصلی مطلب فوت ہو جائیگا۔ پوری پوری مساوات قایم ہونا تو ناممکن ہے ہاں گورنمنٹ یہ کر سکتی ہے کہ محض آرائش یا فضول خرچی کی اشیاء پر جن پر صرف امراء ہی روپیہ صرف کر سکتے ہیں زیادہ ٹیکس لگائے۔ مثلاً شراب۔ تمباکو۔ یا بیش قیمت لباس یا سامان آرائش پر کہ غرباء اُس ٹیکس سے بچنا چاہیں تو اُن کو نہ خریدیں۔ اور چونکہ وہ اشیاء ضروریات زندگی میں داخل نہیں ہیں اُن کا کوئی ہرج اور نقصان بھی نہ ہوگا۔

دوم۔ ہر چیز کی نسبت ٹیکس کی مقدار معین کیجائے اور ٹیکس وصول کرنے والوں کو اُسمیں کم و بیش کرنیکا اختیار نہ دیا جائے۔ اور ٹیکس کے ادا کرنے کا وقت۔ ادا کرنے کا طریقہ۔ اور مقدار معینہ۔ خود ٹیکس دینے والوں کو بلکہ عام طور پر سب کو پہلے سے معلوم ہو اگر ایسا نہ ہوگا تو گورنمنٹ کے کارپرداز زیادہ ٹیکس وصول کریں گے یا لوگوں کے ساتھ رعایت کرکے کم ٹیکس وصول کریں گے۔ اس صورت میں تجارت کو بہت نقصان پہونچیگا۔ اور چونکہ لوگوں کو پہلے سے یہ نہ معلوم ہوگا کہ کسقدر ٹیکس دینا پڑے گا وہ

اشیاء کی قیمت کا صحیح اندازہ نہ کرسکیں گے۔ اور لین دین میں تامل کرینگے۔ نیز رشوت ستانی اور بے ایمانی کا بازار گرم ہو جائیگا۔ جسمیں رعایا اور گورنمنٹ دونوں کا سراسر نقصان ہے۔

سوم۔ ٹیکس ایسے وقت میں لگایا جائے اور اس طرح سے وصول کیا جائے کہ دینے والوں کو ادا کرنا بہت سہل ہو۔ سوداگری کی اشیاء پر جو ٹیکس لگایا جاتا ہے وہ خریدار اُسوقت ادا کرتے ہیں۔ جبکہ اُس چیز کو خریدیں۔ اور خریدتے اُسوقت ہیں جبکہ مقدرت ہو۔ پس ایسے وقت میں ذرا سا ٹیکس ادا کرنا ناگوار نہیں معلوم ہوتا اور چونکہ عموماً اشیاء حسب ضرورت تھوڑی تھوڑی خریدی جاتی ہیں ٹیکس بھی تھوڑا تھوڑا ادا ہوتا رہتا ہے۔ اور گراں بھی نہیں گزرتا۔ اسی طرح روپیہ کے لین دین کے وقت لینے والے سے رسید کے ٹکٹ کی غرض سے ایک آنہ وصول کرنا نہایت سہل طریقہ ہے۔ روپیہ وصول کرنے والے کے پاس چونکہ ایک رقم آتی ہے اُسے ایک آنہ دینے کی کچھ بھی پروا نہیں ہوتی لیکن اگر یہی ایک آنہ روپیہ دینے والے سے لیا جائے تو اُسے بہت ناگوار گزرے۔ اسی طرح ہر ایک ٹیکس کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ قاعدہ ملحوظ رکھا جائیگا تو ایک تو لوگوں کو ادا کرنے میں تکلیف زیادہ ہوگی۔ دوسرے گورنمنٹ کو بھی کم روپیہ وصول ہوگا۔

چہارم۔ ٹیکس وصول کرنیکے ذرایع بھی ایسے مقرر کئے جائیں کہ وصول کرنیکا خرچ بہت کم ہو اور جسقدر مقدار لوگوں سے وصول کی گئی ہے اُسمیں سے بہت کم وصول کرنے والوں کی تنخواہ وغیرہ میں صرف ہو۔ اگر ایسا نہو گا تو لوگوں کو زیادہ ٹیکس دینا پڑے گا۔ جو اُن پر بار اور جبر ہوگا اور گورنمنٹ کا یہ نقصان ہوگا کہ رعایا سے روپیہ بھی لیا اور خزانہ خالی ہی رہا۔ اگر تیسرے اصول کی رعایت کی جائیگی تو ٹیکس وصول کرنے میں کم خرچ ہوگا کیونکہ اُسصورت میں وصول کرنے کے لئے زیادہ عملہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ٹیکس لگاتے وقت یہ ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ غربا پر ٹیکس کا بار کم پڑے۔ ایسی چیزوں پر جیسی کہ نمک۔ اناج ترکاری وغیرہ ہیں ٹیکس لگانا غربا کو فاقہ مارنا ہے کیونکہ جب تک اپنے کسی ضروری خرچ کو

بند کریں غربا ٹیکس نہیں دے سکتے۔ ہاں جو لوگ نعمات اور لذائذ دنیا سے حظ اُٹھا سکتے ہیں وہ اگر گورنمنٹ کے خزانہ میں بھی کچھ روپیہ داخل کریں تو جائز اور واجب ہے۔ اسی طرح سے انکم ٹیکس ہے جو ہر شخص کی ذاتی آمدنی پر لگایا جاتا ہے اسکا اثر بھی غسر بار پر زیادہ پڑتا ہے کیونکہ قلیل آمدنی والے شخص کو ٹیکس کی ایک رقم دینی اگرچہ خفیف ہو خالی از تکلیف نہیں ہے۔ قرین مصلحت یہ ہے کہ انکم ٹیکس میں بھی مختصر آمدنی کے لوگ ٹیکس سے مستثنیٰ کئے جائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے شہروں کی ویرانی کے دو سبب تحریر فرمائے ہیں ایک تو ایسی جماعت کا پیدا ہونا جو کوئی کام نہیں کرتی اور بیت المال میں اپنا حق سمجھتی ہے ایسی جماعت جو دوسروں کے مال میں حصہ بٹانے کے لئے تیار رہو جائے جب زیادہ ہو جاتی ہے تو قوم پر ایک بار ہو جاتا ہے۔ دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ سوداگروں اور صناعوں پر بھاری بھاری ٹیکس مقرر کر دئے جائیں۔ ٹیکس کی کثرت سے فرمانبردار لوگوں کا استیصال ہو جاتا ہے وہ بدحال اور تنگ دل ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ بغاوت کر بیٹھتے ہیں۔ تمدن کی اصلاح بڑے بڑے ٹیکسوں سے نہیں بلکہ خفیف محصول مقرر کرنے سے ہوتی ہے۔"

نوٹ:- مندرجہ بالا مضمون کی دلچسپی اور جامعیت سے ناظرین پوری کتاب کی خوبی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ایک بات ٹیکس کی بحث میں البتہ مولف سے رہ گئی ہے وہ یہ اصول کہ کوئی ٹیکس جائز نہیں ہو سکتا مگر اس حالت میں کہ ٹیکس ادا کرنیوالوں کو اسکے خرچ کی بابت رائے دینے کا بھی اختیار ہو۔ اور ہندوستان میں چونکہ یہ اختیار باشندگان ہند کو تقریباً بالکل حاصل نہیں ہے اسلئے درحقیقت یہاں کے تمام ٹیکس ناجائز ہیں اگرچہ حکومت کے زور اور دبدبے نے انکو بلاوجہ جائز بنا رکھا ہے۔ - اڈیٹر۔

۲ - ہندوستان کے نادان دوست

"دشمن دانا بہ از نادان دوست" مشہور مثل ہے جسکی سچائی حسب معمول ہندوستان کے موجودہ زمانۂ اضطراب میں بھی قطعی طور پر ثابت ہو گئی ہے۔ مثلاً انگریز چونکہ ہندوستان کے دشمن ہیں لیکن دانا دشمن اسلئے انکے جبر و تعدی سے بھی ہندوستان کو کچھ نہ کچھ

فائدہ پہونچ رہتا ہی چنانچہ اہل ہند میں بیداری کے آثار درحقیقت حکومت کے اسی سخت
برتاؤ کے ذریعے سے وجود میں آئے ہیں۔ برخلاف اسکے بعض ہندوستانیوں اور انکے
ہمدردوں نے بحیثیت نادان دوست ایسی ایسی حرکتیں سرزد ہوئی ہیں جن کی تلافی غالباً
مدت دراز تک نہ ہوسکیگی۔ مسلمان تو خیر خوشامدی مشہور ہی ہوچکے ہیں ہندوا ور خصوصاً
اُن کا وہ فرقہ بھی جسکو اپنی آزاد خیالی وحق پرستی پر ناز ہے، حکومت کی خوشامد کے چاپلوسی
کے اس مقام پر پہونچ گیا ہی جہاں تک پہونچنے کا اس سے قبل کسی کو گمان بھی نہ ہوسکتا
تھا۔ مہاراجگان کشمیر۔ نابھہ۔ کوٹہ، جے پور وغیرہ کو جانے دیجیے کیونکہ ان لوگوں کی نسبت تو
یہ بھی شبہ ہوسکتا ہے کہ حکومت نے اُن کو ذلیل ہونے پر مجبور کیا ہوگا اور اُنہوں نے اپنی
ریاستوں کی سلامتی کو اسی خوشامدانہ پالیسی پر منحصر سمجھا ہوگا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آریہ
سماج کے لیڈروں خصوصاً بیرسٹروں کو کس خیال نے اس امر پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے
کو ضرورت سے زیادہ وفادار حکومت دکھاکر درپردہ اپنے دوسرے بھائیوں کو غیر وفادار
ثابت کرنے کی ذلت گوارا کریں۔ درانحالیکہ یہ بات مسلم ہے کہ انگریز تو انگریز کوئی سچا
ہندوستانی بھی انکی اس پالیسی کو اصلی اور حقیقی نہ سمجھیگا بلکہ سراسر ایک ایسے فریب کی کوشش
جانیگا جسکے ذریعے سے وہ لوگ گورنمنٹ اور پبلک دونوں کو بیوقوف بنانا چاہتے ہیں۔ مگر
نہ تو گورنمنٹ ایسی احمق ہے کہ ان مدعیان آزادی کے اس کمینہ اظہار عبودیت کی حقیقت
کو باور کرلے اور نہ پبلک ایسی نادان ہی کہ اتنے بڑے جرم غداری کے بعد بھی ان کو اپنا
لیڈر سمجھتی رہے۔ لاریب۔ ملک کے ایسے بدخواہ اسی قابل ہیں کہ دونوں جانب سے
مردود ہوکر اپنے مکروفریب کی سزا کو پہونچیں۔ بھلا ایسے لوگ دوسروں کی امداد واعانت
کی کیونکر امید کرسکتے ہیں کیونکہ جب مصیبت کیوقت اُنہوں نے اپنے لیڈر کا نہ صرف
ساتھ چھوڑدیا بلکہ نیز الزام بھی رکھنے لگے تو پھر دوسری قوموں کو اُنسے وفا کی کیونکر امید
ہوسکتی ہے۔ لیکن ہم خوش ہیں کہ ایسے بدخواہان ملک کی تعداد بہت قلیل ہے اور امید
ہی کہ روز بروز اور بھی کم ہوتی جائیگی۔ ہم کو اسبات کا بھی فخر ہے۔ کہ کانگرس کے فریق گرم
کا ایک بھی شخص اسوقت تک ایسی خطا کا مجرم نہیں ہوا ہے اور نہ انشاء اللہ تعالی ہوگا

غنیمت ہے کہ ہماری صوبے کے نرم اخباروں اور لیڈروں نے زیادہ کمزوری نہیں دکھائی بلکہ بعض نے لالہ لاجپت رائے کی جلاوطنی پر ہمدردی کے جلسے بھی کئے مگر فضول اس لئے کہ اظہار ہمدردی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے گئے کہ ہمکو لاجپت رائے کے طرز عمل سے اتفاق نہ تھا نیز یہ کہ موجودہ سخت پالیسی میں گورنمنٹ کی نیت کو ہم بخیر تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ ظلم اور نیک نیتی کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت کرے۔

(۲) بجٹ ہندوستان اور مسٹر مارلے کی پالیسی

جن لوگوں کو پارلیمنٹ کے لبرل گروہ سے بڑی بڑی امیدیں تھیں ان کو مایوسی ہوئی ہو تو ہوئی ہو لیکن ہمکو مسٹر مارلے کی خودسرانہ بجٹ اسپیچ میں جا بجا ہندوستانیوں کی نسبت ہتک آمیز جملے بھی دیکھکر مطلق تعجب نہیں ہوا۔ کیونکہ معاملات ہندوستان کے باب میں اب ہمکو کسی انگریز سے انصاف کی توقع باقی نہیں رہی ہے۔ ناظرین ایماندار جان کی ایمانداری ملاحظہ فرمائیں کہ مدت تک انتظار اور امید کی کشمکش میں رکھنے کے بعد آپ ہندوستانیوں کو کیا دیتے ہیں اور اسکے عوض میں ان کو کتنی صلواتیں سناتے ہیں۔

(۱) ہندوستان کی کونسلوں میں چند ہندوستانی ممبر بڑھا دئے جاوینگے اگرچہ انگریزوں کی تعداد بدستور ہندوستانیوں سے دوچند سہ چند رہیگی۔ یہ اصلاح محض فضول ہے کیونکہ ۱۹ انگریزوں کے مقابلہ میں اگر بجائے تین کے ۶ ہندوستانی ہوں تو کیا اور ۳ رہ جائیں تو کیا بہر طرح یہ کہ ان ممبروں کو بھی نہ تو بجٹ میں کوئی ترمیم پیش کرنیکا اختیار ہے نہ خود کوئی تجویز پیش کرنیکا حق حاصل ہے۔

(۲) انڈیا کونسل میں ایک یا دو ممبر ہندوستانی مقرر ہونگے انکا بھی یہی حال ہوگا جو ہندی کونسلوں کے ممبروں کا بیان کیا گیا۔

(۳) معززین کی ایک کونسل بنائی جائے گی جسکے ذریعہ رعایا کی رائے حکومت تک اور حکومت کی خواہش رعایا تک پہونچائیگی لیکن اس کونسل کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اسمیں زیادہ تر یا تو تعلقدار اور زمیندار ہونگے جیسے مہاراجہ کشمیر۔ مہاراجہ ناسہ۔ مہاراجہ کولھاپور۔ یا خوشامدی تعلیم یافتہ۔ مثلاً راجہ پیارے لال من۔ ڈاکٹر رکاو مولوی حسین بلگرامی۔ سر ہما چند کرشن وغیرہ۔ (۴) کمیشن تحقیقات اخراجات ذیل ہے۔ اسمیں البتہ کسیقدر فائدہ کی امید ہے۔ شاید ہندوستانیوں کے سر سے کچھ بار کم ہوسکے لیکن اسکے بھی موہوم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (۵) انتظامی قوت کو مرکز سے غیر مرکزی کرینگے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ بجائے وائسرائے کے دیگر اعلیٰ افسروں کی ذات تک محدود رہنے کے اختیارات کا دائرہ اپنے کم درجے کے افسروں تک بھی وسیع کر دیا جائے جو فوائد اہل ہند کے بالکل منافی ہے اسلئے کہ اس سے کلکٹروں وغیرہ کی قوت میں اور بھی زیادتی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اب ان چند ظاہری رعایتوں کے مقابلے میں مسٹر مارلے کی سختیاں بھی ملاحظہ ہوں کہ (۱) کمیشن تحقیقات شورش ہند کی تجویز یکقلم رد کر دی (۲) لالہ لاجپت رائے کی جلاوطنی کا کوئی سبب بیان نہ کرنیکے لئے متعدد بے معنی اور بیہودہ دلیلیں گڑھ لیں۔ (۳) سب سے بڑھکر یہ کہا کہ ہندوستانیوں میں ہندوستان کے پیچیدہ انتظام سمجھنے اور اسمیں حصہ لینے کی قابلیت ہی نہیں ہے۔ نہ عنقریب یا اولی الابصار۔ ان سب باتوں کے بعد بھی اگر فریق نرم کی آنکھیں کھلیں تو ہمکو انکی عقلوں پر افسوس ہوگا۔

حصہ نظم

غزل علامہ شبلی نعمانی

چرخ کیں فتنہ گر یہائے تو آغاز گرفت   مگر ایں شیوہ ازاں چشم فسوں ساز گرفت

ہر کہ یک بار نظر بر رخ خوب تو کشاد   بایدش دیدہ ز دیدار جہاں باز گرفت

خبرش نیست ز داماں تر خلوتیاں   آں کہ او خردہ بہ رندانِ نظرباز گرفت

ماجرائے من رسوا شدہ ہر جا فاش است   ابلہ آں بود کہ ایں واقعہ را راز گرفت

روزگارے است کس ایں قصہ بپایاں نرساند   گرچہ صد بار فرو خواند و ز سر باز گرفت

من بہ انجام رہ عشق گرفتم در پیش   ای خوش آں کس کہ خود ایں شیوہ ز آغاز گرفت

ابلہی بود کہ مرغ دل من رم دادی   ایں ہما بود کہ از دست تو پرواز گرفت

مژدہ گوئید بہ رنداں می آشامم کہ باز   صحبت محتسب شہر بہ من ساز گرفت

بزم را دید کہ از نغمہ دلکش تہی است
شبلی آں زمزمہ را باز ز آغاز گرفت

غزل جناب منشی محمد ارتضا علی صاحب شرر کاکوروی شاگرد حضرت داغ

یاد پھر اگلی محبت کی ہے مہمان دل میں   ہر طرف آج قیامت کی ہیں سامان دلمیں

سر جھکانے سے تھی در نہ دیدہ نگاہی منظور   ہم یہ سمجھے تھے کہ ظالم ہے پشیمان دلمیں

تیرے اقرار کا عیار بھروسہ کیا ہے   لب پہ ہاں اور نہیں رہتی ہے پنہاں دلمیں

یاس و اندوہ و قلق درد و طپش کا تھا ہجوم   یاد میں بس گئی تیری شب ہجراں دلمیں

پہلوئے غیر میں تم مست خیالات میں ہم   سیکڑوں تم سے پریزاد ہیں مہمان دلمیں

کاوش تیر نظر میں ہے محبت ہمکو   اسلئے ہمنے لگا رکھا ہے پیکان دلمیں

یاد بھی اپنی خدا کے لئے لیتے جاؤ   کہ بہت صبر و تحمل ہیں پریشان دلمیں

میرے مرنے سے ہوا حسن تمہارا مشہور   پھر بھی ہوتے نہیں شرمندہ احسان دلمیں

کار سرکار سے پاتے ہیں شرر کب فرصت   جمع رہتے ہیں خیالات پریشان دلمیں

جناب سید حشمت مرتضیٰ صاحب محشر تلمید حضرت راز لکھنوی

لاکھ پوشیدہ کرو عشق نہ پنہاں ہوگا
شعلہ فانوس کے پردے میں بھی عریاں ہوگا

گیسوئے یار جو محشر میں پریشاں ہوگا
حشر والوں میں جنوں سلسلہ جنباں ہوگا

وصل کا مژدہ جو سنکر نہ دل غمگیں ہنس دے
موت کی جان کو رونا شب ہجراں ہوگا

یار نے خواب میں آنیکا کیا ہے وعدہ
تو بھی آجائیگی اے نیند تو احساں ہوگا

نہ رہے دل نہ رہی درد ہی پہلو میں رہے
یہ تو ہوگا کہ انیس غم ہجراں ہوگا

جان ایسے میں جو پھیرا ہے تو قرباں کروں
کیا خبر تھی وہ پس مرگ پشیماں ہوگا

تخم غم ساتھ لئے جاتا ہوں کشتہ ہوں میں
نخل ماتم مری تربت سے نمایاں ہوگا

سو رہا ہے دل گریاں نہ جگا فتنہ حشر
کھل گئی آنکھ تو برپا ابھی طوفاں ہوگا

دل صد پارہ اٹھا لائینگے ہمراہ محشر
کبھی جانا جو سوئے کوچہ جاناں ہوگا

جناب سید محمد نذر صاحب ۔ شرف ۔ رئیس سرتی تلمید حضرت راز لکھنوی

چھائی حیرت جو نقاب رخ زیبا اٹھا
پڑ گیا اور یہ پردا جو وہ پردا اٹھا

آج پہلو میں مرے درد کچھ ایسا اٹھا
کبھی تڑپا کبھی لوٹا کبھی بیٹھا اٹھا

دیدۂ تر میں جو لخت دل سوزاں آیا
بحر میں آگ لگی آب میں شعلہ اٹھا

دست نازک سے جو شمشیر گلے پر نہ پھری
دھنس کے سینہ سے مرے وہ ستم آرا اٹھا

بیطرح آج وہ بگڑے ہیں خدا خیر کرے
اب کوئی آئی بلا اب کوئی فتنہ اٹھا

پان کھا کر جو ہنسے خون ہوا لاکھوں کا
عطر ملکر جو چلے حشر کا فتنہ اٹھا

سیکڑوں گر گئے موسیٰ کیطرح غش کھا کر
آج کس کے رخ پر نور سے پردا اٹھا

کون آیا یہ نہانے کو جو موجیں تڑپیں
شور کیسا یہ الٰہی لب دریا اٹھا

تھی یہ امید کہ تربت پہ چڑھائینگے وہ پھول
فاتحے کو بھی شرف ہاتھ نہ ان کا اٹھا

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۵۱

اردوی معلی

نمبر ۲ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۷ء | جلد ۹

مرتبہ سید فضل الحسن حسرت بی۔ اے

فہرست مضامین

مقام اشاعت دفتر اردوی معلی علیگڈہ

علی محمد خاں کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڈہ میں طبع ہوا

قیمت رسالہ قسم (۲)

(۳) روپے چار آنے

روپیہ کمانیکا وسیلہ

تمام صاحبان کو خوشخبری سناتا ہوں جسکے سننے سے ہرایک شخص کو فوراً جوش پیدا ہو کر روپیہ پیدا کرنیکا خیال گذرتا ہے۔ اسوقت ہندوستانی بھائیوں میں اسبات کا قطعی خیال نہیں ہے کہ ایکدوسرے کا خانہ یا تجارت میں فائدہ ہو۔ یا جو جو تجارت کرنیکا ارادہ رکھتے ہوں۔ انکو امداد پہونچاویں۔ بلکہ جہانتک ممکن ہوگا اسبات کی کوشش کرینگے کہ انکی تجارت میں ترقی نہ ہو اور نقصان پہونچے۔ اگر ہم کسی قسم کے سوداگر پیشے یا تجارت پیشے یا آڑتی بزاز صراف وغیرہ سے یہ دریافت کرنا چاہیں کہ بھائی فلاں مال کس جگہ سے آتا ہے اور کسطرف کو جاتا ہے اور اسجگہ اس مال کا کیا نرخ ہے اور کسقدر روزانہ سے فروخت ہوتا ہے اور کہاں پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اسجگہ کون کون معزز و ایماندار آڑتی ہر قسم و سوداگر ہر قسم انکی فہرست معہ پتہ و پیشہ و نام کے بتلا دیجئے گا تو میرے خیال میں کوئی صاحب بھی اسبات کو ہرگز ہرگز نہیں بتلا دیگا۔ اگر کسی صاحب نے کسی وجہ سے مہربانی فرمائی بھی تو بالکل جھوٹ بتلا دیگا۔ تاکہ یہ تجارت کرنے سے محروم رہجاوے۔ ایسا ہی موقع بندہ کو پیش آیا جسکی وجہ سے بندہ تجارت کرنے اور فائدہ اُٹھانے سے محروم رہ گیا۔ تب بندہ نے کو ہمت کو باندہکر کے اور رقم کثیر خرچ کرکے ہندوستان کے چاروں احاطہ میں خود گشت کیا اور ایک کتاب نایاب دگرسین تجارت تیار کی جس کے اندر دریا کو کوزہ میں بند کر رکھا ہے۔ اور ہر قسم کے دوکاندار ونکے نام و پتہ و پیشہ علحدہ علحدہ ہر ایک جگہ کے وکلاء و مختاران کے نام و اخبارات کے پتے۔ حکیم۔ وید۔ ڈاکٹر۔ رئیس۔ امیر۔ آنریری مجسٹریٹ وغیرہ وغیرہ کے پتے تفصیلوار کتاب ہذا میں درج کئے ہیں جسکے ذریعہ سے ہرایک آدمی و تجارت پیشہ ہزار ہا روپیہ پیدا کرسکتا ہے۔ اور کتاب کی سچائی اسطرح ہوسکتی ہے کہ اپنے شہر کے سوداگران وغیرہ کے نام پتہ و پیشہ ملاحظہ فرمالیجئے گا۔ نیز اس کتاب میں ایک عجیب واقعہ افیون کے سٹہ کی برد نکالنے کا لکھا ہے جسکے ذریعہ سے افیون کے سٹہ کے سوداگروں کو ہزار ہا روپیہ کا فائدہ پہونچا ہے اور ہو رہا ہے۔ اگر کتاب پسند نہ آوے اسکو ہم واپس لے سکتے ہیں۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۰ء تک کو خریدار سے قیمت عہ اور بعد کو خریدار کو ہے کتاب ہذا چھپکر تیار ہو چکی ہے محصول ڈاک بذمہ خریدار ملنے کا پتہ۔ بمقام دیوبند ضلع سہارنپور پاس لالہ اودگرسین شہ روپے کے پہنچیے

دندان سازی۔ ہمنے علیگڈہ میں ایک دوکان دندان سازی کی کھولی ہے۔ دانت ولایتی پتھر کے ایک سے لیکر پوری بتیسی تک بنائے جاتے ہیں۔ قیمت لکھ کر یا خط و کتابت سے طے ہوسکتی ہے۔ جو صاحب باہر بلانا چاہیں انکو کرایہ آمد و رفت بھی دینا ہوگا۔ المشتہر محمد حسین دندان ساز علیگڈہ۔ موتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبا

(ولادت سنہ ۱۲۱۳ھ تا وفات سنہ ۱۲۷۲ھ)

نام و خاندان میر وزیر علی نام صبا تخلص ولد میر بندہ علی لکھنوی شاگرد خواجہ آتش متوطن لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے جن کا اشرف علی نام تھا انہوں نے صبا کو بتعلق خواہرزادگی اپنا پسر متبنیٰ قرار دیا تھا۔ چنانچہ انہی کی نگرانی میں رہ کر صبا نے تعلیم حاصل کی۔

اخلاق و عادات ان کی صحبت آشنائی کا ... ہو سکتا ہے کہ اب تک ان کے پرانے لوگوں میں موجود ہے۔ صبح سے شام تک مجمع احباب رہتا تھا اور شام ہوتے ہی پھر رات تک ... یہ افیون روز خرچ ہو جاتی تھی۔ لکھنؤ کے قدیم طرز معاشرت ... سے معلوم کر لینے سے ہو سکتا ہے کہ جو شخص صبا سے ملنے جاتا تھا اس کی تواضع منجملہ دیگر تکلفات افیون سے بھی ضرور کی جاتی تھی۔

مرزا نسیم کا واقعہ منشی امیر اللہ تسلیم مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایکبار حضرت مرزا اصغر علیخاں نسیم دہلوی مرحوم صبا سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے میں بھی استاد کے ہمراہ تھا حسب دستور صبا نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے برابر لیجا کر بٹھایا۔ معمولی مزاج پرسی کے بعد سلسلۂ گفتگو شروع ہوا اور زبان میں تذکیر و تانیث کے کلیہ قواعد کی عدم موجودگی کا مسئلہ زیر بحث تھا اسی اثنا میں نوکر نے مرزا صاحب کے سامنے بھی افیون کی پیالی پیش کی۔ مرزا صاحب نے بہت کچھ معذرت کی لیکن جسقدر وہ انکار کرتے تھے اسیقدر صبا کا اصرار بڑھتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ انہوں نے مرزا صاحب کے گلے میں بانہیں ڈالدیں اور کہا کہ اس وقت تو آپ کو یہ پیالی نوش فرمانا ہوگی۔ مرزا صاحب کو افیون کے نام سے نفرت تھی لیکن بتقاضائے مروت چار و ناچار پیالی لبوں سے لگاتے ہی بنی اور مصنوعی طور پر دو چار گھونٹ پینے کے بعد میزبان کی عنایت کا شکریہ ادا کرکے بہزار دقت پیالی مع افیون نوکر کو واپس کی گئی۔

انسانی ہمدردی کی مثال حاجتمند شرفا کی خفیہ طور پر مدد کرنا صبا کا خاص شیوہ تھا چنانچہ
اسی قسم کا ایک واقعہ صبا کے نام کے ساتھ ہی منسوب ہے
اس طرح پر کہ مرزا محمد صاحب بڑی مونچھوں والے دہ مقیم احاطہ رستگی بیگ بڑے پابند
وضع اور بہادر تھے لیکن گردش تقدیر سے بڑے افلاس میں گرفتار رہتے تھے۔ مرزائے
موصوف حضرت صبا کے یہاں بھی آتے جاتے تھے۔ لیکن بتقاضائے غیرت جب
کبھی میر صاحب نے ان سے کسی طور پر سلوک کرنا چاہا انہوں نے صاف انکار کیا۔ کچھ
دنوں کے بعد جب نوبت بہ فاقہ پہونچی تو ایک روز مرزا نے مزاحاً صبا سے کہا
کہ کوئی عمل ایسا بتائیے جس سے ہماری تنگدستی رفع ہو۔ میر صاحب نے بلا تامل فرمایا
کہ ایک عمل دستِ غیب کا مجھے ایسا مجرب معلوم ہے کہ کبھی خطا ہی نہیں کرتا وہ یہ کہ
چالیس روز تک بعد نماز عشا سات بار قل ہو اللہ پڑھا کرنا۔ چالیسویں روز ایک شخص
دروازے پر آکر دستک دیگا۔ تم اسکو دیکھنا نہ اپنی صورت اسے دکھانا۔ البتہ دونوں
ہاتھ دروازے کے باہر نکال دینا اور جو کچھ وہ دے لیکر فوراً دروازہ بند کر دینا۔ چنانچہ
خود بنفس نفیس پنجشنبہ کو تشریف لیجاتے تھے اور دستک دیکر دے آتے تھے۔ بعد انتقال
حضرت صبا فاتحہ چہلم کے روز مرزا صاحب نے اپنا یہ قصہ بیان کیا اور ساتھ ہی افسوس ظاہر
کیا کہ شاید صبا کے مرنے سے اس عمل کا اثر جاتا رہا۔

معاش حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ کے یہاں سے ۲۰۰ روپیہ ماہوار مقرر تھا
اور بیس روپے ماہوار نواب محسن الدولہ بہادر کی سرکار سے ملتے تھے۔ علاوہ بریں کئی باغ
اور کچھ پرامیسری نوٹ بھی ان کی ملک سے تھے جنکا منافع مسٹر جونز کی معرفت وصول
ہوا کرتا تھا۔

شاگرد تلامذہ خواجہ آتش میں سے جتنے شاگرد صبا کے ہیں اتنے ان کے معاصرین
میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ مثلاً شیخ فضل احمد کیف۔ میر ولد حسین فوق۔ آغا
حسن ازل۔ عبد الکریم خنا۔ بقا خلف صبا۔ فروغ۔ آغا عفو بلگرامی۔ حضرت سہا۔
محمد متوالی و وحید موہانی وغیرہم میں سے اکثر صاحب دیوان ہیں اور بجائے خود استاد

مانے جاتے تھے۔

خاتمہ سنہ ۱۲۶۱ھ میں صبا نے گھوڑے سے گر کر انتقال کیا اور ایک کلیات مشتملہ دیوان و مثنوی صیدیہ (شکارنامہ واجد علیشاہ) یادگار چھوڑا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صبا کی شاعری

بحیثیت مجموعی لکھنو کی شاعری کا سچا نمونہ ہے یعنی بے تاثیری اور بے رنگی میں انکا کلام ناسخ کا کلام معلوم ہوتا ہے اور بدمذاقی کے لحاظ سے انیس اور رند میں کچھ فرق نہیں ہے۔ یہی رعایت لفظی اسکا استعمال اگرچہ انکے یہاں بکثرت نہیں ہے۔ لیکن جہاں کہیں ہے وہاں تصنع اور مہملیت کی اسی شان کیساتھ جلوہ گر ہے جسے رشک و امانت کے کلام کی خصوصیت سمجھنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو۔

ناسخ کا رنگ

قتل فرقت میں ہیں رند لاابالی ہوگیا — منہ سبو ہی کا لب جام سفالی ہوگیا
ہوگیا میں قتل انکا نام لیکر پیار سے — مجھکو سیفی یار کا اسم جمالی ہوگیا
ہجر میں کیفیت گلزار مجھکو سم ہوئی — جام ہر لالے کا افیوں کی پیالی ہوگیا
کی جو اس گل نے ہمارے باغ دیوانگی کی سیر — مصرعہ تراپنا ہر اک خشک ڈالی ہوگیا
معتقد ہوں ای صبا میں اس ولی اللہ کا — شیر جسکے معجزے سے شیر قالی ہوگیا

نمونہ بدمذاقی

طعمہ جو دیا تمنے مرے طائر دل کا — شہباز نظر ہوگیا تیار تمھارا
کولھو میں گردش نگہ یار کے پیسا — تل تیل ہوکے بھگیا چشم غزال کا
یہ ہاتھ اس پھکیت کے عاشق پہ صاف ہیں — پالٹ۔ طمانچہ۔ چانٹی۔ بنوٹ۔ منہ نا۔ سرکر

نگاہ یار کی گردش کو کولھو کی گردش سے مشابہ قرار دینا یا محبوب کو پھکیت ظاہر کرنا

بدمذاقی کی بدترین مثالیں ہیں۔ یہ عیب جس شاعر کی طبیعت پر غالب ہوتا ہے وہ اپنے کلام کے لیے قافیے بھی اسی ڈھب کے مبتذل اور بازاری تلاش کر لیتا ہے۔ مثلاً تنا وتماشا وغیرہ قافیوں کے ہوتے ہوئے زیبد لکھنا ہے۔

اس زلف کی تسخیر سے عاجز ہیں سپیرے　　کالا کسی منتر سے یہ کیلا نہیں جاتا

علیٰ ہذا القیاس صبا نے بھی جابجا لاشا، چیلا، دونا وغیرہ قافیے بے تکلف نظم کئے ہیں

رعایت لفظی کی مثالیں

سحر وصل کی مانگوں جو دعا　　بھور کردے شب ہجراں میرا

پڑے ہے یار غیروں میں نا ما ہمارا　　یہ قسمت ہماری یہ لکھا ہمارا

بت پرستی سے نہ طینت مری زنہار پھری　　سبحہ سو بار خریدی گئی سو بار پھری

مذکورہ بالا عیوب کی ذمہ داری قبیلے زیادہ اہل لکھنو کے مذاق اور طرز معاشرت کے سر ہے اسلئے کہ دانستہ یا نادانستہ تقریباً ہر شاعر کو پسند جمہور کا پیرو ہونا پڑتا ہے۔ اور مرزا غالب کے سے یکرنگ شاعر جو پیروی عوام سے نفور ہوں شاذونادر ہی پائے جاتے ہیں۔

کلام کا خشک اور بے اثر ہونا غالباً تمام گذشتہ شعرائے لکھنو کا مشترک عیب ہے بیشک شیخ ناسخ کا کلام جابجا خشکی اور بے رنگی سے مبرا معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ بھی بے اثر ہوتا ہے۔ اگرچہ استادی کا زور، شان وشکوہ الفاظ کے پردے میں اس بے اثری کی اصلیت کو نگاہ عام سے پوشیدہ کر دیتا ہے۔

البتہ خواجہ آتش کے کلام میں کہیں کہیں درد کی جھلک پائی جاتی ہے بقول مرزا نسیم

کلام آتش مرحوم سے بھی نالہ پیدا ہے　　نسیم آگاہ تھا کچھ وہ بھی درد آشنائی کا

چنانچہ یہیں سے ہے کہ شاگردان آتش کا بھی رنگ کہیں کہیں لکھنو کی عام روش سے علیحدہ نظر آتا ہے۔ مثلاً صبا کی بعض بعض غزلیں خوبی اور رنگینی کے لحاظ سے بھی ستایش کے لایق ہیں اور چند غزلوں میں سلاست اور روانی اس حد تک پائی جاتی ہے کہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ چوٹی کے شاعروں میں بھی انکا خاص رنگ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شکوہِ الفاظ کی مثال جس سے کلام کی بُرائی چھپ جاتی ہے

(۱) نمونۂ طرزِ ناسخ صبا کے کلام سے

شکوۂ تاثیرِ شب ہے شکوۂ تاثیرِ صبح
گاہ دامنگیرِ شب ہوں گہ گریبانگیرِ صبح

آئینے میں عکسِ روئے ساقیِ پُرنور ہے
جامِ تاباں بنظر آئینۂ تصویرِ صبح

دودِ آہ بے اثر ہے شبِ غم کو عروج
نالۂ شبگیر ہیں یاں باعثِ تاخیرِ صبح

[۵] بغیر یار تڑپتی ہے لالہ زار میں روح
بسی ہے موجۂ بادِ خزاں بہار میں روح

مجال کیا ہے تہِ بحرِ عشق تک پہونچے
حباب وار ہے اس بحر کے کنار میں روح

بُرا ہو موت کا جس نے یہ تفرقہ ڈالا
مزار میں مری میت ہے کوئے یار میں روح

(۲) عام خوبی اور رنگینی کی مثالیں

لوٹ ہیں سیرِ چمن پر بادہ خوار اب کی برس
خوب سبزہ ہے کنارِ جوئبار اب کی برس

بادہ نوشی پر رہا دار و مدار اب کی برس
طاق پر رکھے رہے سب کاروبار اب کی برس

سالِ آئندہ نہ ہوگا یہ بھی عالم دیکھنا
وہ کہاں سالِ گذشتہ کی بہار اب کی برس

ابرِ تر پر پیچیاں ہونگی کفِ سیلاب کی
جوش پر ہے گریۂ بے اختیار اب کی برس

ٹوٹی جاتی ہیں گلوں کے بار سے سب ڈالیاں
پھٹ پڑی ہے باغ میں کیسی بہار اب کی برس

یہانتک سب اشعار اچھے ہیں لیکن انہیں کے درمیان میں ایک لہار بھی بیٹھا ہوا شعرائے لکھنؤ کے خوش مزاقی کی داد دے رہا ہے ۵

---

[۵] میر محسن علی محسن نے اپنے تذکرہ سراپا سخن میں اس غزل کی نسبت یہ لطیفہ لکھا ہے:- "وہ روح اعضا میں نہیں مگر جناب میر وزیر صبا نے فرمایا کہ بغیر روح قالب بیکار ہوتا ہے یہ لطیفہ مولف کو نہایت پسند ہوا فصل روح زیادہ کی"

واضح ہو کہ سراپائے سخن میں جملہ اعضائے محبوب مثلاً سر آنکھ لب وغیرہ کے متعلق مختلف اساتذہ کی غزلیں یکجا کی گئی ہیں۔

ہوش کسکو ہے جو بہناسے کسیکو بیڑیاں | ہو رہے ہیں آپ دیوانے گھٹا اب کی برس

مغتنم ہے باغ عالم کی ہوا دو چار دن | صورتِ گل ہے یہاں نشو و نما دو چار دن
اے بتِ کافر تری اللہ رے بے پروائیاں | آشنا دو چار دن نا آشنا دو چار دن
مجھ گریباں چاک کے مرنیسے اک وحشت رہی | وا رہے اُس شوخ کے بندِ قبا دو چار دن
نکہتِ گل پھر کہاں بادِ بہاری پھر کہاں | باندھ لے ای باغباں اپنی ہوا دو چار دن
بادہ گلگوں چلے ہر روز چلکر باغ میں | موسم گل کی ہی ہے آئی صبا دو چار دن

رنگ ہے اے ساقی سرشار قیصر باغ میں | پھول بیٹھے ہیں تری میخوار قیصر باغ میں
خلد میں آکر شراب خلد سے ہی اجتناب | جام مے سے ہاتھ اٹھا انکار قیصر باغ میں
دور میں سلطان عالم کی ہیں یہ کیفیتیں | غیرتِ جم ہے ہر اک میخوار قیصر باغ میں
صبحدم گلگشت کو آیا ہے وہ سرو رواں | سبزۂ خوابیدہ ہو بیدار قیصر باغ میں
نکہتِ گل سے صبا ہم مست رہتے ہیں مدام | بادۂ گلگوں نہیں درکار قیصر باغ میں

جور بتاں میں شکر خدا ہو تو جانیے | وقتِ قضا نماز ادا ہو تو جانیے
آگاہ میری حالتِ دل سے نہیں ہیں آپ | کچھ رنج دشمنوں کو ہوا ہو تو جانیے
سنتے ہیں مدتوں سے مسیح زماں تمہیں | کچھ اپنے دردِ دل کی دوا ہو تو جانیے
بیجا ہے ناز دولتِ حسن شباب پر | صاحب اگر کسی کا بھلا ہو تو جانیے
اس سنگدل کے دل میں مری جا ہو اے صبا | کندہ نگیں پہ حرفِ وفا ہو تو جانیے

چشم پر آب سے ہے نشو و نما ساون کی | نفسِ سرد نے باندھی ہے ہوا ساون کی
ہے نسیم چمن خلد ہوا ساون کی | بخدا سایۂ طوبیٰ سے ہے گھٹا ساون کی
گرمیوں میں جو پریشان ہوئے ہم بادہ پرست | مانگی سر کھول کے ساقی نے دعا ساون کی
جھولا جھلوائینگے لیجا کے چمن میں تجھکو | رت کہیں آئے تو اے حور لقا ساون کی
تہ ہے الفت گیسو میں بہانا آنسو | اے صبا رات اندھیری ہے بلا ساون کی

بستر ہمارا یار کے ایواں سے دور ہے | درویش آستانۂ سلطان سے دور ہے
کیفیتِ شراب میں ہے سب بے تکلفی | پاسِ ادب مجالسِ رنداں سے دور ہے

رہ کے نہیں ہیں رسمِ محبت سے آگہی — راہِ وفا طریقِ حسیناں سے دور ہے
فصلِ جنوں ہے جامہ دری کی بہار سے — ٹوٹے وہ ہاتھ جو کہ گریباں سے دور ہے
کہتے ہیں جسکو منزلِ عرفاں وہ اے صبا — ہندو سے ہے بعید مسلماں سے دور ہے

قافیہ و ردیف کے زور سے غزل کو چمکانیکی مثال

سختیاں کچھ روز مرنے کی ہوس میں کھینچ لیں — اور آہیں آمد و رفتِ نفس میں کھینچ لیں
ہم اسیروں کے اگر نالے اثر پیدا کریں — وسعتِ صحنِ چمن کنجِ قفس میں کھینچ لیں
صیدگاہ دہر میں قسمت کا سارا کھیل ہے — زر اگر عنقا ہو تو دامِ ہوس میں کھینچ لیں
بے صدائے زنگ سے ہے عمرِ رواں کا قافلہ — نالے ہم اس کاروانِ بے جرس میں کھینچ لیں
ہم وہ بلبل ہیں اگر چاہیں تو جذبِ آہ سے — آتشِ گل آشیاں کے خار و خس میں کھینچ لیں
پھر رہی سیرِ چمن سے پھر وہی فصلِ بہار — اور نالے چار دن کنجِ قفس میں کھینچ لیں
اے صبا کیا منہ ہزارانِ چمن جو آپ سے — ایک نالہ تو زیادہ سو برس میں کھینچ لیں

صبا کے خاص رنگ یعنی سلاست کی مثالیں

بیتابیِ دل سے نے زار پا کر — دے دے پٹکا اٹھا اٹھا کر
بیٹھے جو وہ شب نقاب اٹھا کر — بجھنے لگی شمع جھلملا کر

گر محبت کا دل میں داغ نہیں — خانۂ کعبہ میں چراغ نہیں
کیسے کیسے رفیق چھوٹ گئے — اے کس کس کا دل پہ داغ نہیں
میں وہ بلبل ہوں جسکے نالوں سے — کون گل ہے جو باغ باغ نہیں
سر پہ احسان لیں امیروں کا — ہم فقیروں کو ایسا دماغ نہیں
چل بسے ہیں نسیم[1] جس دن سے
اے صبا وہ ہوائے باغ نہیں

[1] پنڈت دیاشنکر نسیم صاحب مثنوی۔

صبا کے بعض متفرق یادگار مطلع

آنکھیں صبا پر آپ مرا اس قدر کیا — [illegible] آتش منتظر کیلئے

جو عدوے باغ ہو برباد ہو — کوئی دن ہیں ہوا صیاد ہو

بندہ ایسا صبور ہوتا ہے — عفو کیجے قصور ہوتا ہے

خدا کا قہر بتوں کا عتاب رہتا ہے — اس ایک جان پہ کیا کیا عذاب رہتا ہے

ہو رہے ہیں ظلم ہفت افلاک کے — امتحاں ہیں ایک مشت خاک کے

پھوٹ نکلا رنگ جسم یار کا — پھول بوٹے بن گئے پوشاک کے

بہار آئے الٰہی چمن ہری ہو جائے — [illegible] ہر اک شجر ہری ہری ہو جائے

صبا کے سلسلۂ شاعری کا نقشہ

مصحفی

سرشار مسرور ذرا خلیق غافل ہوش عیشی اسیر آتش تنہا شہیدی شعور منتظر ذات مخمور ضمیر گرم

آتش موتمن نادر کامل رونق

مرزا افضل اسیر حکیم شوق

وفا آہ جاہ اختر کوثر نواب ناصر جلیل مضطر نسیم حفیظ شائق ثاقب صفدر

شیدا اصغر فیض اکرم شمشاد سلیم برق ضمیر صبا اظہر شوق منشی [illegible] تسلیم قدسی شمس شاہی

قمر بقا آغا خدا [illegible] کیف ازل فروغ حضور [illegible] وحید

ملاحظہ اس نقشے میں ہر استاد کے شاگرد رشید کا نام [illegible] اور یہ سلسلہ وار داہنی [illegible] بعد دیگرے حسب [illegible] شاگردوں کے نام درج کیے

تاریخ اسلام پر ایک سرسری نظر

(نمبر ۳)

خلفائے اندلس | انکا پہلا بادشاہ عبدالرحمٰن ابن معاویہ تھا۔ اندلس کے قرب وجوار میں اسکی موجودگی نے امویوں کے جوش وہمت کو تازہ کردیا۔ شام کی تباہ جنگیوں کے اثر سے اندلس بالکل پاک صاف تھا۔ اسنے اپنے پہلے حاکموں کا شام میں شکست کھانا سنکر نہایت محبت و اظہار اطاعتمندی کے ساتھ معاویہ کے بیٹے کو اپنے ہاں ۷۵۵ء میں بلوایا جو تدری اور رعایا نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ ساحل اندلس پر اسکا استقبال کیا۔ یہ ان خلفائے اندلس کا جد اعلیٰ تھا جنہوں نے ۲۵۰ برس بحر ظلمات سے لیکر کوہ ہائے پیرینیز تک حکومت کی ہے۔ اکبر کی مانند اسنے عربوں کو تعلیم دی تھی کہ تمہارا وطن اب عرب یا شام نہیں ہے بلکہ اندلس ہے اور ملک کی آمدنی کو اندرونی ترقی پر لگانا شروع کیا۔ بنو امیہ کی تقلید عباسی تینیا میں بنو ادریس نے کی اور مصر اور افریقہ میں بنو فاطمہ نے اور دسویں صدی عیسوی تین ممالک اسلام میں بغداد۔ قاہرہ اور قرطبہ تینوں مقامات پر الگ الگ خلافتیں قایم ہوگئیں۔

۷۹۳ء میں عبدالرحمن کے بیٹے ہشام اور البا وارض آلقلاع کے عیسائیوں سے لڑائی لڑائی رہی اور صوبہ جلیقیہ کے رئیس برمیوڈو کو شکست دے کر اسکی حکومت کا بہت بڑا حصہ ممالک مفتوحہ میں شریک کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں قرب وجوار کے عیسائی اکثر ممالک اسلام میں آکر لوٹ مار کیا کرتے تھے جس کے تدارک کے لئے الحکم اور اسکے بیٹے عبدالرحمن نے بذات خود کوششیں کیں اور ان ڈاکوؤں کا کامل استیصال کیا۔ ۷۳۲ء میں عبدالرحمن ابن موسیٰ فرانسیسیوں کے مقابلہ میں بھیجا گیا اور اسی میدان میں جہاں موسیٰ ابن نصیر نے ان شمالی اقوام کو شکست دی تھی عیسائیوں کو بھی نہایت ذلت کے ساتھ بھاگنا پڑا۔ عربوں کے فتوحات متواترہ نے اُن کی شجاعت۔ دلیری۔ اور قوت اور اون کی ترقی علوم وفنون کو دور دور تک مشہور کردیا۔ اور عربوں کے زمانہ میں اُنکے تمدن کو وہ عروج ہوا کہ چند ہی صدی میں بالکل کایا پلٹ

ہوگئی۔

"دارالخلافت قرطبہ ایک ایسا مرکز علوم و فنون بن گیا کہ اوسے اوس وقت کے بڑے سے بڑے یورپ کے دارالسلطنت کے مقابلہ میں رکھ سکتے ہیں"[1]۔ وہ ملک جو ایک زمانہ میں وحشیوں کا مسکن تھا ۔ اب یوروپ کا سرتاج ہوگیا اور چھوٹے بڑے بادشاہ سب کچھ بوجہ خوف اور کچھ بوجہ شوق عربوں سے اتحاد و دوستی بڑھانے اور پیدا کرنے کی فکر میں رہتے تھے ۔ عیسائیوں کو انتہا درجہ کی آزادی حاصل تھی اور عربوں کی بے تعصبی کی نظیر اس سے زیادہ نہیں مل سکتی کہ عبدالرحمن ثانی کے زمانے میں عیسائی رسول خدا اور مذہب اسلام کو برملا برا کہتے تھے ۔ اور حکام عرب انتہا درجہ کی بے تعصبی سے کام لیتے اور حتی الامقدور ان کی اصلاح کی کوشش کرتے تھے ۔ اسی زمانہ میں بڑے بڑے اہل سیف و اہل قلم خلافت عباسیہ کو چھوڑ کر اندلس آئے جن میں علی ابن نفی معروف بہ زریاب ملازم جس نے اندلس عرب میں موسیقی کو رائج کیا سب سے زیادہ ممتاز ہے ۔ "اسی زمانہ[2] میں آبرسانی کا محکمہ قرطبہ میں عبدالرحمن نے جاری کیا اور پانی کے متعدد خزانے بنوا کر نلوں کے ذریعہ سے تمام شہر میں پانی پہونچایا"

عبدالرحمن کے بعد ۲۷۵ھ سے سنہ ۳۰۰ھ تک اندلس میں طوائف الملوکی رہی ۔ عربوں کے خود مختار اور نالائق حکام کے مظالم سے رعایا بیزار ہو چلی تھی ۔ عیسائی پادریوں نے شور مچانا شروع کیا کہ عربوں کا اخیر وقت آپہونچا ہے ۔ مگر قضا و قدر کا یہ منشا نہ تھا ۔ سنہ ۳۰۰ھ میں عبدالرحمن ثالث کے تخت نشین ہوتے ہی امراے عرب کے جھگڑے ختم ہوگئے ۔ ابن حفصون اور دیگر شوریدہ پشت عیسائیوں سے ملک پاک ہوگیا ۔ عبدالرحمن اعظم نے امراے عرب کے اختیارات سلب کر کے مسلمان اور عیسائی دونوں کو فوج میں داخل کرنا شروع کیا اور تمام اہم امور خود سرانجام دینے لگا ۔ اس زمانہ میں الفانزو (   ) کے بیٹے اردونی ثانی نے عربوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر کئی بار انہیں زکیں دی تھیں اور شاہان فرانس و البشکنس اپنی اپنی فوجیں لے کر اون کی مدد کو آگئے تھے ۔ مگر عبدالرحمن ثالث کی دانشمندی اور عربی سواروں کی بہادری نے مسلمانوں کو ذلت سے بچا لیا اور سلطان استیصال کامل کے بعد

[1] تمدن عرب از موسیو لی بان ۔ [2] ذوالقدر جنگ کی تاریخ اندلس ۔

عیسائی قلعوں اور مورچوں کو برباد کرتا ہوا دارالخلافت واپس آیا اور امیر المومنین اور الناصر الدین اللہ کا خطاب اختیار کر کے بغداد و قاہرہ کے مقابلہ میں قرطبہ میں خلافت اسلام قایم کی ۹۳۹ء میں الخندق کی لڑائی ہوئی جس میں ردمیر ثانی عیسائی بادشاہ سے مسلمانوں کو ایسا نقصان اٹھانا پڑا کہ جب سے اس سرزمین پر قدم رکھا تھا ایسا سخت حادثہ کبھی پیش نہ آیا تھا۔ پچاس ہزار کے قریب مسلمان کام آئے اور ہزیمت الگ ہوئی مگر عبدالرحمٰن ابھی زندہ تھا۔ اوس نے عیسائیوں سے اس شکست کا ایسا بدلہ لیا کہ نہ صرف ردمیر بلکہ دور دور کے تمام عیسائی اقوام خوف سے کانپ اٹھیں اور قسطنطین شاہنشاہ قسطنطنیہ تک نے بیش بہا تحائف بھیجکر اظہار عقیدتمندی کیا۔ ژوتو بادشاہ سلا اور شاہان جرمنی اور فرانس نے بھی قسطنطین کی تقلید کی۔ عیسائیوں کی طرف سے اس طرح مطمئن ہو کر عبدالرحمٰن نے افریقہ کی تسخیر کا ارادہ کیا اور بنی فاطمہ کے مقابلہ میں ایک بہت بڑا بیڑا جہازات کا بنی ادریس کی مدد کے لئے بھیجا اور رفتہ رفتہ اوس تمام حصہ کو فتح کر لیا جو مغرب الاقصیٰ کے نام سے موسوم ہے۔ اس خلیفہ کی یادگار میں قرطبہ کی مشہور مسجد اور الزہرا کا قصر آجتک موجود ہے اور اپنے بانی کی شان و شوکت کا پتہ دیتا ہے۔

عیسائیوں کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی خلیفہ وفات پاتا اور دوسرا جانشین تخت پر بیٹھتا تو ضرور فساد کرتے اور نقض عہد اور بغاوتیں کیا کرتے۔ عبدالرحمٰن کے بیٹے الحکم کو بھی ایسی شورشوں سے مقابلہ کرنا پڑا مگر اسکے سپہ سالار قالب۔ قطوبیہ فتح کرتے ہوئے البانگ چلے گئے۔ فوجی ترقی کے علاوہ اس زمانہ میں ترقی علم بھی درجہ کمال کو پہونچ گئی تھی مسیحی یورپ نے اندلس کیجانب لگاتار آنا شروع کیا کہ مسلمان استادوں سے وہ علوم و فنون سیکھیں جو یونانیوں نے ان کے پہلے انہیں سکھائے تھے۔ عربوں نے علم ہیئت کو زندہ کیا۔ کیمیا اور ریاضیات پر کتابیں لکھیں پوپ سلوسٹر ثانی نے جو ایک زمانہ میں مسیحی دنیا کا مذہبی پیشوا تسلیم کیا گیا ہے دارالعلوم قرطبہ ہی میں تعلیم پائی تھی اور وہیں اوس نے علم ریاضی سیکھا تھا۔ عربوں نے دوم درجہ کے مساوات (کواڈریٹک اکوایشن) اور (   ) بائی نومیل تھیورم کے اصول دریافت کئے۔ دوربین بنانے کے اصول منضبط کئے۔ علم مثلثات (ٹرگنامیٹری) میں جیب زاویہ (سائین) اور جیب مستوی (کوسائین) کا عمل ایجاد کیا اور علم مثلث کروی (اسفیریکل ٹرگنامیٹری)

اور مماسہ کے اصول ترتیب دیئے۔ زراعت کے سائنٹفک اصول بتائے اور ساخت اشیا کے کارخانے قائم کئے۔ فلسفہ میں انہوں نے اس سے بھی زیادہ تحقیقاتیں کیں اور ارسطو کی مردہ تعلیم کو جسے دنیا میں کوئی نہیں جانتا تھا رواج دیا۔ اوسکی کتابوں پر شرحیں لکھیں اور نئے نئے مسائل الگ ایجاد کئے۔

گو اندلس کے خلفائے سابق بھی اکثر علم وفن کے بہت قدردان اور ماہر گذرے ہیں لیکن الحکم کو علم ادب اور فلسفہ سے ایک خاص مناسبت اور دلچسپی تھی اور خود بھی علم میں بہت بڑا پایہ رکھتا تھا۔ اسنے اتنا بڑا کتب خانہ جمع کیا تھا کہ سوائے مستکفی باللہ کے کتب خانہ کے کہیں اور اوسکا ہمسر نہ تھا۔ زمانہ کے اتفاق کو دیکھنا چاہئے کہ ان میں سے ایک وحشیان وسط ایشیا کے ہاتھوں تباہ ہوا اور دوسرا وحشیان یورپ کے ہاتھوں

علم کی یہ ترقی مسلمانوں کے اخیر وقت تک جاری رہی۔ مگر پولٹیکل حالت نازک ہوگئی اور بجائے خلفاء کے اون کے وزرا حکمرانی کرنے لگے۔ ابن ابی عامر کے خاندان نے صرف بادشاہ کو کٹ پتلی ہی نہیں بنا کر رکھا بلکہ منصور کے بیٹے عبدالرحمن نے ہشام ابن الحکم سے خود اپنے ولیعہدی کی سند جبر لکھوائی۔ یہاں سے اب طوائف الملوکی کی ابتدا ہوئی اور امرائے قریش وخلفائے بنو امیہ میں مخالفت شروع ہوگئی۔ عبدالرحمن ابن المنصور قتل کیا گیا۔ مگر ملک میں فساد کی بوہیل چکی تھی۔ اور اہل بربر بغاوت پر بغاوت کرتے جاتے تھے حتیٰ کہ حمودی تخت وتاج تک کو دبا بیٹھے اور علی ابن حمود اون کا پہلا خلیفہ ہوا۔ اس کا دادا ادریس خلیفہ ہارون الرشید کے خوف سے افریقہ چلا آیا تھا۔ اور بربرون کے ملک میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ اور المنصور کے زمانہ وزارت میں اندلس آکر خدمات نمایاں کی تھیں۔ اس خاندان کے زمانہ میں اندلس سے بڑے بڑے جور سے اور سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔ عیسائیوں کو عروج ہونا شروع ہوا۔ اور طلیطلہ پر الفونسو چہارم کا قبضہ ہوگیا۔ انکے بعد خاندان المرابطین وموحدین و بنی ہود یکے بعد دیگرے اندلس پر مسلط ہوتے گئے اور وہ وقت آگیا کہ قسطلہ اور اراغون کے بادشاہوں نے خلیفہ ابو عبداللہ سے ملک لیکر عربوں کا اندلس سے اخراج کردیا۔ مگر باوجود ملکی انحطاط کے عربوں کا ذوق علم وفن کی طرف ویسا ہی رہا۔ زمانہ بنی حمود میں ابن رشد کا سا

حکیم پیدا ہوا اور چودھویں صدی عیسوی میں شہر غرناطہ کے ایک جانب دریائے ویگا کے کنارے ایک ٹیلہ پر جو سیرا نوادا کے برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں کے نیچے واقع ہے ایک قلعہ تعمیر کیا گیا جو خوبی و لطافت کے لحاظ سے اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا یہ قلعہ جسے الحمرا کہتے ہیں۔ "سلفیٹ آف لایم" کا بنایا گیا تھا۔ اسکی نفاست کی یہ حالت تھی کہ اب بھی گئی گذری حالت میں بمشکل یہ تمیز ہو سکتا ہے کہ سنگ مرمر کے ٹکڑے ہیں یا چونے سے گچ کیے۔ "کل صناع[۵] اور اہل کمال جنھوں نے الحمرا کو دیکھا ہے اندلس کے نصاریٰ کی اس عجیب و غریب وحشیانہ حرکت کو افسوس کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو ان سے اس قصر کے برباد کرنے میں سرزد ہوئی" چارلس پنجم نے اسکا ایک حصہ توڑ کر اسکے مصالح سے ایک نئی عمارت بنانی شروع کی تھی اور دار بنو سراج کے بیش بہا لکڑی کے دروازے ایندھن کے کام میں لائے گئے۔ یہی نہیں بلکہ کارڈنل زمی نیز نے غرناطہ کی کل کتابیں جنکی تعداد اسی ہزار سے زیادہ تھی جلوا دیں اور یہ کوشش کی کہ عربوں کا نام و نشان تک اندلس میں باقی نہ رہے۔

حکومتہاے افریقہ

مصر پر ۶۴۹ء میں سب سے پہلے اسلام کا جھنڈا دریاے نیل کے سواحل پر نصب کیا گیا تھا۔ ابتداے فتح مصر سے ۱۵۱۷ء تک جبکہ سلطان سلیم خان اول نے اہل مصر کو مملوکوں کے ہاتھ سے نجات دی تو مختلف خاندانوں نے یہاں حکمرانی کی۔ دو سو اکیس برس تک اس سرزمین پر خلفاے راشدین و دمشق کی حکومت رہی اور مصر نے عربی تہذیب و تمدن کا وہ جامہ زیب بر کیا جو آجتک اوسکے بدن پر ہے۔ ۸۶۸ء میں جب امویوں کی حکومت ضعیف ہوگئی تو مصر پر طولونیوں کا غلبہ ہوا جنکی حکومت صرف ۳۵ برس رہی۔ اسکے بعد خلفاے بنو عباس کا زمانہ آیا مگر محمد ابن طغج بن جف الاخشید کی شورشوں نے عباسیوں کا سیاہ علم تیس ہی برس کے اندر سرنگوں کر دیا اور ۹۳۴ء سے ۹۶۹ء تک خاندان اخشیدیہ حکمراں رہا۔ مگر مصر کو وہ فروغ جسکی بدولت وہ قرطبہ و بغداد کا ہم پلہ ہوگیا خلفاے بنو فاطمہ کے زمانہ میں نصیب ہوا۔ اس زمانہ میں ان کے پاس تمام شمالی افریقہ۔ الجزائر۔ سارڈینیا۔ سسلی۔ جزائر میڈیٹرینین اور شام کا ملک تھا مگر خلیفہ حاکم کے بعد سے سلطنت میں ضعف آنا شروع ہوا اور ملک کی وہی حالت ہوگئی جو محمد تغلق کی حرکتوں کی وجہ سے ہندوستان کی ہوگئی تھی

مگر یہاں فیروزنے جو محمد تغلق کا جانشین ہوا اپنی حکمت عملی اور صلح جوئی کی وجہ سے سلطنت کے ڈانواڈول کشتی کو ڈوبنے سے بچالیا مگر بعد میں کوئی ایسا نہ تھا جو خلیفہ حاکم کے حرکات کی تلافی کرتا۔ خلیفہ محمد تغلق کی مانند نہایت ذی علم اور علوم وفنون کا شایق تھا اور اسکے زمانہ میں بہت سے علمی کام ایسے ہوئے جو آجتک یادگار زمانہ ہیں۔ ابن یونس نے اسکے حکم سے رصدگاہ مقطم میں ایک زیچ تیار کی تھی جو آجتک زیچ حاکمی کے نام سے مشہور ہے۔

مقریزی لکھتا ہے کہ بنو فاطمہ کے زمانہ میں صنعت اور علی الخصوص جواہر تراشی اور کپڑے کے متعلق کل فنون اور اُن تمام چیزوں سے جو اثاث البیت و آرایش مکان سے متعلق ہوتی ہیں اعلیٰ درجہ کی ترقی حاصل کی۔ ولیم صور ایک عیسائی مورخ نے سفرائے فلسطین کی زبانی جو حالات ان کے تمول اور تزک و احتشام کے بیان کئے ہیں وہ اب کہانیاں معلوم ہوتی ہیں۔ تمام قسم کے علوم وفن۔ خاصکر علم ہیئت نے اس زمانہ میں بہت ترقی کی اور قاہرہ اس علم میں بغداد سے کم درجہ پر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خلفائے مصر علم وفضل کی حمایت میں ایسے ہی سرگرم تھے جیسے کہ خلفائے بغداد و قرطبہ۔ مقطم کی چوٹی پر جہاں اب ایک قلعہ ہے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی رصدگاہ تھی اور ابن الہندسی کا نام (سنہ ۱۰۴۰ء) ابتک مہندسین عالم میں شمار کیا جاتا ہے۔ گبن کا بیان ہے کہ "فاطمیین کے شاہی کتب خانے میں ایک لاکھ نسخے ایسے تھے جو نہایت درجہ خوشخط لکھے ہوئے اور بہت خوبصورت جلد بندی کیے تھے۔ اور یہ کتابیں بلاحد و حصر تمام طالب علمان قاہرہ کو پڑھنے کے لئے دی جاتی تھیں۔

بنو فاطمہ کو جب زوال شروع ہوا تو جیسا کہ قاعدہ ہے تمام صوبہ جات خودمختار ہوگئے فلسطین پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا اور اس سلطنت کو جس نے تقریباً دوسو برس حکومت کی تھی کردوں کے ہاتھ سے جام مرگ پینا پڑا اور بعد ہ ایوبیوں کا خاندان جسکا بانی نورالدین ایوبی تھا حکمراں ہوا۔ اس میں نورالدین وصلاح الدین کیسے بادشاہ ہوئے مگر اخیر زمانہ میں مملوکوں کا جو قصر شاہی کے محافظ سپہ سالار بن بیٹھے تھے زور بڑھتا گیا اور بغداد

کے ترکی غلاموں کی طرح جنہوں نے خلفاے بنو عباس کو اخیر زمانہ میں صرف برائے نام رکھہ چھوڑا تھا۔ نور الدین و صلاح الدین کی اولاد پر بھی اونکے غلام حاوی ہو گئے اور رفتہ رفتہ خود مالک بن بیٹھے۔ مملوکوں کی حکومت دو سو ترسٹھہ ۲۶۳ سال تک قایم رہی ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم خان اول نے انہیں شکست دی اور مصر کو ترکی صوبہ بنا لیا۔ مگر اُن کا اثر اوس وقت تک بالکل زائل نہوا جب تک کہ محمد علی پاشا نے ان کے تمام خاندان کو قتل نہ کر ڈالا اور اپنے خاندان کی حکومت بحیثیت باجگذاران آل عثمان نہ قایم کی جسکا سلسلہ ابتک جاری ہے۔

افریقہ کے دوسرے حصص کی حکومت نویں صدی عیسوی تک نائبین خلفا کے ہاتھہ میں رہی۔ لیکن ہارون الرشید کے بعد سے اُنکے اقتدار میں ضعف پیدا ہونا شروع ہوا اور خلیفہ کی حکومت برائے نام رہگئی۔ اُس وقت سے اکثر خود مختار بادشاہ حکمرانی کرتے رہے جنکا پایۂ تخت قیروان تھا اور جن میں سب سے زیادہ معتم بالشان اغلبیوں کا خاندان گذرا ہے اس خاندان کے گیارہ حکمرانوں نے سنہ ء سے سنہ ۹۰۰ء تک حکومت کی۔ ان کی بربادی بربروں کے ہاتھہ سے ہوئی۔ جنہوں نے "ایک فاطمی شہزادہ کو جو بربر نسب سے تھا خلیفہ بنا کر ملک کو خلفاے مشرق کے قبضہ سے جن کی حکومت مدت سے محض برائے نام تھی بالکل علیحدہ کر لیا" تیرہویں صدی عیسوی تک یہ خلفاے بربر حکمراں رہے جس کے بعد شمالی افریقہ بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا۔

سلاطین غزنی و آل سلجوق

افریقہ سے اب ہم ایران کے مشرقی صوبجات کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ترکوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جنہوں نے ایشیا کو عیسائیوں کے قبضہ سے نکالنے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ سب سے پہلے ہم سلطنت غزنی کا کچھہ حال بیان کرتے ہیں جہاں ۹۹۰ءمیں سلطان الپتگین کے غلام کا بیٹا حکمراں تھا۔ سامانی بادشاہوں کے زوال کے بعد غزنویوں کو عروج ہوا اور سلطان کا لقب سب سے پہلے محمود غزنوی کیلیے تجویز کیا گیا ماوراء النہر سے لیکر اصفہان تک اور سواحل کاسپین سے دریاے اٹک تک وسیع تھا مگر وہ شے جسنے غزنویوں کو امین ملت بیضا و حامی تمدن عرب اور امیر المومنین کا خطاب بارگاہ خلافت سے دلوایا وہ ہندوستان کا جہاد تھا۔ اپنے باپ کے حملے کے بعد محمود نے ہندوستان پر بارہ حملے اور کئے اور سومناتھ

سے مشہور بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے غزنی لے گیا۔ اسکندر اعظم کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہندوستان کو غیر قوم کے آگے سر جھکانا پڑا۔ محمود کے زمانہ میں علاوہ لڑائی کے علمی ترقی بھی بہت کچھ ہوئی اور البیرونی جیسے عالم، فردوسی جیسے شاعر اور ابن سینا جیسے حکیم اسی زمانہ میں ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے زمانہ میں ترکمانوں کو جو بحیرہ کاسپین کے دونوں جانب گلہ بانی کرتے تھے بہت عروج دیا۔ یہ لوگ انتہا درجے کے جری اور ہٹ کے جینے والے تھے۔ محمود کے بیٹے مسعود کے زمانہ میں سلطنت غزنی سے بغاوت کر کے انہوں نے زندکان[1] کے میدان میں ۱۰۴۰ء میں اس سے بڑی سخت شکست دی اور اپنا بادشاہ الگ منتخب کیا۔ اس طرح ان خانہ بدوش گلہ بانوں کی سلطنت کی بنیاد پڑی جسے عام طور پر سلطنت آل سلجوق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلفائے بنو عباس بغداد میں برائے نام رہتے تھے اور طغرل بیگ سلجوقیوں کا پہلا بادشاہ کبھی بغداد میں خلیفہ کو دوسرے خود سر کی شورش سے بچاتا اور کبھی اسے ویران کر جاتا کہ خلافت پر حملہ کرنے کی نیت سے بغداد سے روانہ ہوتا اور کبھی گستاخیوں کی سزا دیتا ہے۔

طغرل کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان نیشاپور میں تخت نشین ہوا جب خلفائے اسلام کا زوال شروع ہوا تھا۔ صوبجات قسطنطنیہ کے عیسائی مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ تھے اور نسیفورس، زمسکیز اور باسل کی دست درازیوں نے ان کی حکومت کی حدود کو انطاکیہ اور شمالی آرمینیا تک پھیلا دیا تھا۔ باسل کی وفات کے پچیس برس بعد ۱۰۵۰ء میں ستھینس کی اس قوم نے جسے ترکمان کہتے تھے عیسائیوں کو خواب نوشین سے بیدار کیا اور ہلکی سواروں میں جو طارس سے آرض روم تک چھ سو میل پھیلے ہوئے تھے اور عیسائیوں میں ایک سخت مقابلہ ہوا۔ یہ لڑائی طغرل بیگ کے زمانے میں ہوئی تھی مگر رومیوں پر اس کا جیسا چاہیے کچھ اثر نہیں پڑا تھا۔ ۱۰۶۳ء میں جب الپ ارسلان تخت پر بیٹھا تو آرمن و گرجستان کے فتوحات کامل ہوئیں۔ سرحدی صوبجات کی اس فتح

---

[1] زندکان خراسان میں مرو سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا قصبہ تھا جو روئی کی پیداوار اور کپڑے کے کارخانوں کی وجہ سے مشرق میں بہت مشہور تھا۔

سے الپ ارسلان ہزبر اعظم کے نام سنے۔ رومینس دیوجانس شہنشاہ قسطنطنیہ کا قلب تھرا دیا
ترکوں نے رومیوں کا مقابلہ فریجیا میں کیا اور یہ محض دیوجانس کی بہادری اور قابلیت کا نتیجہ تھا
کہ گلہ بانوں کی اس گھار کو جنگی تلوار سے پناہ نہ تھی دریائے فرات کے اس جانب واپس
آنا پڑا۔ اس کامیابی سے دلیر ہو کر شہنشاہ روم نے آرمن کو سلجوقیوں کے پنجے سے
رہا کرنیکے لئے "ملس جرد"[1] کو گھیر لیا۔ اس وقت اسکی فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی جسمیں
زیادہ تر مقدونیہ۔ بلگیریا اور مالڈیویہ کے باشندے اور دوسرے یوروپین دوستوں کی
فوجیں تھیں اور فریجیا اور کیپے ڈوشیا سے برابر مدد کا سلسلہ جاری تھا۔ اس حملہ کی خبر سنکر
الپ ارسلان خود ہزار سوار لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا "وہ اسکی[2] تیزی اور ہوشیاری
نے۔ جو میدان جنگ میں اسنے ظاہر کی۔ یونانیوں کی تعداد کثیر کو گھبرا دیا اور جیسے ہی سیس
انکے افسر اعلیٰ کی شکست سے یہ ظاہر کر دیا کہ سلطان کسقدر زیادہ بہادر اور ساتھ ہی کتنا رحم
دل ہے" اب خود رومینس دیوجانس اور الپ ارسلان کا مقابلہ ہوا۔ المکین کہتا ہے کہ
عیسائیوں کی جماعت کی تعداد اس وقت تین لاکھ تھی۔ اگست ۱۰۷۱ء میں لڑائی شروع
ہوئی جسمیں رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور بے حساب عیسائی مارے گئے اور بقول
یوروپین مورخوں کے ایشیائی مقبوضات روم نے اس لڑائی کے بعد آل قسطنطین کو
خیرباد کہی۔ خود دیوجانس گرفتار ہو گیا اور فدیہ لے کر رہا کیا گیا۔ الپ ارسلان نے اس
مہم کے بعد فتح ترکستان کا ارادہ کیا مگر ابھی قلعہ برزم فتح کرنے نہ پایا تھا کہ ایک قیدی کے
کے ہاتھ سے درجہ شہادت کو پہونچا۔ اسکے بیٹے ملک شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے
باپ کی تمناؤں کو پورا کیا اور بخارا وخوارزم و سمرقند و کاشغر مسخر کر کے مملکت سلجوقیہ کو
چین کی حدود سے ملا دیا۔ اسوقت "سرحد[3] چین سے لیکر اسکی حکومت مغرب و جنوب
میں کوہ ہائے گرجستان۔ جوار قسطنطنیہ۔ ارض مقدس دارالسلام اور باغہائے عراق
عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ بجائے حرم سرائے ہا عیش و آرام کرنے کے گلہ بان بادشاہ صبح و

[1] ملس جرد" یا "ملزکرد" ارض روم اور روان کے درمیان ایک مضبوط قلعہ تھا ۱۲
[2] گبن کے تاریخ زوال سلطنت روما۔

جنگ دونوں زمانوں میں ہر وقت مستعد اور کچھ نہ کچھ کام کرتا رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ دورہ کرتا رہتا اور اپنی حکومت کے ہر صوبے میں یکے بعد دیگرے آتا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسنے اپنی وسیع ملک کا جو وسعت کے لحاظ سے خسروایران و خلفائے اسلام کے ممالک سے زیادہ وسیع تھا۔ بارہ مرتبہ دورہ کیا ہے"

ملک شاہ سلجوقی کا زمانہ بہت بڑی علمی ترقی کا زمانہ تھا۔ نظام الملک طوسی کے ایام وزارت میں وہ مشہور نصاب تعلیم تیار کیا گیا جو آجتک تمام ممالک اسلامی کی عربی مدارس میں برابر جاری ہے۔ ہر قسم کی علوم و فن کے ماہر۔ ادب کے استاد۔ شعر و شاعری میں دستگاہ کامل رکھنے والے اور عمر خیام جیسے حکیم سلطنت کی قدر دانی سے پرورش پاتے تھے۔ سب سے مشہور کام اس زمانہ میں اصلاح جنتری کا ہوا ہے۔ سنہ جلالی قائم کیا گیا اور تمام پرانی اور آیندہ غلطیوں کی درستی کرکے ایک ایسی جنتری تیار کی گئی جو تقویم جولیس سے بہتر اور تقویم گرگیوری کے قریب تر تھی۔ تیس برس آل سلجوق کی وزارت کرکے ترانوے برس کی عمر میں نظام الملک صباحیوں میں سے ایک ظالم کی تلوار کا شکار ہوا۔ ملک شاہ بھی اسکے بعد بہت کم زندہ رہا اور ۱۰۹۲ء میں ایک بہت وسیع سلطنت چھوڑکر عالم جاودانی کو سدھارا اسکے انتقال کے وقت۔ ایرانی۔ کرمانی۔ شامی اور رومی چار حصوں میں سلطنت منقسم تھی مگر بزرگ خاندان و قوم ہونے کی وجہ سے سلطان نیشاپور کے سامنے تمام خاندان والوں کی گردنیں فرو ہوتی تھیں اور تخشتائے کرمان و حلب کے مالک اور شام و میسوپوٹیمیا کے اتابک ملک شاہ کے جھنڈے تلے اپنے علم نصب کرتے تھے۔ مگر اسکے انتقال کے بعد یہ اتحاد باقی نہ رہا۔ برکیارخ۔ محمد و سنجر تینوں بھائی یکے بعد دیگرے اپنے باپ کے تخت و تاج کے مالک ہوئے۔ سنجر ان سب میں زیادہ اولوالعزم و ذی شوکت سلطان گذرا ہے۔ عراق میں اسنے محمود پسر محمد کو بادشاہ بناکر ہمدان اسکا پایۂ تخت قرار دیا۔ اسکے زمانے نے کسی قدر اپنے باپ (یعنی ملک شاہ) کے زمانے کی یاد تازہ کردی ملک میں اس ہر اعظم کی وفات سے جتنی پیچیدگیاں پڑگئی تھیں سب رفع کیں اور سلجوقی سلطنت کے مختلف حصوں کو تابع کرکے مرکز نیشاپور کا باجگزار بنایا۔ غزنوی خاندان کا خاتمہ کیا اور

بہرام شاہ کو تخت نشین کر کے غزنی میں محمود کے جانشینوں کے عوض اپنے نام پر خطبہ پڑھوایا اور خوارزم و ترکستان کو محمد بن انشتگین سے لیا مگر اس سب وجاہ و جلال کے بعد اس کا ستارہ اقبال حضیض میں آیا اور سمرقند میں ترکمانی خاندان قراختی کے ہاتھوں ۱۱۴۱ء میں شکست فاش کھا کر قید ہو گیا۔ دو سال کے بعد اس قید سے رہائی ہوئی مگر اب اس اولوالعزم سلجوقی سلطان کی عمر نے وفا نہ کی۔ اُس کی وفات کے بعد اس کے سلطنت خاندان قراختی اور بعدہٗ شاہ خوارزم کے قبضہ میں آئی اور صوبجات کرمان پر غزنی کے بادشاہ ملک دینار نے ۱۱۸۵ء میں قبضہ کیا۔ سلجوقیوں کے زوال کے ساتھ نور الدین اور زنگی کی حکومت میں ترقی ہوئی مگر باوجود اسکے ۱۳۱۵ء تک سلجوقیوں کے ٹمٹاتی ہوئی مشعل جلتی رہی اور فرامرز کے برائے نام تخت نشینی کے بعد اس خاندان کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ سلجوقیوں کی سلطنت دو ترکمانی خاندان آق کویون لو (سفید بھیڑ) اور قرا کویون لو (سیاہ بھیڑ) میں تقسیم ہو گئی۔ اوزون حسین آق کویون لو کا بڑا بادشاہ گذرا ہے اور جہاں شاہ قرا کویون لو کا۔ اول الذکر کا دار السلطنت "دیار بکر" میں تھا اور آخر الذکر کا "وان" میں۔

اوزون حسین نے ترابیزند کے عیسائی بادشاہ کو شکست دیکر اسکی لڑکی ڈیسپینا سے شادی کی۔ اس نہایت ہوشیار، جوانمرد و عقلمند بادشاہ نے ۱۴۷۸ء میں گیارہ برس حکومت کر کے ستر برس کی عمر میں انتقال کیا اور عرصہ سے سلطنت ترکمانوں سے منتقل ہو کر مغلوں کے ہاتھ میں آیا مگر اُن کی یادگار میں سلطنت عثمانیہ جسکی بنا انہوں نے ڈالی تھی آجتک قسطنطنیہ پر حکمران ہے۔

سنجر کے زمانہ میں سلطنت سلجوقی کے روم کے حصہ پر سلطان سلیمان غازی حکمران تھا جس نے عیسائیوں کی ضعیف حالت سے نفع اُٹھا کر اپنے انتخاب سے نسی فورس بوطونیاطیس کو تخت قسطنطنیہ پر بٹھایا اور شہر نیسی کو اپنا دار السلطنت بنا کر قسطنطنیہ سے سو میل کے فاصلہ پر ڈیرے ڈالے۔ مگر آل سلجوق کے زوال میں اس سلطنت کا بھی زوال لگا ہوا تھا۔ بیت المقدس جسے ملک شاہ نے فتح کیا تھا اور اب آل سلیمان کے قبضہ میں تھا انکی [illegible] ہیوں کی بد [illegible] بنو فاطمہ کے قبضہ میں آیا اور پھر اُن مذہبی

خونخوار لڑائیوں کی ابتدا ہوئی جنہیں جنگہاے صلیب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

جنگہاے صلیب ابتدائی ۱۰۹۵ء میں ایک راہب پیٹر نام۔ فرانس کے صوبہ پکارڈی کا رہنے والا زیارت بیت المقدس کو گیا۔ وہاں اسکے ساتھ کچھ بدسلوکیاں کی گئیں اسقف ارض مقدس سے اپنا دکھڑا روتے وقت اوس نے پوچھا کہ ان ملعون مسلمانوں کے ہاتھ سے کیا ہم اپنی زیارت گاہ کو نہیں حاصل کر سکتے۔ اسقف نے قسطنطین کے جانشینوں کی کمزوریاں بیان کیں۔ انکے عیوب اور بدمعاشیوں کا ذکر کیا اور کہا کہ ایسے بادشاہوں سے کیا مدد کی توقع ہو سکتی ہے۔ یہ سنکر راہب کہنے لگا "میں یورپ کی فوجی اقوام کو تمہارے مدد کے لئے اُبھارونگا" اور درحقیقت اُسنے آواز دی اور یورپ نے لبیک کہا۔ پوپ سے اجازت طلب کرکے اوسنے گاؤں گاؤں قریہ قریہ رونا گانا شروع کیا حتی کہ الپس کے ہردو جانب سے پچاس ہزار کیتھولک پیٹر کے جھنڈے تلے جمع ہوگئی۔ "دو فلسطین[5] پر فوج کشی کے خیال نے دلوں میں بے انتہا جوش پیدا کر دیا تھا علاوہ جنت ملنے کے ہر شخص کو اسمیں ایک ذریعہ حصول مال کا بھی نظر آتا تھا" ہر شخص کیا مرد کیا عورت۔ کیا سردار کیا غلام سب چلنے پر تیار ہوگئے اور تیرہ لاکھ آدمی ایک گہار فلسطین کی جانب روانہ ہوئی۔ یہ پہلی جنگ صلیبی تھی جسکا سردار خود پیٹر تھا۔ لوٹتے مارتے کھاتے پیتے یہ لوگ بڑھے اور نہایت مبتذل حالت میں قسطنطنیہ پہونچے۔ یہاں اس لشکر صلیب نے لوٹنا مارنا۔ قتل عام کرنا اور طرح طرح کے مظالم کرنا شروع کئے اور شہنشاہ نے اسی میں مصلحت دیکھی کہ جیسے بنے "ان[6] مقدس ڈاکوں" کو عبور دریاے شور کرا دینا چاہئے۔ اس جماعت میں سے تقریبًا دس لاکھ ایشیاے کوچک تک پہونچے۔ یہاں انہوں نے کل باشندوں کے ساتھ عیسائی ہوں یا مسلمان ایسے وحشیانہ افعال کرنے شروع کئے کہ جانوروں میں انکی مثال ملنا محال ہے۔ سلطان سلیمان نے انہیں میدان نیسی تک اتر آنے دیا اور پھر تیروں سے چھید چھید کر ان کی ہڈیوں کا ایک عظیم الشان ہرم بنایا۔ مگر اس فوج کے پیچھے پیچھے ایک دوسری فوج تھی جو زیادہ باقاعدہ

---

[5] موسیو لی بان [6] از گبن۔

تھی ۔ اسکی تعداد سات لاکھ تھی اور گاڈفری دی بویان اسکا افسر تھا ۔ ترکوں کی حالت بہت ضعیف ہوگئی تھی ۔ سلطان سلیمان کا سایہ اٹھ چکا تھا ینیسی میں ان صلیبیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو شکست نصیب ہوئی اور عیسائیوں نے تمام مقتول و مجروح و مقید مسلمانوں کے سر کاٹ کر شہر میں پھنکوا دئے ۔ یہاں سے اب شام کی طرف یہ مقدس گروہ لوٹتا مارتا روانہ ہوا ۔ پیٹر لشکر سے بھاگ گیا تھا مگر ٹانکریڈ نے پکڑوا کر خوب پٹوایا ۔ صلیبیوں کی تعداد کو قحط و وبا اور نیز ایسے مقدس گروہ کے مردم خواری نے کم کرنا شروع کیا اور جس وقت نصرانی بیت المقدس کے سامنے پہونچے ۔ اوسوقت اُن کی تعداد صرف بیس ہزار رہ گئی تھی بیت المقدس اس وقت بنو فاطمہ کے قبضہ میں تھا جس کے خلفا صرف برائے نام مصر میں حکمرانی کرتے تھے ۔ ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو شہر پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا ۔ اور مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا ۔ ریمانڈ واژنی ای کا متیس لکھتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی قدیم ہیکل میں اسقدر خون بہا تھا کہ اوسمیں لاشیں صحن میں تیرتی پھرتی تھیں ۔ کسی کا ہاتھ کسی کا پیر ۔ کسی کا دھڑ سب بے جوڑ اس طرح ایکدوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انہیں پہچاننا بہت مشکل تھا ۔ وہ سپاہی جنھوں نے یہ قتل عام کیا تھا بمشکل خون کی بو اور بھاپ کی برداشت کر سکتے تھے قتل عام کا یہ بازار آٹھ روز تک گرم رہا اور عورتیں بچے ۔ بڈھے ۔ یہودی ہوں یا مسلمان سب مارے گئے ۔ گاڈفرائے بیت المقدس کا بادشاہ بنایا گیا اور عیسائیوں کی یہ حکومت ۱۱۸۷ء تک رہی جبکہ سلطان صلاح الدین ایوبی مصر و عرب کے بادشاہ نے گای لوسی نان بیت المقدس کے ضعیف بادشاہ کو قید کر کے شہر پر قبضہ کیا اور ارض مقدس کو ظالم و وحشی عیسائیوں سے پاک کیا ۔ اسطرح دوسری صلیبی لڑائی کا بھی خاتمہ ہوا ۔ جسمیں لوئی ہفتم بادشاہ فرانس اور کانراڈ سوم بادشاہ جرمنی جیسے جلیل القدر فرمانروا دو لاکھ فوج کے ساتھ صلیبیوں کی مدد کرنے آئے تھے ۔ یہ تیسری صلیبی لڑائی ۱۱۸۹ء میں شروع ہوئی جسمیں یورپ کے تین بادشاہ ۔ یعنی فرانس کا فلپ آگسٹس انگلستان کا شیردل رچرڈ اور جرمنی کا فرڈرک باربروسا اپنی اپنے لشکر لئے بیت المقدس فتح کرنے آئے تھے ۔ صلیبی اس مرتبہ بحر اعظم و بحر میڈیٹرنین پار کر کے آئے او

ان کے پیچھے پیچھے فرانس، نارمنڈی وجزائر مغرب کے زائرین کی ایک بڑی جماعت تھی جو اس مقدس لڑائی میں شریک ہونے آ رہے تھے۔ مگر باربروسا کو ایشیائے کوچک ہی میں موت کے فرشتے نے آ دبوچا اور صرف فلپ آگسٹس اور رچرڈ شیر دل باقی رہ گئے۔
محاصروں اور لڑائیوں نے اس قدر طول کھینچا اور عیسائی اس قدر پریشان ہوئے کہ فتح عکہ کے بعد ہی فرانس کا بادشاہ اکتا کر مصر سے جہاز پر سوار ہو گیا اور اپنے ایک افسر کو قائم مقام چھوڑ گیا۔ قیصریہ۔ یافا۔ اور عسقلان کو فتح کرتے ہوئے عیسائی بیت المقدس سے ایک منزل کے فاصلہ پر جمع ہوئے۔ مگر باوجود ہزار در ہزار کوشش کے شہر فتح نہ ہو سکا اور صلاح الدین کے مقابلے سے عاجز آ کر تھوڑے ہی عرصہ بعد رچرڈ کو بلا زیارت کے فلسطین سے مایوس کر واپس جانا پڑا۔

چوتھی جنگ ۱۲۰۲ء میں شروع ہوئی جو پوپ انوسنٹ سوم کے مساعی کا نتیجہ تھی۔ بد والئ فلانڈرس کا کاونٹ اس مرتبہ صلیبیوں کا سردار تھا۔ یہ لوگ سمندر کے راستے پہلے قسطنطنیہ پہونچے۔ یہاں پہونچ کر انہیں یہ خیال گذرا کہ ارض مقدس ابھی دور ہے اور اتنی لڑائیوں کے بعد اب نہ جانے کیا دھرا ہو گا۔ کسی مقام کو جہاں دولت ابلی پڑتی ہے لوٹنا چاہیے۔ غرضکہ قسطنطنیہ میں جی بھر کے لوٹ مار کر کے مقدس گروہ فلسطین کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں وہی قسمت اخواہی ان کی منتظر تھی جو اس سے پہلے دوسری اور تیسری صلیبی لڑائیوں میں عیسائیوں کو نصیب ہوئی تھی۔ پانچویں لڑائی بھی اسی نوجوان پوپ انوسنٹ سوم کے اغوا سے ہوئی اور دو لاکھ مسیحی مجاہد دریائے نیل کے مشرقی کنارہ پر لنگر انداز ہوئے۔ انہیں فلسطین کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی اور یہیں برباد و تباہ ہو گئے۔ چھٹی لڑائی اس طرح ہوئی کہ ایک چھوٹی سی جماعت فریڈرک دوم کی ماتحتی میں بلا مزاحمت قرار و معاہدہ کے موافق بیت المقدس کی زیارت کر کے واپس آ گئے اور دونوں جانب سے کسی نے بھی ہتھیار اٹھانے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ساتویں اور آٹھویں جنگ سینٹ لوئی کے اغوا سے ہوئی۔ اول الذکر ۱۲۴۸ء میں ہوئی جس میں پچاس ہزار مجاہدین کے ساتھ بجائے بیت المقدس کے دمیاط پر قبضہ کیا گیا اور قاہرہ کے

فوج سے شکست کھا کر لوئی کو گرفتار ہونا پڑا۔ آخر الذکر لڑائی کے لئے ۴ جولائی ۱۲۷۰ء کو لوئی
جو فدیہ دیکر رہا ہوا تھا تیس ہزار پیدل اور چھ ہزار سوار لے کر اپنے وطن سے روانہ ہوا۔ ایکی
مرتبہ اسنے طونس کا رخ کیا جہاں کا رخ کیا جہاں وبائے طاعون کی نذر ہوا۔ یہ اخیر صلیبی جنگ
تھی جسکے بعد بار بار پوپ نے عیسائیوں کے مذہبی جوش کو ابھارنا چاہا مگر اثر پذیر نہ ہوا اور ہمیشہ
کے لئے مذہبی لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا۔

بیاض مولوی سید اکبر حسن صاحب ملونی

طاہر غنی

زناز و عشوه در گردش نباشد شمع جادوش　　که با رست میگرداند از پهلو به پهلو پیش

حضرت میرزا مظہر جانجاناںؒ

نه از وحشت چو مجنوں نی ز غم چوں کوہکن مردم　　کشیدی تیغ و چیزے زیر لب گفتی و من مردم

حکیم محمد ایوب صابر موہانی

کیا جانو قدر دل کی کبھی دل لیا بھی ہے　　دل لینے کا سلیقہ بھی ہے حوصلہ بھی ہے
ہوجائے امتحان لب معجز نما کا آج　　بالیں پہ میرے آپ بھی ہیں اور قضا بھی ہے

لا اعلم

چو شعلہ گرم در آمد چو گل بتاب نشست　　چراغ بادہ بیار ید کافتاب نشست

لا ادری

سے تیغے کشیدہ بر سرم آں سیمبر رسید　　گفتم کہ کیست گفت کہ عمرت بسر رسید

ہمایوں

روز وصل است بیک عشوہ بکش زار مرا　　بہ شب ہجر مکن باز گرفتار مرا

راے سرپ سکھ دیوانہ

خانہ ام گشت ز دیوانہ خراب　　کرد دیوانہ ام ایں خانہ خراب

بلجیم کے دلفریب نظارے

(۷)

"میدان واٹرلو"

برسلس میں یہ میرا چوتھا دن تھا۔ اتفاق سے بہت دیر کرکے اُٹھا۔ باہر آیا تو خوب دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ دس بج گئے ہیں اور طامس کُک کی پارٹی جس کے ساتھ میرا جانے کا ارادہ تھا روانہ ہوچکی ہوگی۔ واٹرلو کی سیر کے لئے اس سے بہتر کوئی عمدہ تدبیر نہیں ہوسکتی کہ کُک کی پارٹی کے ساتھ سفر کرے تاکہ میدان جنگ کے علاوہ نواح برسلس بھی دیکھنے میں آئے۔ مگر میں اس دن اتفاق سے یہ قصد پورا نہ کرسکا اسٹیشن "میدی" سے ریل پر سوار ہوا اور نصف گھنٹے کے عرصہ میں "براں دلوڈ" کے اسٹیشن پر پہونچ گیا۔ یہاں حسن اتفاق سے میرے ساتھ چند انگریز مسافر بھی تھے جنمیں اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کے باشندے زیادہ تھے۔ خلاف عادت تھوڑے ہی عرصہ میں ان لوگوں نے خوب گھل مل کر باتیں شروع کردیں اور ہم سب واقعی بہت ہی اشتیاق کے ساتھ اُس مقام عظیم کی سیر کے لئے اُترے جسنے دنیا کی تاریخ کا ایک پورا ورق اُلٹ دیا تھا۔

مقام مقصود پر پہونچنے سے پہلے ہی مشہور و معروف میدان جنگ دور سے نظر آنے لگا اور اسکی متعدد یادگاریں ادہر اودہر منتشر نظر پڑیں۔ اسٹیشن سے باہر نکلے تو چار پانچ شکستہ حال خچر اور گھوڑوں کی گاڑیاں نظر آئیں ہر گاڑی پر ایک ایک گائیڈ بھی تھا جنھوں نے ہمیں اپنی طرف بلانا شروع کیا۔ غرضکہ ایک خاص گاڑی پر جو سب سے اچھی معلوم ہوتی تھی ہم لوگ بیٹھے۔ اسپر جو گائیڈ تھا ایک عجیب مسخرا آدمی تھا۔ اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں ضرورت سے زیادہ باتیں بنانا چاہتا تھا۔ ہمارا راستہ ایسی سڑک پر سے ہوکر تھا جیسی اکثر ہندوستان کے چھوٹے قصبوں میں نظر آتی ہیں۔ یہ سڑک جنگ واٹرلو کے مناظر

میں حصہ لینے کی وجہ سے بہت مشہور ہوگئی ہے۔ راستے میں اس کثرت سے چھوٹے چھوٹے لڑکے اور لڑکیوں نے ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگنا شروع کیا اور ہماری گاڑی کا ایسا پیچھا کیا کہ جان چھڑانا مشکل ہوگیا۔ مگر گائیڈ کی سخت تاکید تھی کہ ان کو ایک حبہ بھی نہ دیا جائے۔ اور اگر دیا جائیگا تو شیطان کی طرح چمٹ پڑ جائیں گے۔ اسلئے ہم بیٹھے ہوئے تماشا دیکھتے رہے۔

شیطان کی اس جماعت میں سے کوئی تو سر نیچے ٹانگیں اوپر کرکے قلابازیاں کھاتا اور کوئی اسطرح منہ بناتا کہ گویا ہمارا منہ چڑا رہا ہے اور گاڑی کا کونا پکڑے ہوئے دور تک دوڑتا آتا۔ غرضکہ ان لونڈوں نے ہمارا ایسا ناک میں دم کیا کہ آفت میں جان آگئی اور اللہ اللہ کرکے کوئی پندرہ منٹ میں منزل مقصود تک پہنچے۔ یہاں ایک چھوٹا سا مکان تھا جسے ہوٹل کے نام سے تعبیر کرتے شرم آتی تھی مگر سامنے تختی پر "ہوٹل دی گرانڈ" لکھا ہوا تھا۔ اسکے علاوہ اور بھی اسی قماش کے بہت سے ہوٹل تھے مگر اسکے ساتھ ایک لالچ دیا گیا۔ وہ یہ کہ ایک عجائب خانہ جو اس ہوٹل سے متعلق ہے یہاں ٹھیرنے والوں کے لئے مفت ہے اور بلا فیس دیکھا جا سکتا ہے۔ میں سمجھا کہ شاید کوئی عمدہ میوزیم ہوگا۔ اسلئے زیادہ خرچ کے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا اور جب دیکھا کہ اس میوزیم میں ٹوٹے ہوئے بہت سے تپھر اور تلواروں کے پرانے ٹکڑے ایک الماری میں رکھے ہیں اور اس عجائب خانہ کی کل کائنات اسیقدر ہے تو نہایت نفرت ہوئی۔

یہاں سے ہم لوگ ایک دوسری گاڑی پر سوار ہوکر روانہ ہوئے۔ ہمیں اس طرح اب دوسرے گائیڈ سے سابقہ پڑا۔ یہ ایک پینتیس سالہ عورت تھی جسنے نہ معلوم کیوں یہ پیشہ اختیار کیا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ کوئی بہت بڑی فاضل عورت ہوگی جسکو اس مقام کے تاریخی حالات سے پوری پوری واقفیت ہوگی مگر گاڑی جب چلی اور ان لیڈی صاحبہ کی گلفشانیاں سننے میں آئیں تو معلوم ہوا کہ "واٹرلو" میں یہ بھی ایک عجیب ستے ہیں۔

ملہ ہم ہندوستان کے اور خصوصاً حیدرآباد دکن کے فقیروں سے پناہ مانگتے تھے مگر یورپ کے ان بھک منگوں نے سب کو مات کر دیا ہے۔

سب ملاکر ہم آٹھ دس آدمی اس گاڑی پر لدے ہوئے تھے۔ اولاً عورت نے ہم سب کو اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں تمسخرانہ پیار کی ناموں سے پکارنا شروع کیا۔ مثلاً ایک اسکاٹ لینڈ کے جنٹلمین کو ڈیری اسکاچی ڈوکی

یعنی اسکاٹلینڈ کی پیاری بطخ کا لقب ملا۔ اور اسی طرح سب حضرات کی باری باری بھی نوبت آئی۔ یہ عورت ہر ایک سے ہنسی مذاق کرتی جاتی اور عاشقانہ گیت گاتی جاتی تھی۔ جس جگہ گاڑی ٹھیرتی تھی یہ اپنے حواریوں کو "کم الانگ" کہکر چاروں طرف سے جمع کرتی اور اس جگہہ کے حالات سناتی تھی جو بالکل طوطے کی طرح نوک زبان معلوم ہوتے تھے اور اکثر بے تکے اور غلط سلط ہوتے تھے۔ "ہیوگوموں" کے مشہور قلعہ کو میں نے اسی طرح دیکھا۔ وہاں یہ تماشا ہوا کہ ایک باغ تھا جسمیں سیب کے درخت بہت تھے اور بکثرت سیب زمین پر پڑے تھے۔ انکو اٹھا اٹھا کر ہماری میزبان گائیڈ صاحبہ نے سب کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے واٹرلو وغیرہ سب بھول کر ہماری پارٹی اس لذیذ میوے کے چکھنے میں مشغول ہوگئی۔ اتنے میں ایک جھونپڑے سے ایک بڑھیا لکڑی سنبھالتی نکلی اور اپنی زبان میں ایسی کھری کھری صلواتیں ہم سبکو سنانی شروع کیں کہ عیاذاً باللہ۔ خصوصاً اس عورت پر تو ایسی بگڑی کہ میں تو سمجھا سب کی خبر لے ڈالے گی۔ ہم لوگوں نے کچھ پیسے دے دلا کر اسے کسی نہ کسی طرح خاموش کیا اور چپ چاپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ ہوٹل واپس جاکر میں نے کچھ کھانا کھایا اور سہ پہر کے وقت ایک دوسرے عمدہ گائیڈ کو ساتھ لے کر از سر نو تمام مقامات کو دیکھا اور وہاں کی دلچسپ تاریخی واقعات کو سنا جو واقعی سراسر دلچسپی سے بھرے تھے۔

اس موقعہ پر جنگ واٹرلو کے تمام تاریخی واقعات لکھنا اور پھر جو مختلف ممالک کے مورخین کے اختلافات ہیں انپر بحث کرنا ایک طول عمل ہے اسلئے صرف مختصر طور سے اس مشہور لڑائی کا تھوڑا سا ذکر کرکے اسی کے ضمن میں ان مقامات کا حال بیان کرونگا جن کے نشانات باقی رہگئے ہیں۔

جنگ واٹرلو دنیا کی بہت بڑی لڑائیوں میں شمار کیجاتی ہے۔ گذشتہ جنگ روس و

جاپان میں جسقدر آدمی جمع تھے اور جس قدر قتل وخون ہوا تھا اس لحاظ سے شاید واٹرلو اسکا مقابلہ نہ کرسکے تاہم باعتبار ایک ایسی جنگ عظیم ہونے کے جنے دنیا کی پالیٹکس میں ایک انقلاب پیدا کردیا یہ اسکے مساوی بلکہ اس سے اہم تر تصور کیجاتی ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس جنگ نے یورپ کا نقشہ بدل دیا۔ اور فرانس کی حکومت کا جھنڈا یورپ پر نصب ہوتے ہوتے رہگیا۔ شاید واٹرلو کا مقابلہ بہت کم جنگیں کرسکتی ہیں۔ اسکا شمار اسی زمرہ کی لڑائیوں میں ہے جنمیں سے ایک آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانان اندلس اور چارلس مارٹل کے مقابلہ میں ہوئی تھی اور مسلمانوں کی شکست نے یورپ کو انکے قبضہ میں جانے سے بچالیا تھا۔ مسلمانوں نے اسی طرح کی کوشش شرقی جانب بھی کی تھی اور جب سولھویں صدی عیسوی میں سلیمان عالیشان کی فوجوں کو دیوانا سے واپس ہونا پڑا تو یورپ گویا دوسری مرتبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آتا آتا رہگیا تھا۔ اور اگر بقول مسٹر ڈبلیو ایس بلنٹ نپولین مسلمان تصور کیا جائے تو گویا واٹرلو میں تیسرا موقعہ تھا۔ جو ایک مسلمان بادشاہ یورپ پر قبضہ کرتے کرتے رہگیا۔ اس لڑائی نے نپولین اعظم کی طاقت توڑدی۔ اُسکی تمناؤں کا خون کردیا اور اسکا ستارہ اقبال ہمیشہ کے لیئے غروب ہوگیا۔ اس لڑائی کے نتیجے پر تمام دنیاے یورپ نے بڑی خوشیاں منائیں مگر ساتھ ہی نپولین کی بدنصیبی کا ایک ایسا غمناک ترانہ تمام عالم میں گونج اُٹھا کہ اس کے اثر سے اب بھی جو شخص اس مشہور واقعہ کے سین دیکھتا ہے کبھی ہمدردی کی ایک آہ بھرے بغیر رہ نہیں سکتا۔ آج کے دن انگلستان کا شیر ایک اونچی منار پر کھڑا ہوا سیدھا اٹھائے واٹرلو کی طرف گویا اپنی مہیب آواز میں ڈکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ جس شخص کے نام سے ایک زمانہ میں دنیا کانپتی تھی اُسکا میں نے یوں خاتمہ کیا۔ اُسکو میرے مضبوط پنجوں نے یوں دبوچ کر فنا کرڈالا" یہ شیر واقعی ایک بڑا عبرتناک منظر پیش کرتا ہے اور زبان حال سے واٹرلو کی کل کہانی بیان کرتا ہے۔ وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر۔ یہ شیر میلوں دور سے میدان جنگ میں دکھائی دیتا ہے اور اپنی اونچائی

کی وجہ سے اس میدان میں ایک نہایت مہتم بالشان منظر پیش کرتا ہے۔ یہ ایک اونچے تودۂ زمین پر جو دو سو فیٹ اہرام کی شکل میں بلند ہے واقع ہے۔ یہ بالکل آہنی ہے اور ان توپوں سے ڈھالا گیا ہے جو فرانسیسیوں سے اس لڑائی میں چھینی گئی تھیں اور اس مقام پر استادہ ہے جہاں شاہزادہ اورنج لڑائی میں زخمی ہوا تھا۔

رومانی"

مکتوبات قدر بلگرامی

عرصے سے میرا خیال تھا کہ اُردوے معلّیٰ کے سلسلۂ تذکرہ شعرا میں حضرت قدر بلگرامی کا مفصل تذکرہ طبع کرا دوں مگر اپنے اس ارادے میں بوجہ عدیم الفرصتی ناکامیاب رہا۔ بہت خوشی کی بات ہے کہ انہیں کے ایک شاگرد کے شاگرد نے اس خدمت کو انجام دیا۔ وہ مکاتیب جو مختلف اوقات میں آپ نے اپنے اعزہ کو لکھے تھے اُن کا ایک مختصر سا مجموعہ معہذا مرسل ہے۔ مگر وہ خطوط جو وقتاً فوقتاً حضرت قدر نے اپنے احباب کو بھیجے تھے افسوس کہ باوجود تلاش مجھے بہم نہ پہونچ سکے۔ جن اصحاب کے پاس وہ خطوط ہوں امید کہ اُردوے معلّیٰ کے اس سلسلہ میں طبع کرا کر حضرت قدر کی انشا پردازی کے نمونے میں اضافہ فرمائیں گے۔

ملی

مولوی سید احمد صاحب زید کے نام

(۱)

برخوردار راست کردار سید احمد زید زید قدرہ۔ دعاؤں کے بعد یہ فقرے پڑھو فی الحقیقت بچوں کی بات گدھوں کی لات بیدل شعرا شوری یا بیں سے نکلی۔ محمد صدیق نکہت سے تم سے یہ کہا کہ میر اپنی سرکار میں نظم الا کلان کا تذکرہ کر چکا ہوں اگر اب کتاب نہ آئی تو مجھے خفت ہوگی۔ اس پر میں نے میر علی حسن صاحب کو خط لکھا انھوں نے کچھ جواب نہ دیا تمہارے نام نامہ بھیجا تم ہی تو اُسی کانِ نمک میں رہتے ہو تم نے بھی منہ مُوڑ کا اس لیا۔ پھر منشی محمد صدیق

صاحب کو اشتعال کی وی وہ پہلے اونگھ گئے پھر چونک پڑے مگر بوقت چونکنے میں نے مجبور ہو کر کل بروز شنبہ وقت نواخت دہ ساعت انگریزی تاریخ ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۹۴ کتاب مذکور پارسل کر کے حیدرآباد کو تمہارے نام جھونک دی۔ آج بارہ بجے دن کے بعد محمد صدیق کا خط لکھا سل منظ محررہ شب یازدہم ذی الحجہ یوم دوشنبہ محکوہ ۱۰ ذی الحجہ کو پہنچا ذرا اُن کی تحریر پڑھو حرف بحرف یہاں نقل کرتا ہوں۔ کتاب نظم الارکان میں نے حسب گفتہ سید احمد صاحب منگوائی تھی اس وقت جو سید ابن علی صاحب و سید علی حسن صاحب سے گفتگو آئی تو ان دونوں صاحبوں کی رائے یہ ہوئی کہ اگر کتاب بزبان اُردو ہے تو ہرگز نہ منگوانا چاہیئے یہاں اُردو کی قدر بالکل نہیں ہے۔ لہذا اب نظم الارکان کو کہ بزبان اُردو ہے ہرگز ہرگز نہ روانہ فرمایئے گا۔ عزیز من تم نے کیا وہ کتاب نہیں دیکھی تھی تم تو بچشم خود وہی گلستاں کی تقطیع ہردوئی اور لکھنؤ میں دیکھ گئے تھے کہ بزبان اُردو ہے پھر یہ گرما گرمی کس بات کی تھی۔ خیر اب تو وہ کتاب تیر از کماں رفتہ ہو چکی چار پانچ روز میں تمکو پہنچ جاوے گی جب پہونچے اور تم پر گراں ہی ہو تو اتنا کرو کہ نواب نظام یار جنگ بہادر کو اُن کی مدح تمام سنا دو جو کہ بعد خطبہ کتاب مذکور میں مندرج ہے بعدہ اگر وہ بھی مثل سید ابن علی و سید علی حسن صاحب کے کوئی عذر لنگ کریں تو فوراً پلندہ میں رکھکر بدیں نشان بمحصول بیرنگ واپس کر دو کہ پارسل ہذا بشہر لکھنؤ محلہ امین آباد بازار جھاؤلال قریب ڈاک خانہ گاڑی متصل مکان منشی ظہیر الدین متوفی نزد غلام حسنین قدر مدرس فارسی کیننگ کالج برسد۔

اساتذہ لکھنؤ کی رائے یہی ہے کہ وہ اُردو ہی کی زبان میں رہے تاکہ فرق کلام سعدی و عبارت قدر بخوبی ثابت ہو جاوے۔ لہذا میں ابن علی و سید علی حسن کی رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا اگرچہ ایک ہفتہ میں اوسکی فارسی ہو سکتی ہے لیکن مصنفین کے سامنے ناواقفان فن کی رایوں کا کیا اعتبار تم میری اُردو غزلیں ناحق مانگتے ہو جہاں قدر دانی بلکہ تحسین زبانی کی بھی امید نہو وہاں کلام بھیجنا اور نہ بھیجنا برابر۔ افسوس ہے کہ میری غزل بقافیہ آستین و آفرین وہاں کس نے پہونچائی جو وہاں کے

مشاعرے میں اوسکی مٹی خراب ہوئی۔ شاید حماقت میری ہی تھی کہ میں نے سید ابن علی صاحب کو سخن شناس سمجھکر بلگرام سے یہ غزل بھیجی تھی ان مرد بزرگ نے خوب سخن شناسی کی اگر کہیں پڑھتے تو دیتے شعر پرست انہیں عالم بالا معلوم شد میں جب کوئی غزل شستہ یا پہاڑی زبان میں کہونگا تو خدانخواستہ وہاں پڑھنے کے واسطے تم کو بھیجدونگا۔ دیکھو آج تک میں نے اپنی کوئی غزل وہاں تمکو نہ بھیجی اوسکی یہی وجہ تھی اب تم سے یہ التجا ہے کہ اگر ننگ و عار نہ سمجھو تو اس خط کا جواب معہ احوال کے بہت جلد ترمجھکو پہونچاؤ۔ الدعا بس باقی ہوس۔

غلام حسنین قدر۔ ۱۰ ذی الحجہ روز یکشنبہ

مولوی سید احمد صاحب زید کے نام

رباعی لکاتبہ

آئی ہے بلائے ناگہانی ہم پر   انا للہ بن گئی ہے دم پر
جو مرگ پدر میں قدر ہم پر گذری   ہرگز وہ مصیبت نہ پڑے آدم پر

ایضاً

سینے میں یہ غم نہیں تو سینا بیکار   مینا میں یہ مے نہیں تو مینا بیکار
بالفرض اگر عمر مسیحا مل جائے   واللہ کہ بے پدر ہے جینا بیکار

ایضاً

حضرت کا رفیق زود سیری میں تھا   بازو سے قوی دستگیری میں تھا
یہ دور عدم کی راہ اور آپ ضعیف   مجھکو نہ لیا عصائے پیری میں تھا

ایضاً

برداشت جفائے غیر ہوا تجھ سے   ظالم تجھکا میرا مولا تجھ سے
یوں میرے پدر ہو بغم سجدہ   امید نہ تھی یہ اے ہوا[۱] تجھ سے

[۱] نسخہ میں [illegible] کا دوسرا [illegible] ہے۔

برخوردار سعادت اطوار سید احمد زید طال عمرہٗ و زید قدرہٗ - بعد دعا ہاے صبح و مسا واضح ہو پہلے برخوردار سید حسن کا خط بلگرام سے میرے نام آیا جس نے میرے جگر پر برچھی کی نوک ماری پھر تم نے خط بھجوایا۔ اُسنے یہ بتایا کہ فلاں مہینہ اور فلاں تاریخ تھی کہ تمہارے باپ دنیا سے چل بسے اُسدن اگلا ماتم تازہ ہوگیا - پھر ابن علی کا خط مجھے پہونچا کہ نظام پور میں یہ حادثہ گذرا اب زندگی کا نظم و نسق ابتر ہے بیٹا مرتا تو میں صبر کرتا کہ دوسرا پیدا ہوگا یہ باپ کی موت ہے جنکا ملنا حشر پر گیا واللہ ثم باللہ وکفی باللہ شہیدا کہ میں نے چند روز اُن کی موت سے پیشتر خواب دیکھا تھا کہ میری ٹوپی کسی نے میرے سر سے اُتار لی ہے میں یہ کیا جانتا تھا کہ باپ کا سایۂ عطوفیت سر سے اُٹھ جائے گا - اُن کا مزار کہاں بنا نظام پور میں دفن ہوئے یا نزل میں - ہمنے ایک خط والدہ کو لکھا ہے جہاں کہیں وہ ہوں اون کو پہنچاؤ اور جواب حاصل کر کے مجھے بھجواؤ-

غلام حسنین قدر ہشتم شعبان ۱۲۹۵ھ

سید ابن علی صاحب مرحوم کے نام

۴ فروری ۱۸۸۳ء مقام لکھنو بازار جھاؤلال

برادرم سید ابن علی صاحب سیہمیر کی شادی خدا کی مبارک بادی مصطفٰے دولہا بنے ہم نہ دیکھیں آب و دانہ کی بات ہے ؏

کہ روزی میکند از ہم جدا یاران ہمدم را

اگر تم سمجھو گے کہ ابن حسن کے بعد مجھ سے قریب تر تمہارا کوئی بھائی نہیں تو اُس کے ساتھ یہ بھی جانو گے کہ ابنِ حسن کے بعد مجھسے زیادہ کسی کو اس شادی کی خوشی نہوئی ہوگی خدا ہم کو تم کو مبارک کرے - ؏

اب اس بہو کو بھی دے جلد کر و گا رہو

جیسے تم کو درنجف کا ٹکڑا ہوہاتھ لگی ہے ویسا ہی ہم کو جڑاؤ مادہ تاریخ ملا ہے اگر کوئی یہ مادہ بھی پائے تو ایسی چھوٹی چھوٹی سہل ممتنع مصرعے ملنا کیمیا کے بوٹے ہیں مصرع کیا

ہیں شادی کے نقل ہیں یا مبارکباد کے خرمیاں اگر کس است یک حرف بس است
ہماری گھروالی تمہاری بیوی سے زیادہ خوش ہیں اور ہزار زبان سے مبارک باد کہتی ہیں

غلام حسنین قدر

قطعہ تاریخ زناشوئی سید مصطفیٰ

ابن برادرم ابن عسل | آب و رنگ رخ بہجت
باد بہار مصطفوی | نفحۂ عطر گل عترت
دست مرادِ او آراست | رخت عروسی بر قامت
مصرع سال تاریخش | قدر سخنگو در ساعت
معنوی و ہم صوری گفت | سال[1] الف و ثلاثہ مات

۱۳۰۰ھ

مولوی سید حسن رضا صاحب قبلہ حسن کے نام

برخوردار حسن اطوار دیر زی۔ صبح و شام دعا دے کر تم کو یہ خط لکھتا ہوں۔ تندرست تو نہیں ہوں مگر زندہ ہوں۔ خیر شکر ہے۔ این ہم غنیمت است۔ آج تمہارا نامہ آیا جی خوش ہوا کہ دوران با خیر نزدیک دبے بصران نزدیک دور۔ میں ۲۷ ذی الحجہ سے صاحب فراش ہوں۔ یہاں تین حکیم نامی ہیں نمبر اول حکیم ابراہیم صاحب وہ رامپور کے نواب کے ان چار سو کے نوکر ہیں دوم حکیم سید محمد خاں بہادر سوم حکیم شیخ علی محمد صاحب۔ پہلے حکیم علی محمد صاحب کا علاج ہوا انہوں نے خیار چنبر کے دو مسہل دیئے وہ دونوں ہضم ہو گئے۔ لیکن اس پر کسی قدر افاقہ تھا اتفاقاً وہ محمود آباد چلے گئے بلکہ دوسرے مسہل کے دن۔ بعدہ سید محمد خاں سے استعلاج کیا پہلے انہوں نے عمل طار کیا

---

[1] باشباع۔ فعلن فاع مفعول فعل ۲۲ الف باشباع۔ سال ۹۱
الف ۱۱۱
و ۶
ثلاثہ ۱۰۳۶
مائۃ ۵۶
۱۳۰۰ھ

غزل جناب محمد عبدالحی صاحب باتغ صیغہ دار دفتر اوّل تعلقداری شمکدہ

نہ ہوئی بخت کی برگشتگی جو رہزنِ شوق — گلِ امید ہی چنتے، بچھا کے دامنِ شوق

پیامبر نے خبر دی ہے، اُن کے آنے کی — ہمارے سینہ میں پھولا ہوا ہے گلشنِ شوق

وہ سامنے ہیں، میں کچھ عرض کر نہیں سکتا — لبوں پہ آکے خموشی بنی ہے سوزنِ شوق

لگے کے خنجرِ ابرو کے وار، تڑپا دو — سرِ رضا ہے خمیدہ جھکی ہے گردنِ شوق

فراق یار کی ظلمت نے جب سے گھیر لیا — نہاں ہے پردۂ دل ہی میں، روئے روشنِ شوق

وہ سینہ ہوگیا ویراں، وہ دل ہوا برباد — جہاں تھا مسکنِ ارماں، جہاں تھا مسکنِ شوق

کدھر گئے وہ طبیعت کے ولولے باتغ — شباب میں ارے کمبخت بنے وہ دشمنِ شوق

غزل جناب مولوی سید جلال الدین صاحب توفیق اہلکار دفتر صدر محاسبی کار عالی

پاؤں پڑتا ہوں میں، وحشت کی سلاسل کی طرح — گر نکال آئے بھی گھر سے، ہوس دل کی طرح

ہوں وہ صہبا کشِ خاموش، نہ نکلی آواز — رہ گیا ٹوٹ کے شیشہ بھی مرا دل کی طرح

لاکھ محبوسِ قفس کر، تو مجھے اے صیاد — میں نکل جاؤں گا فریادِ عنادل کی طرح

حسرت اے جذب! کہ لیلیٰ ہو سوارِ محمل — قیس ہو ساتھ غبارِ پسِ محمل کی طرح

حسرت و غم کے سوا کچھ نہیں ہوتا حاصل — پیش ہوتا ہوں جہاں میں کفِ سائل کی طرح

سب کا رتبہ ہے علی قدرِ مراتب، توفیق — سب میں خوردی و بزرگی ہے انامل کی طرح

غزل حضرت ظہیر الدین حسن صاحب ظہیر استادِ مشہور

کیوں صاحب! ارتباطِ عدو کا گماں غلط؟ — میرا بیان غلط؟ سخنِ رازداں غلط؟

پردہ، رسم نامہ و پیغام، اہتمام؟ — اظہارِ شوقِ وصل نہان و عیاں غلط؟

فریاد و نالہائے عزا بارِ افترا؟ — خونابہ باریٔ مژۂ خوں چکاں غلط؟

پروازِ رنگِ عارضِ گلفام بے فروغ — سیلابِ موج خیزِ سرشکِ رواں غلط؟

ژولیدگیٔ گیسوئے پیچیدہ مو خلاف؟ — آشفتگی کاکلِ عنبر فشاں، غلط؟

وابستگیٔ خاطرِ پیمان شکن، دروغ؟
محویتِ جمالِ رخِ دلفریب، جھوٹ؟
آوازِ شورِ ماتم و شیون، گمان و وہم؟
بہتان؟ خراشِ ناخنِ الماس کارِ غم
الزام؟ شورِ نالہ و فریادِ چرخ رس
حالانکہ اتنے شاہد عادل گواہ ہیں
کہنے لگے یہ سنکے، بناوٹ ہی سب تری
مضمونِ شاعرانہ ہے، واللہ سربسر!
کیسا پیام؟ کسکا پیامی؟ کہاں کا ربط؟
لو! ہم کہاں؟ ندیم کہاں؟ مدعی کہاں!
جتنا ترا بیان ہے، سراسر ہے بے دلیل
صادق ہیں اپنے قول پہ کہتے ہیں سب راست
رہتے ہیں جستجو میں، تنک مایہ خوردہ میں

پیہم گزیدنِ لبِ شکر فشاں، غلط؟
ذوقِ تصورِ قدِ سرو رواں، غلط؟
جوشِ و خروشِ نالہ و آہ و فغاں، غلط؟
سودائے زلف و خالِ رخِ دلستاں، غلط؟
پروازِ خوابِ دیدۂ ہمسائگاں، غلط؟
تاہم صداقتِ سخنِ ایں و آں، غلط؟
حاشا دروغ، وہم و خیال و گماں، غلط!
املا غلط، بیان غلط، داستاں، غلط!
بہتان ہے صریح! سراپا بیاں غلط!
فقرہ، دروغ! چال، بناوٹ! گماں، غلط!
جتنی نشاں دہی ہے۔ نہان و عیاں، غلط!
ہاں ہاں غلط غلط ہے۔ سراپا بیاں، غلط!
کہتے نہیں زباں سے کبھی رمز داں، غلط!

جو راست باز ہیں۔ نہیں کج باز وہ ظہیر
ہوتا نہیں کبھی، سخنِ راستاں، غلط!

غزل جناب ابو الرضا سید رضی الدین حسن صاحب کیفی۔ ملازم نظم جمعیت کار عالی

جہاں تک ہو سکے تم سے کیے جاؤ برا مجھکو
کبھی میں یہ نہ پوچھونگا کہ تم نے کیا کہا مجھکو

دل اپنا صاف کرکے توڑتا ہوں سنگ الفت سے
اگر منظور ہی آئینۂ عبرت نما مجھکو

محبت نے بڑھایا حوصلہ اتنا، کہ کہتا ہوں
تمہارے دیکھنے والوں میں ہو نہیں دیکھنا مجھکو

بہار آئی ہے کیفی میں کہیں رکتا ہوں پینے سے
سمجھتے تھے جواب تک وہ نہ سمجھیں پارسا مجھکو

ماخوذ از صحیفہ حیدرآباد دکن

غزل جناب مولوی حکیم عبدالہادی خانصاحب وفا رامپوری

لو خاتمہ ہو چکا ہے جی کا
منہ دیکھ رہا ہوں بیکسی کا

دل اور اثر غم و خوشی کا
یاں نام بھی مٹ گیا کبھی کا

کیا رنگ بھرا ہے نازکی نے
کیا رنگ کھلا ہے سادگی کا

کیا پردہ رکھا ہے دشمنی نے
کیا پردہ اٹھا ہے دوستی کا

پہلوئے وجود میں عدم ہے
آئینہ ترے نظارگی کا

دل خاک ہوا کسے بتاؤں
پروانہ چراغ دلبری کا

میں آپ لٹا کسے سناؤں
افسانہ فسوں رہزنی کا

آغوش میں ہیں ہزاروں گرداب
ساحل ہوں محیط بیخودی کا

پہلو میں ہے دجلہ دجلہ خوناب
رگ رگ میں ہے ذوق تشنگی کا

میں حاصل داغ بے زبانی
میں گل ہوں چراغ زندگی کا

چھوڑے سے بخوبی نسبت عیش
رونا ہے تو غنچہ کی ہنسی کا

منت کش مرگ ناگہاں ہوں
توڑا ہے طلسم بیکسی کا

دل میں ہیں سرور حسرتوں کے
آنکھوں میں ہے نور جانکنی کا

اس عشق کے توڑ جوڑ دیکھو
امید کسی کی دل کسی کا

سر خاک اٹھائے شور محشر
مارا ہوا صبر خامشی کا

ہر ذرہ خاک ایمن شوق
اک آئینہ بن گیا پری کا

انصاف کی آرزو منادی
اعجاز ہے یہ ستمگری کا

ق
اللہ رے فرصت تغافل
جی چھوٹ گیا ہے جانکنی کا

اللہ رے جرأت تجاہل
دم ٹوٹ گیا ستم کسی کا

رحمت کی ہے شان دلنوازی
وہ ناز اٹھائے بیدلی کا

تقدیر گرہ لگا رہی ہے
کھلتا ہے نصیب بستگی کا

وہ عہد وفا وہ ساز امید
رونا ہے وفا اسی گھڑی کا

اردوی معلی علیگڈھ سلسلۂ جدید از ۱۹۰۷ء

اڈیٹر سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے

مقاصد ضروری (منجملہ دیگر مقاصد) اشاعت لٹریچر پالٹکس

قیمت سالانہ مع محصولڈاک

اول درجے کے ڈبل دیسی کاغذ پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ للعہ

دوسرے سفید کاغذ پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

معمولی کاغذ پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

(۱) اردوی معلی کیساتھ بطور ضمیمہ ہر سال اساتذہ قدیم کے غیر مطبوعہ دواوین سے کئی دیوان مع دیباچہ مقدمہ شائع ہوسکتے ہیں۔ رسالہ قسم اول کی قیمت مع ان دواوین کے حسب شرح سابق للعہ سالانہ ہے۔

نوٹ۔ (۲) جدید خریداروں کو ان کتابوں میں جنکا اشتہار ذیل کے بقیہ کالم میں درج ہے قسم اول و دوم و سوم کے خریداروں کو عہ ۸ ۔ عہ کی کتابیں بلا قیمت نذر ہونگی۔

دیوان غالب ۔ طبع ثانی مع شرح دیوان قیمت صرف عہ

دیوان مصحفی ۔ ۸ ۔ **دیوان شیفتہ** ۔۔ ۸ ۔

دیوان حسرت ۴ ۔ **دیوان میر سوز** ۔۔ ۳ ۔

دیوان قایم ۔ ۴ ۔ **رپورٹ اردو بمبئی کانگرس** ۔ ۸ ۔

رپورٹ بنارس کانگرس ۵ **نیشنل کانگرس** ۴ ۔

اردوی معلی ۔ جلد پنجم قسم اول از جولائی تا دسمبر ۱۹۰۵ء عہ

اردوی معلی جلد ششم قسم دوم از جنوری تا جون ۱۹۰۶ء عہ

جلد ہفتم ۱۹۰۶ء عہ

انوار العیون ملفوظات مخدوم احمد عبدالحق ردولوی ۸ ۔ عہ

درخواست خریداری بنام سید فضل الحسن منیجر اردوی معلی علی گڈھ

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کمانڈر انچیف صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں اور میڈیکل کالج کے پریسپل اور نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولایت کے یونیورسٹی کے سندیافتہ یورپین ڈاکٹر بعد تجربے کے اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت و تاریکی چشم، دھند جالا، پڑوال، پھولا، ڈھلکہ، سرخی، ابتدائی موتیا بند، ناخنہ، پانی جانا، خارش وغیرہ وغیرہ روزکے استعمال سے بینائی بڑہجاتی ہے اور عینک کی حاجت نہیں رہتی بچے سے لیکر بوڑہے تک یہ سرمہ یکساں مفید ہے قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے مبلغ دو روپیہ ممیرہ کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم ثانی فی تولہ تین روپیہ ہے۔ خالص ممیرہ فی ماشہ بیس روپیہ مصرعہ کا سرمہ فی تولہ چار آنہ محصول ڈاک ذمہ خریدار۔

المشتہر

پروپرائیٹر میاں سنگھ الکو والیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

اسکے بڑے بڑے اور کیا شہادت ہوسکتی ہے

(۱) میںنے ممیرے کے سرمے کو جو کہ سردار میاں سنگھ صاحب نے خود بنایا ہے آپ خود اور بہت سے مریضوں پر استعمال کرکے دیکھا ہے اور میں اس امر کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ یہ نادر ممیرے کا سرمہ نہایت ہی مفید اور آنکھوں کی بیماریوں کیواسطے اکسیر کا حکم رکہتا ہے میںنے اپنے تجربے میں آجتک کوئی سرمہ اس سے زیادہ فائدہ بخش نہیں دیکھا۔ آپکو آنکھوں کی ذراسی بھی کسی قسم کی شکایت ہو بہت زور سے استعمال کرنیکی سفارش کرتا ہوں کہ ہر طرح سے مفید اور فائدہ بخش ثابت ہوگا۔ پانی آنا۔ دھند، خارش سرخی کیلئے انگریزی ادویات سے زیادہ فائدہ بخش ثابت ہوگا اور سچ یہ ہے آپنے اسقدر سستے داموں میں یہ سرمہ ایجاد کرکے ملک اور قوم پر بڑا احسان کیا ہے اسکا شکریہ الفاظ میں ہونا محال ہے مزید ہے کہ ملک کے تمام لوگ آپکے سرمے سے فیضیاب ہوں اور فائدہ اٹھائیں اور ہر طرح کی بیماریوں سے نجات حاصل کریں۔

منجانب

پنڈت گنگا رام صاحب ڈاکٹر حضور نواب صاحب بہادر بلوچ

تاکہ مسہل دوم کو پیٹ سے نکالیں یہ وہ دن ہے جبدن خالنا سید خیرات علی صاحب میرے پاس پہونچے پھر خیار شنبر کا مسہل دیا اسمیں مادہ البتہ اخراج ہوا تیسرے دن پھر مسہل دیا اسمیں میں نے زمین دیکھی دست کہاں سے آتے پھر ایک ہفتہ منضج پلا کر آج تیسرا مسہل دیا ہے اس وقت ۱۲ بجے ہیں ابھی تک ایک دست بھی نہیں آیا ؎

ببینم کہ شتر کدام پہلو خوابد

الغرض اس وقت تک پانچ مسہل اور ایک عمل ہو چکا ہے لیکن مرض اپنے رنگ پر ہے - اب بیماری کا حال سنو دونوں بازوؤں میں آبلوں کے بازوبند تمام گردن میں دانوں کے ہار دونوں رخساروں پر آبلوں کی افشاں سب پیشانی پر چھالوں کے چاند تارے آبلے پڑے پھوٹے زخم بنے چھ دن منضج پیتا ہوں ہر اتوار کو مسہل ہوتا ہے گویا راجبن کا طریقہ ہے جب میرے مسہل بگڑے اور مجھپر کرب ہوا تو میں نے اپنی تاریخ مرگ یوں کہی ؎

چو قدر حسبت بشنقار خویش سال ممات سروش گفت بگو اے قدر یافت وفات

اب دیکھیے کہ سروش سچا نکلتا ہے یا صرف یہ اوسکی شاعری ہے اگر صحت پاؤں گا تو تم کو ۱۲۹۸ھ لکھ بھیجونگا ورنہ میری تاریخ یادگار اخیر ہے۔ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام حکیم علی محمد اس عارضہ کا نام صعفۂ حمرا اور حکیم سید محمد خاں احتراق دموی بتاتے ہیں واللہ اعلم بالصواب مرے سوہم خانہ خراب

غلام حسنین قدر - ۲۲ صفر

استفادہ

ع ہوا مقبول کب یاں کا جو تو مردود ہے واں کا

اس مصرعے میں جو یاں اور واں بجائے یہاں اور وہاں کے بندھا ہے یہ جائز ہے یا نہیں یا غلط ہے اور اگر ناجائز یا غلط ہے تو کس نے کیا اور کس کے وقت سے ہوا۔

الجواب

یہاں کی اصل ہاں۔ وہاں کی اصل وہ ہاں ہے۔ ہاں ہندی میں (جگہہ) کے معنی پر

آتا ہے جیسے کہاں بمعنی خرمن اور گوہاں بمعنی اطراف وہ پیس بریں دلیل یہاں کے معنی اس جگہ اور وہاں کے معنی اُس جگہ اہل لکھنو کہتے ہیں کہ ہا کے ہائے ہوز کو مخلوطی لانا بھی جائز تھا اور ہے جیسے آتش ؎

ہر قدم پر ہے گماں یاں رہ گیا واں رہ گیا۔ اور اس خیال کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہائے ہوز دوسری میں ادغام ہو کر یہ لہجہ ہو گیا ہے۔ اہل دہلی کا قول ہے کہ یہاں کا مخفف یاں۔ اور وہاں کا مخفف واں۔ ناسخ کے زمانے کے بعد انہیں چھان ہوئی۔ لکھنو والوں نے بعضوں نے یہاں وہاں بحرکتین اوایل اور یہاں وہاں بہائے مخلوطی دونوں طرح جائز رکھا اسکے پابند اسیر بھی ہیں اور بعضوں نے صرف بحرکتین اوایل صحیح جانا اسکے مقلد اکثر تلامذہ ناسخ ہیں جیسے برق و بحر و سحر و رشک۔

اب رہے اہل دہلی وہ یہاں وہاں بحرکتین اوایل اور یاں واں بالتخفیف دونوں طرح جائز سمجھتے ہیں۔

راقم ذلیل الانام قدر بلگرامی
۱۷ محرم الحرام سنہ ۹۵ھ

سید ابن علی صاحب کے نام

برادر مہربان سید ابن علی صاحب۔ غلام حسنین قدر سلام کے بعد کہتا ہے۔ عبد العلی نے آپ کے دو پیغام دیئے اول غزلوں کے دوم قواعد العروض کے طلب۔ اول کے جواب میں غزلیں لانے موعود لفِ نیازنامہ ہیں اور دوسرے سوال کا جواب شاید عبد العلی کی تحریر سے معلوم ہو گیا ہو گا آپ اُسے مانگتے ہیں۔ میں نے یہ غزلیں ابھی تک صرف دو مشاعروں میں پڑھی ہیں جب تک پانچ مشاعروں میں غزل نہ پڑھی جلسے میں غزل باہر نہیں نکالتا۔ بھائی خدا کے واسطے ابھی اسکی نقل کسی جا ہرگز یا بشوق کو نہ دینا بلکہ کسی کو نہ دینا۔ جب میں آپ کو لکھ بھیجوں اوسوقت اختیار ہے۔ کوئی ہزار بار سنے تو آپ کی زبان سے سُننے میں نے ایک غزل برخوردار سید حسین سے اپنے دیوانِ نو میں لکھوائی

اُنہوں نے مسودہ مانگا۔ میں نے انکار کیا۔ ہٹ سے میں مجبور ہوگیا اور دیدی۔ خطبہ دیوان کی وہ غزل تھی اُسکا مطلع یہ ہے۔

منہ فق ہو سحر سنکر جس سے شبِ امکاں کا ۔۔۔ وہ مہرِ قیامت ہے مطلع مرے دیواں کا

الحاصل ایک صاحب نے لکھنو میں وہ غزل مجھے سُنائی اور اوسکی صحت چاہی میں جو دیکھتا ہوں تو زمین ہی اور ہے آسمان ہی اور ہے آخر مجبور ہوکر درست کردی بھائی تمہارے واسطے یہ بات نہیں ہے اول تو میں کیا میرا کلام کیا لیکن دوچار جگہہ غزل پڑہنے سے شاعر کی زبانی سنکر اُسکی نقل میں پھر اغلاط کم ہوتے ہیں خیر ع

سپردم بتو مایۂ خویش را

تدبیر الدولہ منشی سید مظفر علیخان اسیر بہادر جنگ مرگئے اُنکی وفات میں میں نے دو تاریخیں کہی ہیں ذرا ملاحظہ کیجئے وہو ہذا ؎

چوں بہادر جنگ اسیر رزمگاہ دہر رفت ۔۔۔ جان فنِ شاعری افتاد اندر دار و گیر
بر سر الفاظ خود جہل مرکب تیغ راند ۔۔۔ بر گلوئے معنی آمد دشنۂ ریخ کشیر
پا بزنجیر جہالت بندش اشعار شد ۔۔۔ خانۂ زنجیر شد ہر بیت نظم دلپذیر
گردن علم عروض آمد بہ طوق دائرہ ۔۔۔ قافیہ از حرف قید آمد بقید ناگزیر
قدر تاریخ وفات آورد اند قید نظم ۔۔۔ شد ز سجن المومنین آزاد قدسی نفس اسیر
۱۲۹۹ھ

(ولہ فی المثنوی)

تدبیر الدولہ مرد آہ آہ و آخ ۔۔۔ رفت ز ہستی برد آہ و آخ
رزم نگار بہادر جنگ ۔۔۔ بزم آرائے نام و ننگ
قبلۂ طبع و دماغ اسیر ۔۔۔ رشک ظہوری فخر ظہیر
صائب راے و فکری فکر ۔۔۔ برقی رسم و سعدی ذکر
طبع سلیمش ناز سلیم ۔۔۔ برق کلامش داغ کلیم
قدر دو تا تاریخ نگفت ۔۔۔ تازہ بتازی گوہر سفت
مات سلیم طاب ثراہ ۔۔۔ فات کلیم طاب ثراہ
۱۲۹۹ھ ۔۔۔ ۱۲۹۹ھ

فریق نرم کی بعض غلط فہمیاں

نمبر (۱)

(متعلق بہ سودیشی و بوائیکاٹ)

جس وقت سے نوجوانان ہند کے دلوں میں حریتِ کامل کا جذبہ اور قومیت کا حقیقی مفہوم جاگزیں ہوا ہے اسی وقت سے فریق نرم کے کہنہ عقائد کی حقیقت ارباب بصیرت کی دوربین ورمزشناس نگاہ میں تقویم پارینہ سے زیادہ نہیں رہگئی ہے۔ ہم کو اس بیان سے اپنے بزرگوں کی تحقیر و تذلیل ہرگز منظور نہیں ہے۔ ہمارا تو خیال یہ ہے کہ کوئی وطن پرست ہندوستانی ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتا اسلئے کہ تحریک آزادی کے بانی دراصل وہی لوگ ہیں۔ ہمکو عہد گذشتہ کے ان قدیم رہنماؤں کے فضل تقدم کا بھی ہرطرح سے اقرار ہے لیکن ہمارے اس شکرگذاری اور سچے ادب کی بناپر اس امر کو لازم قرار دینا کہ ہم ان قابل تعظیم بزرگوں کے قدیم پولٹیکل اور اقتصادی عقائد کو ہر زمانے اور ہر حالت میں بلاچون وچرا صحیح اور درست سمجھتے رہیں اول درجے کی کوتاہ بینی اور جبر ہے۔ واقعات عالم کے روزانہ تغیر و تبدل سے تعلقات وخیالاتِ انسانی میں بھی عظیم تبدیلیوں کا پیدا ہونا قانون قدرت کا صریح اقتضا ہے اور اوسکے خلاف امید کرنا سراسر نادانی ہے۔ پچیس سال کے تجربے نے جب یہ بات پورے طور پر ثابت کردی ہے کہ زمانہ قدیم کے نرم لیڈروں کے خیالات وعقائد جادہ راستی سے علیحدہ ہیں تو ہمیں ان عقائد کو یکقلم ترک کردینے میں تامل کرنیکی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس کارروائی سے بعض لوگوں کے دل میں گناہ توہین بزرگان کا خطرہ پیدا ہو مگر دراصل یہ خطرہ بالکل بے بنیاد ہے۔ جس طرح سے خلاق جرمنی متحدہ یعنی پرنس بسمارک کی شخصی پالیسی کا اس وقت جرمنی میں کوئی فرقہ پیرو نہیں ہے۔ لیکن تمام قوم اسکو سلطنت جرمن کا بانی سمجھتی ہے۔ اسیطرح ہندوستان میں بھی اس زمانے کا آغاز یقیناً وجود میں آگیا ہے جبکہ کوئی قوم پرست

ہندوستانی بانیانِ کانگرس کے نرم اصول کا معتقد باقی نہ رہے گا لیکن ساتھ ہی ہر شخص ان ابتدا کرنے والے بزرگوں کی عزت و احترام کو عقائد مذہبی کے مانند اپنے ذمے لازم جانے گا۔

رفع الزام بے ادبی کی غرض سے اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم فریق نرم کی بعض غلط فہمیوں کو بنظر تنقید دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنی تحریر کے اس حصے کے لئے اول سدیشی و بوائیکاٹ کے مبحث کو تجویز کرتے ہیں۔

پہلی غلط فہمی اس خیال میں کہ اہل برطانیہ سدیشی تحریک کے حامی ہیں

صوبجات متحدہ اگرہ و اودہ کی گذشتہ پراونشل کانفرنس کے نرم پریسیڈنٹ پنڈت موتی لال صاحب نہرو کا قول ہے کہ "سدیشی کے انگریز ہرگز ہرگز منکر نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود پکے سدیشی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ وہ لوگ اور ان میں لارڈ کرزن بھی شامل ہیں بار بار سدیشی کی امداد کا وعدہ کرتے رہے ہیں" یہ وہ قول ہے جسے تمام نرم اخباروں نے لاجواب سمجھکر بڑے فخر کے ساتھ شایع کیا لیکن ہمارے خیال میں تو اس قول کے دونوں حصے از سرتا پا غلط ہیں۔ اس بات کو دیکھکر کہ انگریز اپنے ملک کی چیزوں کو اشیاے ممالک غیر پر بہرحال ترجیح دینا چاہتے ہیں یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ہندوستان کی سدیشی تحریک کے بھی معاون ہونگے اول درجے کی سادہ دلی ہے۔ انگریز تو اپنے ملک میں آزادی کے بھی بہت سے بڑے حامی ہیں۔ لیکن کیا کوئی ہوشمند شخص اس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وہ اہل ہند کی بھی پولٹیکل آزادی کے دل سے خواہاں ہیں۔ حقیقت میں معتدلیں (ماڈریٹس) کا یہ دعوی صریح البطلان ہے کیا معنی کہ اہل برطانیہ کے لئے انگلستان کی سدیشی مفید ہے اور ہندوستان کی سدیشی مضر بس ایسی حالت میں ایک کو دوسرے سے متعلق سمجھنا بعید از عقل ہے۔

(۲) لارڈ کرزن کا پرفریب وعدہ اعانت اور دیگر انگریزوں کا مصنوعی اظہار ہمدردی اسکی حقیقت بھی ملاحظہ ہو۔ لارڈ کرزن نے اس زمانے میں دیسی چیزوں کی تعریف

کی تھی جبکہ موجودہ سدیشی تحریک کا آغاز نہیں ہوا تھا اسلئے ہمکو اسکا کچھ اعتبار نکرنا چاہئے کیونکہ غافل لوگوں اور قوموں سے جن کی نسبت یہ یقین ہو کہ وہ اپنے حقوق کا فوری مطالبہ کرنے کے مدت تک قابل نہیں ہو سکتے ، بڑے بڑے وعدے کر لینا ، برٹش پالیسی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ مثلاً جب تک اہل ہند اپنے حقوق سے ناواقف یا غافل رہے اس وقت تک ملکہ معظمہ کا یہ اعلان بدستور قایم رہا کہ حکومت ہند انگریزوں اور ہندوستانیوں سے بلا لحاظ قوم و مذہب و رنگ ، یکساں برتاؤ کرے گی۔ لیکن جب اہل ہند کی آنکھیں کھلیں تو لارڈ کرزن نے کھینچ تان کر اسکا مفہوم ہی بدل دیا اور ہم کو یہ خیال کرنے پر مجبور کر دیا۔ کہ اعلان ملکہ معظمہ کی وقعت ایک نمایشی اشتہار سے زیادہ نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس برٹش مدبروں نے مدت تک اہل ہند کو اس دھوکے میں رکھا کہ حکومت ملک میں حصہ لینے سے وہ صرف اسوقت تک کے لئے محروم کئے گئے ہیں جب تک کہ انہیں کافی قابلیت نہ پیدا ہو جائے۔ لیکن جب ان میں جذبہ وطن پرستی کے آثار نمودار ہونے لگے تو لبرلوں کے لبرل مسٹر مارلے نے بھی صاف کہدیا کہ ہندوستان کی حکومت ہمیشہ شخصی رہے گی۔ نیز یہ کہ ہندوستانیوں میں اپنے ملک کے انتظام کی قابلیت ہی نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہم کہتے ہیں کہ سدیشی تحریک کے باب میں بھی انگریزوں کی وہی چالاک پالیسی اپنا کام کر رہی ہے۔ کیا معنی کہ جب تک ہمنے حب وطن کا کوئی عملی ثبوت پیش نہیں کیا تھا اس وقت تک بیشک لارڈ کرزن نے بھی سدیشی کی حمایت کی ہوگی لیکن جس وقت سے ہم میں وطن پرستوں کا ایک آزاد گروہ وجود میں آیا جسے بعض لوگ مفرطین (اکسٹرمیسٹ) یا فریق گرم کے نام سے موسوم کرتے ہیں ، اسوقت سے دراصل پھر کسی انگریز نے سدیشی کی حمایت میں زبان نہیں کھولی۔ دراصل کا لفظ ہمنے دانستہ استعمال کیا ہے اسلئے کہ نمایشی طور پر لارڈ منٹو وغیرہ نے جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے ان کی حقیقت ہم کو خوب معلوم ہے۔ لارڈ صاحب سدیشی کے حامی نہیں البتہ سچی سدیشی کے ضرور معاون ہیں۔ سدیشی کے ساتھ سچی اور جھوٹی کی قید بالکل بیمعنی

ہے کیونکہ سدیشی تحریک کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو مفید ملک نہو اور اس لیے اسکی کوئی صورت ایسی نہیں ہوسکتی جسے کوئی شخص جھوٹی سدیشی کہہ سکے۔ بظاہر جھوٹی سدیشی سے لارڈ صاحب اور ان کے بعض کاسہ لیس نرم لیڈروں کی مراد اس سدیشی سے ہے جسے پولٹیکل تحریک سے ہی مدد پہونچے۔ لیکن امر واقعی ہم سے سنئے کہ ان کے نزدیک جھوٹی سدیشی اس تحریک کا نام ہے جس سے انگریزوں کو نقصان پہونچے۔ مثلاً کپڑوں کے متعلق سدیشی جھوٹی سدیشی ہے کیونکہ اس سے منچسٹر کا نقصان ہوتا ہے۔ البتہ شکر کی سدیشی سچی سدیشی ہے کیونکہ اس کو انگریزوں کی تجارت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انگریز تو خیر جھوٹی سدیشی اور بوائیکاٹ کے اسلیئے مخالف ہیں کہ وہ ان کے فوائد کے خلاف ہے لیکن فریق نرم کی مخالفت کی بنا کیا ہے۔ اسکی بنا ان لوگوں کے خیال خام کی

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ لفظ بوائیکاٹ سے انگریز بیزار ہونگے صرف سدیشی سے نہ ہونگے

اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ معتدلین اہل برطانیہ کو اپنا سا سادہ لوح سمجھتے ہیں حالانکہ شاید ان سے زیادہ ہوشیار کوئی دوسری قوم اس وقت دنیا میں موجود نہیں۔ وہ لوگ مخالفت صرف اس تحریک کی کرتے ہیں جس سے انہیں نقصان پہونچے اور اس نقصان کا اندازہ وہ الفاظ کے مفہوم یا اصطلاحی معنوں کی بنا پر نہیں بلکہ شمار و اعداد کے صحیح اور بے خطا اصول کی بنا پر کرتے ہیں یعنی یہ کہ اگر بوائیکاٹ سے انکی تجارت کو ضرر نہ پہونچے تو وہ ہرگز اسکی مخالفت نہ کرینگے۔ لیکن اگر انہیں سدیشی تحریک سے خفیف گزند کا بھی اندیشہ ہو تو پھر ان کی مخالفت کو بھی یقینی سمجھنا چاہیئے۔ خواہ آپ سدیشی تحریک کو بوائیکاٹ سے علیحدہ ثابت کرنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نکریں۔ جن لوگوں کو اس زمانہ میں اب بھی کچھ شبہ ہو انہیں

سر اپر لتبرج کا یہ قول بغور ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ "وہ کوئی انگریز جسکو انگلستان سے الفت ہے یہ نہ چاہیگا کہ ہندوستانی سدیشی تحریک میں کامیاب ہوں کیونکہ سدیشی کے معنی یہ ہیں کہ تمام انگریزی دستکاری ضایع ہوجاوے اور انگلستان و اسکاٹلینڈ کے دستکار اضلاع فاقہ کریں غرضکہ انگریزی تجارت غارت ہوجائے"

قصہ مختصر یہ کہ اگر سدیشی تحریک سے ہندوستان کی مالی حالت درست ہوگی تو اس سے انگلستان کی تجارت کو ضرور نقصان پہونچیگا اور جب یہ ہوگا تو انگریزوں کا ناراض ہونا بھی یقینی ہے۔ پس آخر میں امر فیصلہ طلب یہی قرار پاتا ہے کہ یا تو ہم انگریزوں کی ناراضی کے ڈر سے سدیشی ہی سے دست بردار ہوجائیں یا اگر یہ منظور نہو تو پھر مردانہ وار تمام دقتوں کا مقابلہ کریں اور سدیشی کے ساتھ بائیکاٹ کو بھی لازم سمجھیں کیونکہ بغیر بائیکاٹ کے سدیشی تحریک حسب دلخواہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔ لیکن افسوس کہ فریق نرم کی

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ سدیشی بغیر بائیکاٹ کے بھی کامیاب ہوسکتی ہے

چنانچہ پنڈت موتی لال صاحب نہرو لکھتے ہیں کہ "کیا حب وطن کے پاک اور روحانی جذبے کی جسپر سدیشی کا دار و مدار ہے، ذاتی قوت کافی نہیں ہے کہ ہم اُس میں دشمنی و عداوت کے ادنی جذبوں کو بھی شریک کرتے ہیں" آپ کا یہ بھی قول ہے کہ "بدیشی چیزوں کی آمد تب ہی قطعی طور پر بند ہوسکتی ہے جب سدیشی چیزیں اُن سے اچھی اور سستی بننے لگیں۔ جب ہم اس قابل ہوجائیں گے تو بدیشی چیزوں کے آمد روکنے کے لئے بائیکاٹ کی ضرورت نہ رہے گی" امراول کی نسبت ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر انگریز سدیشی تحریک کی مخالفت نکرتے تو اسکی قطعی ترقی کیلئے صرف "پاک اور روحانی جذبے" ہوسکتے تھے[۱]۔ لیکن

[۱] اگرچہ ہمکو بقول اخبار ہندوستان ٹائمز اس قسم کے فلسفیانہ خیالات پر مطلق اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخی واقعات کی بنا پر یہ کہنا کہ کوئی قوم صرف محبت فلسفہ اور صلح کل کے اصول کی پیرو رہکر سرسبز نہیں ہوسکتی زیادہ صحیح ہے بہ نسبت فریق نرم کے اس خیال قول کی کوئی قوم صرف نفرت اور دشمنی کے خیالات سے کامیاب نہیں ہوسکتی

جب حکومت کی جانب سے سدیشی کی مخالفت میں صریحی طور پر پولٹیکل دباؤ ڈالا جاے تو جمہور کی طرف سے اسکی تائید میں پولٹیکل بلکہ مذہبی دباؤ کا بھی پڑنا نہ صرف جائز بلکہ ہمارے خیال میں لازمی ہونا چاہئے ورنہ حکومت کی عظیم الشان اور باقاعدہ مزاحمت کے مقابلے میں اس تحریک کا صرف اخلاقی زور پر قایم رہنا یقیناً ناممکن ہوجائیگا۔

رہا پنڈت صاحب کا دوسرا قول اسکی صحت کا ہم کو بھی اقرار ہے لیکن سوال یہ ہے کہ دیسی چیزیں سستی اور اچھی کیونکر بنیں۔ ہمارے خیال میں اسکی صورت سوا اسکے کوئی نہیں ہوسکتی کہ ہندوستان کی برباد شدہ صنعت و حرفت، جسکا خون بلاشبہ غرض پرستان برطانیہ کے سر ہے، دوبارہ درجۂ عظمت و کامیابی پر فائض ہو۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ کسی ملک کی تباہ شدہ صنعت دوبارہ قایم نہیں ہوسکتی جب تک حکومت کی جانب سے کم ازکم ابتدا میں اسکی حفاظت ممالک غیر کی چیزوں پر محصول لگاکر نہ کیجاے چنانچہ خود انگلستان کی صنعت پارچہ بانی کی ابتدا اور ترقی اس طرح پر ہوئی کہ اوسنے پہلے ہندوستانکی تجارت پارچہ کو قیمت سے دوگنا چوگنا بلکہ دس گنا محصول لگاکر بالکل مٹا دیا۔ اب اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ بھی یہی ترکیب اختیار کرتا لیکن چونکہ اسکی حکومت دوسروں کے قبضے میں ہے اسلئے اہل ہند کے لئے اپنی صنعت کو دوبارہ قایم کرنے کی سوا اسکے اور کوئی شکل ہی نہیں ہے کہ وہ کم ازکم کچھ روز کے لئے بائیکاٹ کو اپنے اوپر لازم کرلیں اور انگلستان کے مال کی خصوصیت کے ساتھ پرہیز کریں کیونکہ سب سے بڑی تجارت، یعنی کپڑے کی تجارت جسکا انتظام ہندوستان میں سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ ہوسکتا ہے مانچسٹر ہی والوں کی ہے۔ طبقۂ متوسط[1] کو بیشک کچھ دنوں تک گراں مال خریدنا پڑے گا لیکن ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نقصان بالکل اس نقصان سے مشابہ ہے جو طلبا کے والدین اپنے لڑکوں کی تعلیم میں بخوشی

[1] غربا کو مالی نقصان برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے انکا بائیکاٹ یہ ہونا چاہئے کہ چند سال تک بجاے ململ کے موٹے دیسی کپڑے استعمال کریں جسمیں کسیقدر تکلیف تو ضرور ہوگی۔ لیکن ساتھ ہی اسکے کچھ نہ کچھ دام بھی بچیں گے۔

برداشت کرتے ہیں۔ کیا معنی کہ جس طرح تعلیم یافتہ ہوکر وہ خرچ شدہ رقم سے بہت زیادہ روپیہ پیدا کر لیتے ہیں اسی طرح سے ۵ یا ۱۰ سال تک قلیل نقصان برداشت کر لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں صدہا کارخانے قایم ہوجاویں گے اور جب ان میں آپس میں مقابلہ ہوگا تو چیزیں بھی ضرور اچھی بنیں گی جو انگریزی چیزوں سے سستی بھی ضرور ہونگی کیونکہ اول تو انگلستان میں مزدوری کی شرح بہت زیادہ ہے دوسرے خام پیداوار کے ہندوستان سے جانے پھر وہاں سے بنکر آنے میں ڈبل محصول کا علیحدہ اضافہ بدیسی چیزوں کی قیمت میں ہوتا ہے۔ جس وقت یہ حالت پیدا ہوجاویگی اسوقت بجائے نقصان کے ہمکو عظیم اور دوامی فائدہ حاصل ہوگا اور زمانہ بوائیکاٹ کے ۵ - ۱۰ برس کا نقصان تو چند مہینوں ہی میں پورا ہوجائیگا غرضکہ جو لوگ بوائیکاٹ پر اس بنا پر اعتراض کرتے ہیں کہ ارزاں شے کے مقابلہ میں ہمیشہ گراں بہا چیز کا خریدنا انسانی طبیعت کے خلاف ہے انکو اچھی طرح سے سن لینا چاہیئے کہ بوائیکاٹ کوئی دوامی تحریک نہیں ہے بلکہ اسکا یہی منشا ہے کہ گراں بدیسی اشیا کی جگہہ ارزاں دیسی چیزیں رائج ہوجائیں پس جس وقت مذکورہ بالا طریقے کے مطابق یہ صورت معرض وجود میں آجاوے گی اس وقت بوائیکاٹ کی مطلق ضرورت باقی نہ رہے گی۔ لیکن بوائیکاٹ کو دوامی تحریک سمجھنے کے علاوہ ہمارے نرم لیڈروں کی

چوتھی غلط فہمی یہ ہے کہ بوائیکاٹ یا تو کامل ہونا چاہیئے یا نہونا چاہیئے۔

اور اس غلط فہمی کی تائید میں وہ لفظ بوائیکاٹ کے لغوی معنی پیش کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہندوستان کی حالت ذرا اس امر کی مقتضی نہیں ہے کہ ہم اپنے فوائد کے مقابلہ میں کسی لفظ کے لغوی یا اصطلاحی معنوں کے پھیر میں پڑے رہیں۔ ہم یقیناً بوائیکاٹ کی وہی صورت اختیار کریں گے جو سب سے زیادہ ہمارے مفید مطلب ہو اور جسپر ہم سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ کاربند ہوسکتے ہوں۔ اور اس صورت کا نام "تدریجی بوائیکاٹ" ہے یعنی یہ کہ جن چیزوں کو ہم کم دشواری کے ساتھ فوراً ترک کرسکتے

ہوں - انکو بلا تامل ترک کر دیں اور آیندہ کے لئے ان متروک چیزوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی کوشش میں بدل وجان مصروف رہیں - بعض لوگ تدریجی بوائیکاٹ کا مضحکہ اڑاتے ہیں لیکن ہم اُن کو آگاہ کئے دیتے ہیں کہ بوائیکاٹ کی یہ قسم ہندوستان کی ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ ہم سے پہلے اور بہی کئی ملک اسپر عمل کرکے کامیاب ہو چکے ہیں -

حال ہی میں نیویارک کے مشہور بیرسٹر مسٹر فلپس نے بابو بپن چندر پال کے نام ایک نہایت پرمعنی خط لکھا ہے جسمیں امریکہ کی گذشتہ تاریخ انگلستان کا ہندوستان کی موجودہ حالت سے مقابلہ کیا ہے اُسکے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ برٹش پالیسی سے ناراض ہوکر امریکا نے انگلستان کے مال کے خلاف تدریجی ہی بوائیکاٹ کا اصول اختیار کیا تہا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم امریکہ کی صنعت وحرفت کو انگلستان سے بہی بہتر حالت میں پاتے ہیں - رہا یہ شبہ کہ امریکن بوائیکاٹ کی طرح ہندوستانی بوائیکاٹ بہی اسوقت تک کامل طور پر کامیاب نہیں ہوا اس کا سبب کچہہ تو یہ ہے کہ اقوام ہند میں باشندگان امریکا کا سا اتحاد نہیں ہے لیکن زیادہ قوی باعث یہ ہے کہ ہمارے نرم لیڈر نادان دوست کی حیثیت سے عوام کو بجائی بوائیکاٹ پر آمادہ کرنیکے خواہ مخواہ ڈراتے اور پست ہمت بناتے ہیں اور اسی میں اپنی اور اپنے ملک کی بہبودی تصور کرتے ہیں - اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست پر لائے - فقط -

تنقید

ناگپور کانگرس ونمایش | باشندگان ناگپور نے بہت اچہا کیا کہ امسال کانگرس کے ساتہ نمایش کا جہگڑا نہ کہڑا کیا کبہی کبہی نمایش کا ہونا بیشک مفید ہوسکتا ہے لیکن کانگرس کے ساتہ ہر سال نمایش کا بہی لازمی کر دینا اسراف دولت وہمت کے علاوہ خود کانگرس کے وجود کے لئے بہی مضر ہو چلا تہا اسلئے کہ بقول اخبار آفتاب دہلی " نمایش نے کانگرس کو ایک مہیب جانور بنا دیا تہا - اور صرف عظیم الشان شہر کانگرس کو مدعو کر سکتے تہے " علاوہ بریں

نمایش پر جسقدر محنت اور روپیہ صرف کیا جاتا تھا اُس سے اسقدر فائدہ ہرگز نہیں پہونچتا تھا۔ کیونکہ کرگوں اور کپڑوں وغیرہ مفید عام چیزوں کے علاوہ باقی جتنی نفیس و نایاب چیزیں نمایش میں رکھی جاتی تھیں اُن سے لوگ اسی قدر بلکہ شاید اس سے بھی کم فائدہ اُٹھاتے تھے جتنا کہ دوسرے فضول کھیل تماشوں سے اُٹھا سکتے ہیں۔ حقیقت میں دستکاری اور محنت کے عجیب وغریب نمونوں کو جنکی تکمیل میں عرصہ دراز صرف ہوتا ہو ہم صرف قابل تعریف کہہ سکتے ہیں۔ ملک کی ضروری صنعت وحرفت یا تجارت کی ترقی کو ان سے مطلق مدد نہیں ملسکتی۔ ان قسم کی نمایشیں دولتمند ملکوں کو بیشک زیب دیتی ہیں لیکن غریب ہندوستان انکے بارگراں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ یہاں اگر کوئی نمایش ہو بھی تو صرف ایسی چیزوں کی ہو جن کی جمہور کو حاجت ہو یا جس سے ملک کا افلاس دور ہوسکتا ہو۔

ناگپور کانگرس کا پریسیڈنٹ

سالگذشتہ کیطرح امسال بھی انتخاب صدر کا جھگڑا برپا ہے۔ معتدلین ناگپور کیجانب سے ڈاکٹر راش بہاری گھوش اور نواب سید محمد صاحب کے نام پیش کیجاتے ہیں لیکن فریق گرم مسٹر تلک کو آیندہ کانگرس کا پریسیڈنٹ دیکھنا چاہتا ہے ہم کو ڈاکٹر راش بہاری گھوش یا نواب سید محمد صاحب سے ذاتی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن مسٹر تلک کے مقابلہ میں نیز آیندہ کانگرس کی اہمیت کے لحاظ سے ہمیں ان دونوں بزرگونکی صدارت کو قطعی طور پر نامناسب قرار دینے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے۔ نواب سید محمد صاحب کی پولیٹیکل قابلیت ہرگز اسقدر نہیں ہے کہ وہ کانگرس کے پریسیڈنٹ بن سکیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ ناگپور میں نرم وگرم فریقونکے درمیان سخت اختلاف رائے کا سنگین اندیشہ موجود ہے۔ رہے ڈاکٹر راش بہاری گھوش انکی قابلیت مسلم سہی لیکن میدان پالیٹکس میں آئے ہوئے ابھی انکو اسقدر کم عرصہ ہوا ہے کہ ہمیں انکی ذات پر بھروسہ کرنے میں ضرور تامل ہے۔ برخلاف اسکے مسٹر تلک وہ شخص ہیں جنکی دلیری اور وطن پرستی کا اسوقت تمام ہندوستان قائل ہے۔ انہوں نے ایثار نفس کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جسکی تقلید ہر محب وطن پر فرض ہے۔ انکی رائے کروروں لوگونکی رائے ہے۔ اور انکی ذات لاکھوں لوگوں کے فخر ومباہات کا سرمایہ ہے اور ملک کے حقیقی لیڈر ہونیکی حیثیت سے انکے مقابلہ میں کسی دوسرے کو صدارت کانگرس کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہمکو افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے پنڈت مدن موہن مالوی کا نام بھی اس ضمن میں پیش کیا ہے حالانکہ الہ آباد کی گذشتہ پراونشل کانفرنس کی موقع پر فریق گرم کے نوجوانوں کیساتھ انکی یکطرفہ اور جابرانہ کارروائیوں نے یہ بات قطعی طور پر ثابت کردی ہے کہ وہ کسی بڑی تحریک کی ہرگز رہنمائی نہیں کرسکتے

حصہ نظم

دیا اور لیمپ

لمپ نے اک دن دیے سے یوں کہا — روشنی کا میں ہوں اک بدرِ کمال
میرے آگے کیا حقیقت ہے تری — سامنے میرے بھلا تو کیا ہے مال
اس زمانے کی نئی ہے روشنی — ہے ترقی پر مرا حسن و جمال
پوچھتا ہے کون تجھ کو آج کل — قدرداں باقی ہیں تیرے خال خال
جتنا تیرا تیل تھا سب جل چکا — خشک بتی کا ہے اب جلنا محال
تجھ سے نفرت کرتے ہیں چھوٹے بڑے — ہو گئی ہے زندگی تجھ کو وبال
جو نزاکت اور لطافت مجھ میں ہے — خواب میں تجھ کو نہ ہو اُس کا خیال
روشنی میری ہے کچھ ایسی سفید — دھوپ کو ہے جس کے آگے انفعال
گیس اور بجلی کا جوہر مجھ میں ہے — واہ رے میں اور مرا جاہ و جلال
رکھا جاتا ہوں میں اکثر میز پر — لوگ کرتے ہیں مری عزت کمال
منحصر ہے مجھ پہ رونق بزم کی — ہے مجھی سے آجکل فیشن بحال
اپنی عزت کی خبر لے او گنوار — سنخ بگڑی تو ذرا اپنی سنبھال
جیسا تو ویسا ہی ڈیوٹ ہے ترا — ہے ترا سامان تیرے حسبِ حال

ہیں فرشتے ویسے جیسی روح ہے
اے دیے صادق ہے تجھ پر یہ مثال

لمپ کی باتیں دیے نے جب سنیں — ہو گیا غصے سے فوراً جل کے لال
لمپ سے کہنے لگا او بے شعور — بڑھ نہ اتنا تو زباں اپنی سنبھال
برتری کا مدعی ہے تو - چہ خوش — پہلے منہ اپنے گریباں میں تو ڈال
روغنِ قاز اپنے منہ پر مل کے تو — کیوں عبث کرتا ہے مجھ سے قیل و قال

میں پڑا ہوں نشاں اس ملک کا — کیا نہیں معلوم تجھ کو میرا حال
ہو مبارک تجھ کو تیری ٹیپ ٹاپ — جانتا ہوں میں جو ہے اس کا مآل
تیری قیمت سے گراں سب بے انتہا — ہے غریبوں کو ترا لینا محال
لوٹتی ہے آئے دن جیبیں تری — ڈالی آنے روز کا ہے یہ وبال
خوشنما ہے تو۔ مگر تیرے لئے — ہر کس و ناکس کہاں سے لائے مال
تجھ سے روشن ہیں امیروں کے مکان — روشنی سے میری ہیں مفلس نہال
میں ہوں اک کم خرچ اور بالانشین — لوگ کہتے ہیں مجھے دمڑی کا لال
ساتھ دیتا ہوں غریبوں کا مدام — موت ہو یا زندگی۔ ہو کوئی حال
بعد مردن قبر پر جلتا ہوں میں — تجھ میں پائی جاتی ہے کب یہ مثال
میں سودیشی تو بدیسی یاد رکھ — تجھ پہ آیا چاہتا ہے اب زوال
دشمن سودیشی کی ہے اہل ہند کو — گر یہی حالت رہے گی چند سال
تیرا رہنا ہوگا پھر مشکل یہاں — گھر سے باہر سب تجھے دیں گے نکال

اے وجاہت اس کی کچھ حاجت نہیں
لیمپ سے کہہ دو کہاں سے اب وہ چال

وجاہت صدیقی جھنجھانوی

غزل جناب حکیم عابد علی صاحب کوثر خیرآبادی

لے گئی وہ جگر و دل کو ادا سے پہلے — وار قاتل کا چلا تیغ قضا سے پہلے
ہاتھ کاٹے گئے آغاز دعا سے پہلے — ہم سزایاب ہوئے جرم و خطا سے پہلے
صدمۂ رشک اٹھانے کی مجھے تاب نہیں — ملے تلووں سے مرے دل کو حنا سے پہلے
وصل کا لطف مری جان کدورت میں نہیں — کھولئے دل کی گرہ بند قبا سے پہلے
طلب یار میں اسطرح مٹادی ہستی — ہم فنا ہو گئے الفت میں فنا سے پہلے
جان دینے کو کہا میں نے تو ہنسکر بولے — آدمی مر نہیں سکتا ہے قضا سے پہلے

ظلم سہ سہ کے ہمیں سے ئے یہ بگاڑی عادت وہ تو واقف ہی نہ تھے جور وجفا سے پہلے

ہجر میں اک بتِ کافر کے ہوا حال تباہ
گو نثرؔ آگاہ نہ تھے آہ و بکا سے پہلے

غزل مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی

اونکے پہلو سے ہم جو روکے اُٹھے
بولی تقدیر خوش تو ہوکے اُٹھے

زلف برہم نشہ مستی چشم
اس ادا سے وہ آج سوکے اُٹھے

اپنے پہلو میں کیوں بٹھاتے ہو
اس سے حاصل ہی کیا جو رو کے اُٹھے

غمزدے تیرے جسجگہ بیٹھے
آنسوؤں سے زمیں بھگو کے اُٹھے

ہے ہر اک سے خفا نگاہ ستم
چشم بد دور یوں وہ سوکے اُٹھے

اُٹھنے دیر و حرم سے حضرتِ دل
کیا ملے گا جو بات کھو کے اُٹھے

تیرے مستوں کو ہوش یوں آیا
جیسے کوئی جوان سوکے اُٹھے

دل کو محشر دعائیں دے کے چلے
خوب دنیا سے شاد ہو کے اُٹھے

محمد عبد الحفیظ خان رشک گلشن آبادی شاگرد قدیم حضرت فصیح الملک داغ مرحوم

کیا بنا ہو گے محبت بس اجی بیٹھے رہو
دیکھ لی چشمِ مروت ۔ بس اجی بیٹھے رہو

غیر کے قصے کہانی سے تمہیں فرصت کہاں
تم سنو دل کی مصیبت ۔ بس اجی بیٹھے رہو

رب کیسا دو دلکی صاحب سلامت بھی نہیں
ہے اسیکا نام الفت ۔ بس اجی بیٹھے رہو

دلکی حالت پوچھنے پر ہو گئے تنے خفا
یہ بھی تھی کوئی شکایت ۔ بس اجی بیٹھے رہو

ملنے والے سے نہ ملنا اور ملنا غیر سے
ہے یہ میری ہی تو عادت بس اجی بیٹھے رہو

کان تک آنے نہ دینا ماجرائے رنج و غم
ذکر سے بھی میرے نفرت ۔ بس اجی بیٹھے رہو

غیر کی تعظیم ہو وہ بھی ہمارے سامنے
خوب کی قدرِ محبت ۔ بس اجی بیٹھے رہو

مجھ سے جو وعدے کئے جائیں عدو سے ہوں وفا — سن چکا ہوں سب حقیقت بس اجی بیٹھے رہو
رشک نے دیکھے ہیں تم سے سیکڑوں محشر خرام
کیا اوٹھاؤ گے قیامت - بس اجی بیٹھے رہو

عزیز مرزا محمد ہادی لکھنوی

یقیں ہے تجھ سے ملاقات اوس سے ہو جائے — تری تلاش میں پہلے جو آپ کھو جائے
مریض ہجر سے یہ کہہ رہا ہے درد جگر — کہ آج رات کو ہوتی ہے جو وہ ہو جائے
قبول عشق نہیں ضبط گریہ کی تدبیر — یہ داغ وہ نہیں جو دل سے میرے دھو جائے
خدا قبول کرے یہ دعا ہے جذبۂ دل — کہ میری طرح محبت اوسے بھی ہو جائے
صدا بلند ہے یہ داد سے محبت میں — متاع عقل کو رکھ دے اوسے جو جائے
اوبھارتے ہو کہ نالہ بقدر طاقت ہو — تو یہ کہو کہ قیامت ہی کیوں نہ ہو جائے
عزیز آئینہ میں اپنی شکل تو دیکھو
خدا کرے نہ محبت کسی سے ہو جائے

جناب مولوی محمد ریاض حسن خان صاحب المتخلص بہ دانش و خیال رئیس سولپور

دل ہر اراہب راہ ہدا میجوید — قبلہ پیش نظر و قبلہ نما میجوید
ہر کجا میگزرم ذکر ترا می شنوم — ہر کرا می نگرم قرب ترا میجوید
مرجع ہر دو جہانست در پیر مغاں — مقصد خویش از و شاہ و گدا میجوید
دل کشد زحمت دوراں و بخود می بالد — نخل از باد خزاں نشو و نما میجوید
مے صافی طلبد صوفی صافی مشرب — ہر کہ از اہل صفا ہست صفا میجوید
جنس دانش بہ بغل آمدہ پے سودا آتش
از شما یک نظر لطف بہا میجوید

فقط

معذرت۔ دیسی کاغذ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس مرتبہ قسم اول کا رسالہ مجبوراً ولایتی کاغذ

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۵۱

اردوے معلی

نمبر ۳ | بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۷ء | جلد ۹

مرتبہ سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے

فہرست مضامین

مقام اشاعت دفتر اردوے معلی علیگڈھ

اردو پریس علی گڈھ میں طبع ہوا

قیمت رسالہ تسم (۲)   (۲) روپے چار آنے

نوٹس کتب

(۱) احوال علمائے فرنگی محل از مولوی شیخ الطاف الرحمن صاحب میں بڑا گاؤں ضلع بارہ بنکی تقطیع ٢٠×٢٦ / ٨ حجم ۴م صفحے قیمت نامعلوم حضرت مولف سے لکھنؤ۔ فرنگی محل کی پتہ سے ملسکتا ہے۔ اس سے قبل آثار الاول من علماء فرنگی محل کے نام کا ایک عربی رسالہ حضرت مولانا مولوی قیام الدین محمد عبد الباری کی تصنیف سے شائع ہو چکا ہے۔ اب اسی انداز پر شیخ الطاف الرحمن صاحب نے یہ رسالہ اردو زبان میں لکھکر ملک کو زیر بار احسان کیا ہے۔ فرنگی محل سے علم و فضل کا دریائے فیض مدت سے جاری ہے اسلئے علماء فرنگی محل کے حالات کا یکجا ہونا ایک ضروری امر تھا۔ اس ضرورت کو ایک حد تک اس رسالے نے رفع کر دیا ہے۔ ناظرین اسکے مطالعے سے ضرور مستفید ہوں۔

(۲) رسالہ جواز سود من تصانیف جناب مولوی عبد الصمد صاحب معلم دینیات مدرسۃ العلوم علیگڈھ تقطیع ٢٠×٣٠ / ١٦ حجم ۴۸ صفحے۔ قیمت ۳ علاوہ محصولڈاک دفتر اردوی معلی سے ملسکتا ہے۔ اس رسالے میں حضرت مصنف نے جواز سود کے باب میں نہایت قوی منقولی دلائل پیش کئے ہیں اور علوم خادم قرآن کی رو سے حرمت اضعاف و حلت مطلق کو بڑی خوبی سے ثابت کیا ہے۔ بہرحال یہ رسالہ ضرور اس قابل کہ علمائے اسلام کی نظر سے گذرے اور وہ اسکے مطالعے کے بعد مصنف کو مسئلہ سود کے باب میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

(۳) بشارات ... ۔ از مولوی حافظ محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اڈیٹر رسالہ اہادی سیالکوٹ حجم ۶۵ صفحے تقطیع ٢٠×٢٦ / ١٦ قیمت ۲ مولف سے طلب کرنا چاہیے۔ اس رسالے میں دیگر مذاہب کی معتبر کتابوں ... (وید، توریت و انجیل) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت بشارتیں نقل کرکے آپ کی صداقت نبوت ظاہر کی گئی ہے۔ رسالہ قابل خرید ہے۔

(۴) مصطلحات طبیہ۔ مولفہ جناب حکیم محمد ہدایت الحسن صاحب موہانی سند یافتہ مدرسہ تکمیل الطب لکھنؤ حجم ۹۰ صفحے تقطیع ٢٠×٢٦ / ١٦ قیمت ۲ مولف سے سعد آباد ضلع متھرا کے پتے سے طلب کرنا چاہیے۔ اسمیں چھ سو کے قریب فن طب کی اصطلاحیں اردو۔ فارسی۔ عربی اور انگریزی زبان میں دی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سحر لکھنوی

(از سنہ ۱۸۰۲ء غالباً تا سنہ ۱۸۵۸ء)

نام و خاندان شاعری | شیخ امان علی نام ولد شیخ محمد امین لکھنوی سحر تخلص، پہلے ناسخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے ان کے بعد برق شاگرد ناسخ سے نسبت تلمذ درست کی غرضکہ سلسلۂ ناسخ ہی کا قایم رہا۔ چنانچہ ایک موقع پر خود کہاتے ہیں ؎

ہو قیامت شعر میں اپنے نہ کیونکر اے سحر — دونوں صحبت اٹھائی ناسخ مغفور کی

طرز معاشرت | لاابالی مزاج اور وارستہ طبیعت ایسے تھے کہ رفع شر کے خیال سے متروکۂ پدری سے خود دست بردار ہو گئے اور فرمایا ؎

تر کے کے لئے کون عزیزوں سے لڑے — جیتے ہیں سدا دہر میں چھوٹے نہ بڑے
باپ آج موا بیٹے کو کل مرنا ہے — دو دن کے لئے کون بکھیڑے میں پڑے

قرب امرا کے بھی بہت کم خواہاں ہوئے کیا معنی کہ بجز نواب محمد احسن خاں کی سرکار سے کہ وہاں بھی چند روز تک نواب موصوف کی قدردانی و سخن شناسی سے انہیں برسر ملازمت رکھا[1] اور کسی رئیس کی نوکری انہوں نے نہیں کی۔ امجد علی شاہ کے عہد میں دربار شاہی سے بھی توسل ہو گیا تھا مگر وہ بھی چند روزہ ثابت ہوا۔ مشاعرہ شاہی میں شرکت کی علاوہ یہ ایک ہفتہ وار مشاعرہ اپنے مکان پر بھی کیا کرتے تھے چنانچہ ایک غزل کے آخر میں لکھتے ہیں ؎

کفش خانے کو جو احباب سرفراز کریں — آٹھویں روز اسی طرح کا جلسا ہو جاسے

---

[1] اس باب میں یہ ایک موقع پر لکھتے ہیں ؎

لکھنو میں آجکل جتنے طبیعت دار ہیں — بندۂ احساں ہیں سب نواب فیض آثار کے
دام گیسوئے سخن کی کشش ہے اے سحر — ہم سے آزاد اور یوں پابند ہوں دربار کے

چار غزلیں ہوں مہینے کی تو کیا لکھیں سحر　　کاش اسی حیلے سے دیوان ہمارا ہو جائے

لیکن یہ حالت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی اور گردش روزگار سے روشناس بے زری کر کر انہیں کانپور پہونچایا جس کا کچھ بیان انہیں کے الفاظ میں اسطرح پر ہے کہ ؎

جب سے ہم لکھنو سے آئے ہیں　　بخت ایذا رساں اٹھائے ہیں
آج تمباکو تک بھی پاس نہیں　　مفلسی نے دھوئیں اڑائے ہیں

واضح ہو کہ اس عہد میں کانپور ملک اودھ کا کالا پانی سمجھا جاتا تھا اور اہل لکھنو کی عیش پسند طبیعتوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی سزا نہ تھی کہ وہ گنگا پار کر دیئے جائیں۔ یہی سبب ہے کہ لکھنو کے جن جن شعرا کو کانپور آنا پڑا ان سب نے اس کی ہجو میں بہت کچھ مبالغے سے کام لیا ہے۔

وضع و لباس | حضرت صفیر بلگرامی لکھتے ہیں کہ "سحر وضع کے یکتا تھے۔ جب پہنا ایک ہی رنگ کا لباس پہنا جس کپڑے کی ٹوپی اسی کا انگرکھا اسی کا پائجامہ بلکہ جوتے پر بھی وہی کپڑا منڈھا ہوا آدمی حسین جامہ زیب تھے اس پر وارستگی کی بہار۔ اکثر کس کی پوشاک کبھی گیروی کبھی صندلی مگر سب ایک رنگ" بلکہ محمد تقی خانصاحب کانپوری شاگرد حضرت رشک نوہانگ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی آپ خس کی پوشاک بھی زیب بر کر کے اس رنگ سے نکلا کرتے تھے کہ انگرکھے پائجامے ٹوپی کے علاوہ آپ کا جوتا اور عصا بھی خس پوش ہوتا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد خادم آپ پر پانی چھڑکتا جاتا تھا۔

شاگرد | سحر کے شاگردوں میں سے قدر بلگرامی۔ صفیر بلگرامی۔ اور نواب محمد تقی خاں لکھنوی حسام تخلص صاحب دیوان گذرے ہیں۔ قدر کا تذکرہ دوسرے حصے میں ہو چکا ہے۔ صفیر اور حسام کا حال بھی کسی موقع پر لکھا جائیگا۔

خاتمہ | غدر میں ان پر بڑی مصیبت پڑی۔ بھاگ کر انہیں پیدل چلنا پڑا۔ کچھ دنوں کاکوری میں رہے کچھ دنوں بلگرام میں اور کچھ دنوں فرخ آباد میں۔ یہاں تک کہ غدر تمام ہوا ...... انکو بے لکھنو کے کل کہاں۔ چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں کسی گانوں میں ہیضہ کر کے انتقال کیا۔ نہ اس گانوں کا نام معلوم ہے نہ انکے مزار کا پتہ صحیح ہے شاعر کی زبان فال ہوتی ہے۔ خود کہہ گئے ہیں ؎

دنیا میں نام مرد بہ از زر رہے سحرؔ — یوں مٹے گور کا بھی نہ باقی نشاں رہے[1]

سحرؔ کی شاعری

شعرائے لکھنؤ کے مشترک عیوب یعنی (۱) ضلع جگت کی کثرت (۲) بدمذاقی (۳) اور پست مذاقی کی بنا پر عامیانہ قوافی کا انتخاب (۴) تیز بے اثری کے لحاظ سے سحرؔ کا کلام بھی رندؔ و صباؔ کے کلام سے بہت کچھ مشابہ ہے البتہ ایک خصوصیت انکی شاعری میں ایسی ہے جس کا جواب لکھنؤ کے بھی کسی شاعر کے دیوان میں نہیں مل سکتا حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ سخن سنجان لکھنؤ نے لطف زبان اور خوبی محاورہ کو مضمون اور بیان پر ہمیشہ ترجیح دی ہے وہ خصوصیت یہ ہے کہ لکھنؤ کی اصلی زبان اور سچے محاوروں کو انہوں نے اس حسن و خوبی اور بے تکلفی سے اپنی شاعری میں صرف کیا ہے کہ ہر پایہ شناس اور انصاف پسند طبیعت کو ان کی یکرنگی اور یکتائی کا مجبوراً قائل ہونا پڑتا ہے۔

ضلع جگت کی مثالیں

رو رو کے نالے پہ اگر سونے کے چھڑی بولے — جنوں میں توڑ کے لوہے کی بیڑیاں پہونچا
تصور قبر میں آیا جو اس قاتل کی افشاں کا — میں سمجھا کوئی توڑا کھلگیا گنج شہیداں کا

نمونۂ بدمذاقی

ہوگیا یاروں کی غضب آتی ہے بیخانہ سے — اک ہبکت ہوا ہے ہر روز مسالا تیا
قبر میں رہ رہ کے جی گھبرائے گا — یار کا کمرا بہت یاد آئے گا
کاہے کو بیچا سے سوبات روز — عشق کیسا کہیں دن نبہ ہوئیگا

پستی مذاق کی بنا پر عامیانہ قوافی کا انتخاب

بجلی چمکی کمر یار نے بل کھایا — جھک پڑی کالی گھٹا زلف نے جھونکا کھایا

[1] ماخوذ از تذکرہ جلوۂ خضر مصنفہ صفیر بلگرامی صفحہ ۱۰۲ جلد دوم حصہ اول

دوڑا کر ابروے قاتل کی بلائیں لے لیں بیٹھے بٹھلائے آپ نے ہاتھ میں تیر کا کھایا
طائر مرغ کو واسطے پر لگایا قاتل دل پہ ہمنے تیری بندوق کا چھرا کھایا
دشت غربت میں جو یاد آیا گھر اپنا انکا چوم کر شیر کا مونہ ہمنے طمانچہ کھایا

یہی لکھا ہے جو مل جائے تو نعمت ہے سحر
دیکھتا کون ہے غم کھایا کہ کھانا کھایا

خاص لکھنؤ کی زبان اور محاورے

احباب کی صحبت سے دل اپنا نہ اٹھیگا ٹکڑا ہی کا کیوں نہ ہے اکیلا نہ آنے کا
اللہ کے گھر میں جس میں گھوڑ ونگا بتوں کو تسبیح کی مسجد سے مصلا نہ اٹھنے کا
نقد دل رو دیں جا بیٹھے یہ مال ہر کیا مال ہم ہوا میں جو بیٹھے ہیں تو کیا کیا نہ بکا
ہر وقت ہے دل میں تری بلبلوں کا تصور ہرگز مری گو ہی سے یہ پنجرا نہ اٹھیگا

ماسے شب وقت ہے یہ مت لگے نہ ہو قوت
جب تاک کے چلے کا مسئلہ نہ آنے کا

ہم تو مطلب ہی سمجھتے ہیں نہیں بات کی گوں غیر سے کون سی آن سے ملاقات کی گوں
ایسے جھیٹوں میں یہاں کب آتا ہو کہیں آبرو وقر آہ وہ وقت یہاں کس کو ہے تیرے بات کی گوں
عشق گیسو میں سر شام سے مر رہتا ہوں ان کو تشریف وہ لائیں تب نہیں رات کی گوں
حال پوچھو نہ شب وصل کہ ہے صبح قریب وقت اسے یار نہیں حرف و حکایات کی گوں

معنی کے سمجھتے ہیں سحر تیرے سخن میں ہر کلام
قدرت اللہ کی ہے ہیت ہی ہو گئے بات کی گوں

اُڑتا ہے عاشق ونکاری یار دل میں رنگ ہولی کا بہانہ کھیلنے ہیں ہر گلی میں رنگ
تاثیر دیکھنا لب رنگین یار کی کھینچا ہے دم کو جو تمکدیا ہر کلی میں رنگ
نکلے ہزار گیرو سے کپڑے رنگ کر ہم لیکن کبھی جما نہ تمہاری گلی میں رنگ
سرخی سے گلے سے ہوئی نکلتی ہر پان کی آیا کہاں سے یار کی چھپا کلی میں رنگ

رندو چلو اٹھا رہے کے زاہد کو بھی لیں ‏ ‏ نوروز ہے وہ لپٹ رہے ہیں کلی پری نکا

سب بے محل عاشقی سو در گذر سے ‏ ‏ کہیں پر چھ سکے جگر گذرے

تاثیر کلام کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ شاعر کا دل عشق حقیقی یا مجازی کی کیفیت سے آشنا ہو لیکن چونکہ لکھنؤ کے عہد شاہی میں ہوس پرستی کے سوا ان دونوں میں سے کسی کا وجود نہ تھا اسلئے اس زمانہ کے تقریباً کل شاعروں کی غزلیں اثر سے بیگانہ نظر آتی ہیں۔ البتہ عیش پسندی اور عشرت پرستی کی بنا پر اہل لکھنؤ کو دنیا سے لکھنؤ اور بادشاہ لکھنؤ کے ساتھ بیشک خالص محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ان کی شاعری اس قسم کے مضامین سے متعلق ہوتی ہے وہاں حقیقت کا لطف اور اثر کی جھلک بھی ضرور نمودار ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو

جمع ہیں رنگیں ادا میلا ہے قیصر باغ میں ‏ ‏ ہر روش پر نور کا جلسا ہے قیصر باغ میں
سامنا سلطان عالم کا ہے قیصر باغ میں ‏ ‏ سب کو اپنے رنگ پر کھینچا ہے قیصر باغ میں
گبرو ہر ایک کا جوڑا ہے قیصر باغ میں

سچ اگر پوچھو تو سب ہیں جان عالم پر فقیر ‏ ‏ بھرتے ہیں الفت کا دم طفل و جوان برنا و پیر
جس گرو کے سب ہیں چیلے ہے بڑا وہ شہ فقیر ‏ ‏ مرشد کامل ہے فن عشق میں بے نظیر
جو ہے اوسکے رنگ میں ڈوبا ہے قیصر باغ میں

پاک و پاکیزہ زمیں دھویا دھلایا آسماں ‏ ‏ تازہ تر ہر شجر نکھرا ہوا ہر نوجوان
باغ سب شاداب سبزہ لہلہا آب رواں ‏ ‏ نہریں جاری ہیں ہر طرف لبریز کیاریاں
تختہ جنت اتر آیا ہے قیصر باغ میں

سبزہ رنگوں کا ذخیرہ مجمع اہل سخن ‏ ‏ اپنے اوپر شعر خود پڑھتا ہے یار گلبدن
آنکھیں ہیں بادام لب عناب ہیں پستہ دہن ‏ ‏ اک درخت اور اتنے میوہ کیوں نہ زیبا ہو چمن
جو شجر ہے غیرت طوبیٰ ہے قیصر باغ میں

سامنا اس باغ میں آٹھوں پہر حضرت کا ہے ‏ ‏ برجیاں اکثر کی ہیں یہ از حضرت کا ہے
وردِ مرغانِ چمن ہر شور حضرت کا ہے ‏ ‏ نو عروسانِ چمن سے دلہیں گھر حضرت کا ہے
واہ کیا کیا نور کا تڑکا ہے قیصر باغ میں

خوب نظارہ نہیں ترٹوٹی ہر آنکھ ہر معشوق کی — پتی پتی پر گڑی ہے آنکھ ہر معشوق کی
ہر شگوفے سے لڑی ہر آنکھ ہر معشوق کی — نونہالوں پر پڑی ہے آنکھ ہر معشوق کی

ہر شجر نرگس کا گلدستہ ہے قیصر باغ میں

نہر پر کس برق زوش سے آکے چھیڑا ہو ملا — آسمان کا عکس ہے پانی میں یا ہر بہار
ہے زبان موج پر ہر دم یہ شعر آبدار — سا قیا تجکو مبارک ہو لب جو کا کنار

بہ نکلا ہے کوثر اک دریا ہے قیصر باغ میں

صورت سرو لب جو لم گرتے ہیں ہشیار — ہیں ہزاروں نور کے ایک ایک لم میں چار چار
شعلہ آواز سے روشن ہیں جو لم ہیں یار — آگ پانی میں لگانے کی ہیں صنعت آشکار

چشمہ خورشید کا جلوہ ہے قیصر باغ میں

اے شہ بعد از نماز اپنی رہا ہے صبح و شام — جا بعالم ہے حقیقت میں خدا رکھے یہ نام
سیر کرنیکو عزیز و تک و یاسے مسلم عام — شہر پڑھتے پھرتے ہیں بانگیں یاں لڑکیں کلام

ہر چمن میں ڈیرہ پھولوں کا ہے قیصر باغ میں

خوش رہیں سلطان عالم یہ چمن ہو اپنے پہلے — ہر برس سیریں کریں ہم یہ چمن ہو اپنے پہلے
جمع ہوں یکرنگ باہم یہ چمن ہو اپنے پہلے — کہتی ہیں پریاں بھی جم جم یہ چمن ہو اپنے پہلے

کیا اکھاڑا راجہ اندر کا ہے قیصر باغ میں

دیکھو بہار حسن خدا داد باغ میں — کیا سرو قد کھڑے ہیں پریزاد باغ میں
خیمہ بھی ہے سحاب کا استاد باغ میں — پہرے پہ ہیں صنوبر و شمشاد باغ میں

شاید حضور آئے ہیں عباد باغ میں

لانے کی ملٹنیں ہیں برابر جمی ہوئی — وردی سیاہ و سرخ نئی قطع کی ہوئی
موج ہوا کے ہاتھ نہیں کر چپ آئی ہوئی — غنچوں کی آستینیں ہیں پر آتی چڑھی ہوئی

کھولے نشان سوسن آزاد باغ میں

میلہ ہے نونہالوں کا اللہ رے ازدحام — گل کا کٹورا بجتا ہی رہتا ہے صبح و شام
شادی کے گھر میں ہوتی ہے جسطرح دھوم دھام — کھینچا ہے نقشہ گلشن ایجاد کا تمام

کیا کیا ہیں بیاں چمن کے ایجاد باغ میں

جھولے پہ لطف دیتی ہے مینہ کی پھوار کیا　　بائیں کی کیا گمک ہے صدائے ستار کیا
اک برق وش نے چھیڑا ہے آکر ملار کیا　　آتا ہے جھوم جھوم کے ابر بہار کیا

اترے گا بن کے تخت پری زاد باغ میں

رنگ بہار عیش سے ایسا جما ہوا　　گل کا پیالہ کہتا ہے دور ہے پھول کا
شمشاد جھومتے ہیں لب نہر جا بجا　　مینا سے سرو کو نہ کہیں لے اڑے صبا

سو بار پڑھیکی ہے یہ افتاد باغ میں

اب کی بہار ایسی مبارک ہوا ہے شہر　　باغ جہاں میں نخل تمنا ہو بار ور
نخل مراد میں سنئے آیا کریں ثمر　　سرسبز یہ چمن رہے گل اسکی آل پر

ذرات چہچہے رہیں سجاد باغ میں

اک رنگ خاص ہے کہ وہ اپنے سخن میں ہے　　مشہور دور دور ہوں مسکن وطن میں ہے
فانوس میں یہ شمع ہے تو انجمن میں ہے　　بلبل کے چہچہے کا تکلف چمن میں ہے

نواب نامدار کریں یاد باغ میں

اہل بصیرت دیکھیں گے کہ مندرجہ بالا مخمسوں اور ان کے اس واسوخت سے جسے ہم حصہ نظم میں درج کریں گے لکھنؤ کی زبان اور محاوروں کے علاوہ وہاں کے طرز معاشرت اور رنگین طبائع کی ایک ایسی تصویر سامنے آجاتی ہے جس کا نظارہ اور کسی صورت سے نہ ہو سکتا تھا۔ اب آخر میں ہم سحر کی چند پسندیدہ غزلیں اور متفرق اشعار نقل کرکے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

رنج و غم ہجر کے گذر ہی گئے　　اب تو وہ دھیان سے اتر ہی گئے
روز جانے میں لت رہا کی ہے　　دوسرے تیسرے ادھر ہی گئے
تیرے آتے ہی جی اٹھے وہ بھی　　مرنے والے ہزار دم مر ہی گئے
واہ رے پیچ و تاب گیسو کے　　بال بکھرے بھی اور سنور ہی گئے
آج وان یاد عاشقوں کی ہوئی　　کوئی کہتا تو تھا سحر ہی گئے

نزدیک ہیں دلوں سے بظاہر ہیں سب سے دور — بیٹھے ہیں بزم یار میں پاس ادب سے دور
افسردہ دل ہیں اور کو افسردہ کیا کریں — خود ہٹ گئے ہیں محفل عیش و طرب سے دور
یہ بات بزم اہل مروت سے ہے بعید — اتنا نہیں ہے پاس کہ بیٹھے ہیں کب سے دور
حیران تک سمجھتے ہیں مرزا نوش مجھے — بیٹھا ہے آکے کیا سگ جاناں ادب سے دور
مغفور کہہ کے نام محشر کا لو بتو
قرآن درمیان رکھو اور اب سے دور

منہ سے جب حرف ناسزا نکلا — پھر لطیفے کا لطف کیا نکلا
مری سودائی ہیں ہمیشہ کا — آج اس کوچہ میں بھی آ نکلا
منتظر کب سے ہیں صبوحی کے — آفتاب ابو صافیا نکلا
ذکر گیسوئے یار سے بگڑی — یہ لڑائی کا سلسلہ نکلا

حور سنت قبر میں وہ پاس نہیں — بندہ اتنا تو بدحواس نہیں

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے — یہ سب کچھ ہوا ہم اکیلے رہے

فقط

تاریخ اسلام پر ایک سرسری نظر

نمبر ۴

سلاطین ہندوستان سبکتگین اور محمود کے حملوں کے بعد جو گرجتے برستے بادلوں کی مانند آئے اور چلے گئے ان کے جانشین غوریوں نے بہ کردگی شہاب الدین ۱۱۹۱ء میں ہندوستان میں مستقل سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کیا اور راجہ جے چند والی قنوج کے ترغیب دینے پر پرتھوی راج والی دہلی پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ اوسے ناکامیابی ہوئی مگر ۱۱۹۳ء کے دوسرے حملے میں شہاب الدین نے تھانیسر کے میدان میں پرتھوی راج کو شکست دی اور اجمیر و دہلی کی سلطنت پر اپنے غلام قطب الدین ایبک کو بٹھا کر غزنی واپس گیا۔ دوسرے سال اسنے پھر ہندوستان آکر راجہ جے چند سے سلطنت قنوج چھین لی۔ اپنے غلام بختیار خلجی کو فتح بنگالہ کے لئے روانہ کرکے خود واپس ہوا اور خراسان پر حملہ کرتے وقت گکھڑوں کی ایک جماعت کے ہاتھ اپنے خیمہ میں سوتا ہوا قتل کیا گیا۔ مگر ہندوستان پر مسلمانوں کا قدم مستقل طور پر جم گیا تھا اور شمال میں قطب الدین اور مشرق میں بختیار خلجی حکمرانی کرتے تھے۔ یہ خاندان غلام خاندان کہلایا جاتا ہے جسنے ۱۲۰۶ء سے لیکر ۱۲۹۰ء تک حکومت کی۔ قطب الدین، التمش رضیہ بیگم اور غیاث الدین بلبن اسمیں بہت مشہور بادشاہ ہوئے ہیں۔ بلبن اور اسکا بیٹا محمد دونوں علوم کے بہت شایق تھے اور علما فضلا کی بہت قدردانی کرتے تھے۔ اس زمانہ میں پنجاب سے لیکر بنگالہ تک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ ان بادشاہوں نے ہندوستان میں بڑی بڑی یادگاریں چھوڑیں اور ۱۲۵۰ء میں دہلی ایک بہت بڑا دارالسلطنت بن گیا جہاں ہر قسم کے غیر ممالک کے علما اور صناع جمع تھے اور ان کی اسطرح قدر منزلت کیجاتی تھی جیسی ایک زمانہ میں بغداد میں کی گئی تھی۔ کیقباد اس خاندان کے اخیر بادشاہ کے قتل کے بعد خلجیوں کا رواج ہوا جسمیں علاء الدین خلجی کا نام نہایت موٹے حرفوں میں لکھنے کے قابل ہے۔ اسنے راجپوتانہ پر حملہ کرکے چتوڑ گڈھ کو فتح کیا۔ مہاراشٹر کو مسخر کیا اور جنوبی ہند میں اسکے جنرل ملک کافور نے تلنگانہ۔ کرناٹک اور رامیسورم تک سلطنت دہلی میں شامل کرکے خلجیوں کی حکومت کو تمام ہندوستان میں پھیلا دیا۔ مگر یہ ترقی بہت تھوڑے زمانہ کی تھی۔

علاؤالدین کی وفات کے بعد اُسکے بیٹے مبارک سے بار سنبھل نہ سکا اور خسرو خان ایک نومسلم
غلام نے اوسے قتل کرکے تخت چھین لیا۔ غازی خان تغلق پنجاب کے گورنر نے ایک ذلیل
قوم کی یہ دلیری دیکھکر اسپر حملہ کیا اور ۱۳۲۰ء میں اُسے قتل کرکے غیاث الدین تغلق کے نام سے
ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ محمد تغلق اور فیروز تغلق کا زمانہ اس خاندان میں یادگار گذرا ہے۔ اول الذکر
اپنی بیوقوفی اور جور و تعدی کیوجہ سے اور آخر الذکر اپنی رعایا پروری اور امن پسندی کیوجہ سے۔
اول الذکر کے زمانہ میں دہلی سے دیوگری پایۂ تخت منتقل کیا گیا اور تانبے کا سکہ چلایا گیا۔ اور
آخر الذکر کے زمانہ میں بکثرت پل بنائے گئے اور نہریں کھدوائیں۔ تغلقوں کے اخیر زمانہ
میں دکن میں بہمنی خاندان کی ایک خودمختار سلطنت قائم ہوگئی اور ۱۳۹۸ء میں تیمور گورگان نے
ہندوستان پر حملہ کیا۔ تغلقوں کے بعد شاہان سید اور لودیوں کے خاندان نے
بعد دیگرے ۱۴۱۴ء سے ۱۵۲۶ء تک حکومت کی ہے۔ اور جنوبی ہند میں سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی
نے ایک ایسی سلطنت قائم کی جسنے دو سو برس تک نہایت جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی
علم کو ترقی دی۔ ملک کی حالت درست کی اور تمام ہندو راجاؤں کو شکست دیکر دکن میں ایک
مرکزی قوت قائم کی۔ بہمنیوں کے بعد دکن میں مسلمانوں کی پانچ سلطنتیں بیدر۔ برار۔ احمدنگر
بیجاپور اور گولکنڈہ میں قائم ہوئیں اور شمالی ہند میں پانیپت اور سیکری کی فتوحات نے بابر کے
قدم ہندوستان میں جما دیئے اور مشہور و معروف خاندان مغلیہ کی ابتدا ہوئی۔ چار برس کے اندر
تمام ہندوستان سوائے بنگال و بہار اور باستثنائے گجرات کے بابر کے قبضہ میں آگیا۔ ہمایوں نے
اپنے زمانہ میں خاندیش۔ احمدنگر۔ برار اور چتور گڈھ پر قبضہ کیا۔ اور بہادر شاہ بادشاہ گجرات کو شکست
دے کر اسکا ملک اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ مگر بکسر کی شکست میں جو شیرشاہ کے مقابلہ میں
اُسے نصیب ہوئی تمام ہندوستان مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور ہمایوں کو بمشکل جان بچا کر
شاہ طہماسپ والی ایران کے ہاں پناہ لینی پڑی۔ سنہ ۱۵۴۰ء سے ۱۵۵۵ء تک خاندان سور کی
حکومت ہندوستان پر رہی جسمیں صرف شیرشاہ کی ذات قابل ستائش ہے۔ اسنے پانچ برس
ہندوستان پر ایسی خوبی کے ساتھ حکومت کی کہ یہ زمانہ تاریخ ہند کے بہترین زمانوں میں شمار کیا جاتا
ہے۔ دیوانی انتظامات میں اسنے ہر طرف اصلاحیں کیں۔ انڈس سے لیکر بنگال تک دو ہزار

پیل لمبی ایک سڑک بنوائی جسکے دونوں طرف سایہ دار درخت لگے تھے اور جگہہ جگہہ کوئیں اور سرائیں بنی تہیں۔ سب سے پہلے اسنے سواروں کے ذریعے خطوط رسانی کا طریقہ ہندوستان میں جاری کیا اور ۱۵۴۵ء تک نہایت امن و امان کے ساتہ حکومت کرکے بندیلکہنڈ میں جبکہ قلعہ کالنجر کے محاصرہ میں مصروف تہا بارود کی ایک میگزین کے پہٹ جانے سے زخمی ہوکر دارالبقا کو سدہارا۔

۱۵۵۵ء میں پندرہ برس کی جلاوطنی کے بعد ہمایوں نے ایرانی فوج کی مدد سے پہر کابل پر قبضہ کیا اور سور خاندان کے اخیر بادشاہ سکندر کو سرہند میں شکست دی اور دہلی و آگرہ کی جانب متوجہ ہوا اور مظفر و منصور آگرہ میں داخل ہوکر اپنی پرانی سلطنت پر جسے آپ نے اپنا خون جگر بہاکر فتح کیا تہا دوبارہ قابض ہوا مگر تقدیر میں ہندوستان کا آب و دانہ زیادہ نہ تہا۔ اور سال ہی بہر کے اندر سنہ ۱۵۵۶ء میں سیڑہیوں پر سے پہسل کر راہی ملک بقا ہوا۔ اسکا بیٹا اکبر اسوقت تیرہ برس کا تہا۔ بیرم خاں نے اتالیقی کی اور پانی پت کے میدان میں ہیمو بقال کو شکست دیکر سور خاندان کی طرف سے اطمینان حاصل کیا۔ چار سال بیرم خاں کی اتالیقی کا دور دورہ رہا۔ اسکے بعد اکبر نے خود اپنے ہاتہ میں زمام حکومت لی۔ اکبری عہد کا پہلا سال تو محض بغاوتیں فرو کرنے میں صرف ہوا۔ اسکے بعد راجپوتانہ پر حملہ شروع ہوا اور پانچ برس میں جے پور و جودہپور کی تسخیر کامل ممکن ہوئی مگر چتوڑ گڈہ کا راجہ اودے سنگہ اکڑا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکو تمام عمر جلاوطنی کی حالت میں کوہ ارا ولی میں بسر کرنی پڑی۔ راجپوتوں سے فرصت پاکر اکبر نے گجرات کا رخ کیا اور اُسے فتح کرکے بنگالہ افغانوں سے چہینا۔ اسکے بعد احمدنگر کی یلغار اور چاند بی بی کی جوانمردی کے واقعات مورخوں نے آب زر سے لکہے ہیں۔ ہندوستان میں یہ بادشاہ عباس اعظم و پیٹر اعظم سے زیادہ باجبروت تہا اور ترکی سلطان سلیمان عالیشان کی مانند کامیابی اسکی رکاب کے ساتہ رہتی تہی۔ ہندوستان نے اس زمانہ میں وہ ترقی اور سرسبزی حاصل کی تہی جو آجتک اُسے نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا برتاؤ ہندو و مسلمان کے ساتہ یکساں تہا۔ اور اگر ابوالفضل جیسا عالم اسکا وزیر تہا تو ٹوڈرمل جیسا اسکا فینانشیر اور مانسنگہ جیسا اس کا سپہ سالار تہا۔ اکبری زمانہ کے آئین جنہیں ابوالفضل نے مدون کیا ہے آجتک اپنے مقنن بادشاہ کی قابلیت کا اظہار کرتے ہیں۔ بادشاہ کو عمارتوں کا بہت شوق تہا۔ اگرچہ کر

قریب ایک میدان میں فتحپور کا قصر بنوایا تھا جو[1] اس وقت تک بھی ان سوئے ہوئے شہروں کی یاد دلاتا ہے جنگل تھا۔ الف لیلہ میں کھینچی گئی ہے۔ ۱۶۰۵ء میں اکبر کی وفات کے بعد اسکا بیٹا اور ہندوستان کا بھائی شاہزادہ سلیم جہانگیر بادشاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ اسکے زمانہ میں سب سے بڑا خوبصورت نورجہاں بیگم کی تصویر نظر آتی ہے جسکی شرکت میں جہانگیر نے بائیس برس حکومت کر کے ۱۶۲۷ء میں انتقال کیا اور شاہزادہ خرم شاہجہاں کے لقب سے تخت ہندوستان پر بیٹھا۔ اس بادشاہ کو معمار بادشاہ کہتے ہیں اسلئے کہ اسے عمارتوں سے بہت شغف تھا۔ آگرہ کی مسجد تاج بی بی کا روضہ اور دہلی کی جامع مسجد اور قصر شاہی منجملہ ان عمارتوں کے ہیں جو عجائبات عالم میں شمار ہوتی ہیں۔ دہلی کے اس قصر شاہی کا اندرونی[2] حصہ اسقدر پرتکلف ہے کہ نہ آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا۔ ستونوں محرابوں اور دالانوں کی چھت کے حاشیے عجیب و غریب عربی حروف کی گلکاری بلکہ بیل بوٹے قیمتی پتھروں کی ہونگے۔ مرمر میں جڑے ہوئے ہیں۔ آفتاب کی کرنیں جب وقت اپنے شعاعوں میں سے ہو کر اس وجد میں لانے والی پچی کاری پر پڑتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھولوں کے بوٹے رنگ برنگ کا مختلف قسم کے پھول اور دوسرے پتھروں سے بنے ہوئے ہیں گویا زندہ ہو گئے ہیں"

شاہجہاں کی حکومت سے متعلق بیان ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ جس طرح باپ اپنی اولاد پر حکومت کرتا ہے اسی طرح محبت و شفقت کے ساتھ شاہجہاں اپنی رعایا پر حکمرانی کرتا تھا۔ شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب ہندوستان کا مشہور زبردست بادشاہ حکمران ہوا۔ اسکے زمانہ میں تمام ہندوستان مع دکن کے مغلوں کے قبضہ میں آیا۔ اخیر اسکی فتوحات اسکے جھنڈے کے ساتھ ساتھ رہیں اسی طرح فتنہ و فساد بھی ساتھ ساتھ اٹھتا رہا۔ اور گو اسنے پچاس برس حکومت کی اور سیواجی وغیرہ کے خاندان کو تباہ کیا مگر مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو جسکی بنیاد سیواجی نے ڈالی تھی اکھاڑ نہ سکا اور یہی آخرکار سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث ہوئی۔ اسکے جانشینوں میں کوئی ایسا بادشاہ نہیں نکلا جو ہندوستان کے اس عظیم الشان سلطنت کے بار کو سنبھال سکتا۔ مغلیہ حکومت کے کمزور ہو جانے کے بعد [illegible] ہو گئے اور غضب یہ ہوا کہ ایران و کابل کی طرف سے نادر شاہ اور احمد شاہ

---

[1] [illegible] ایضاً

درانی نے یکے بعد دیگرے حملے کئے اور ملک کو خوب لوٹ مار کر چلے گئے۔ مرہٹوں کا زور اس
اخیر زمانہ میں ایسا بڑھ گیا تھا کہ خیال ہوتا تھا کہ مغلوں کے بعد یہی ہندوستان پر حکومت کریں گے
مگر پانی پت کی لڑائی سے جس میں احمد شاہ درانی نے مرہٹوں کی پوری فوج کو شکست دی اور مغرب
کی ایک نئی قوم کی دو صدی سے جو محض تجارت کے ارادے سے آئی تھی بعد ازاں سلطنت
ایشیا والوں سے چھین کر یورپ والوں کے قبضہ میں دیدیا اور ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت
شروع ہو گئی۔

سلاطین ایران بغداد کی بربادی کے بعد ایران ہلاکو کے قبضہ میں آیا جس کی اولاد نے مذہب اسلام
قبول کر کے چودھویں صدی عیسوی تک یہاں حکومت کی مگر اخیر حصہ صدی میں ضعف و انحطاط تھا
کہ وجہ سے کاشغری غالب ہو گئے اور بعض نابود ہونا شروع ہوئے۔ اسی زمانہ میں قراچار
نویان کی نسل سے جو خاندان برلاس کا بزرگ اور چغتائی خان کا وزیر تھا پانچویں پشت میں ایک
لڑکا پیدا ہوا جس کا نام تیمور رکھا گیا جس وقت اس نے آنکھیں کھولیں اس وقت خاندان چغتائی
کی مشعل بجھنے والی تھی۔ اور امرا خود مختار ہو گئے تھے اور خاندان کاشغر نے یہاں خانہ جنگیاں
دیکھ کر مغلی مقبوضات کو اپنے قبضہ میں لانا شروع کیا تھا۔ بارہ برس کی عمر میں تیمور اپنے ملک کو
کاشغریوں سے آخیر سے چھڑانے کے لئے کھڑا ہوا اور چالیس برس کی عمر (۱۳۶۱ تا ۱۳۷۰ء) لوگوں کی
نگاہ میں اپنے ملک کا نجات دہندہ اور انہیں دوسرے کی اطاعت سے رہائی دینے والا نظر آتا
تھا۔ اس کی ہمت بہت عالی تھی اور وہ سلطنت جو پانچسو میل لمبی اور چوڑی ہو اور جس کی رعایا کے
حوصلہ کو اطمینان دینے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ لیکن تیمور تمام عالم کو فتح کرنا چاہتا تھا اور مرنے
سے پہلے تک چغتائی اُن ستائیس تاجوں میں سے ایک معمولی تاج تھا جو اس نے زیب سر کئے
تھے۔[1] خوارزم و قندھار کا تخت چغتائی حاصل کر کے امیر تیمور نے ایران کی طرف باگ اٹھائی اور
دیوار اس کے شیراز کے نیچے شاہ منصور والی فارس کو شکست دیتا ہوا ایشیا میں داخل ہوا اور قرا کویو
ترکمانوں کو ایک نہایت فاش شکست دی۔ دوسری طرف اس نے سیحوں کو پار کر کے سلطنت کاشغر کو فتح
کیا۔ دو مرتبہ قفچاق پر اتنی بڑی فوج سے چڑھائی کی کہ میمنہ و میسرہ میں ۱۲ میل کا فاصلہ رہتا تھا۔

[1] گبن

اس لڑائی میں غنیم کو شکست دیکر تیمور اوسکا تعاقب کرتا ہوا ممالک روسیہ تک پہونچا۔ ماسکو میں
اسکی آمد آمد سے زلزلہ پڑ گیا مگر وہ صرف ریازان اور استرآخان تک فتح کرکے واپس ہوا سنہ ۱۳۹۸ء میں اسنے
ہندوستان کا قصد کیا۔ یہاں تغلقوں کا راج تھا اور ہر طرف بغاوت اور بد دلی پھیلی ہوئی تھی تیمور
نے ہندوستان میں داخل ہوکر ملتان و دہلی کو فتح کیا اور بہت کچھ لوٹ و غارت و قتل عام
کے بعد واپس ہوا اسنے لوٹکر گرجستان و اناطولیہ کے جھگڑوں اور فسادوں کا قلع قمع کیا۔
یہاں اسنے یکم ستمبر سنہ ۱۴۰۱ء کو ایک اعلان شایع کیا کہ ایشیا کے مغربی ممالک پر سات سال کے
لئے لشکر کشی کرنیوالا ہوں فوراً یہ مشہور فتوحات شروع ہوگئیں اور شام و حلب مغلوں کے قبضہ میں آیا
انگورا لین پر ترکی سلطان یلدرم بایزید کو شکست دی۔ اور گرجستان کے عیسائی اس ٹڈی دل
کے نیچے پس گئے۔ اس مہم کے بعد اولوالعزم فاتح سمرقند واپس ہوا اور دریاے ارتیس و والگا
سے خلیج فارس تک اور گنگا سے دمشق و مجمع الجزائر تک اسوقت تیمور کے قبضہ میں تھا قاہرہ
میں اسکے نام کا خطبہ اور سکہ رائج تھا اخیر میں ستر برس کی عمر میں اسنے فتح چین کا ارادہ کیا تھا مگر صرف
جوار اترار تک سمرقند سے تین سو میل سفر کرپایا تھا کہ داعی اجل نے آواز دی اور خاندان منگ کی جان
بچگئی۔ خلفاے بغداد اور آل سلجوق کے بعد ایران کی حکومت تیمور کے قبضہ میں آئی تھی۔ اسکے
بعد سنہ ۱۴۰۵ء میں میران شاہ اس سلطنت پر جو استرآباد سے ہرمز تک پھیلی ہوئی تھی تخت نشین ہوا
پھر خلیل شاہ پھر شاہ رخ مرزا۔ شاہ رخ مرزا تیمور کے چوتھے بیٹے نے ۴۳ برس حکومت کی۔ یہ
بہت بہادر۔ فیاض اور روشن خیال بادشاہ تھا۔ اسنے بجاے سمرقند کے ہرات کو دارالسلطنت
بنایا۔ یہ بادشاہ علوم و فنون کا بہت بڑا حامی تھا اور بڑی بڑی علمی ترقیاں اسکے زمانہ میں ہوئی ہیں
سنہ ۱۴۴۶ء میں اسکے مرنے کے بعد الغ بیگ تخت نشین ہوا۔ یہ خود شاعر تھا اس لئے ادب
و شعر شاعری کی بہت قدر دانی کرتا تھا۔ مختلف علوم وخاصکر ہیئت نے اسکے زمانہ میں بڑی ترقی
کی۔ اسنے سمرقند میں ایک کالج اور ایک رصدگاہ بنوائی اسکے زمانہ کی تیار کی ہوئی زیج آجتک
یادگار کے طور پر باقی ہے۔ الغ بیگ کو اسکے بیٹے عبد اللطیف نے قتل کیا اور ۶ ماہ بعد وہ
بھی خود قتل کر ڈالا گیا اِنکی حکومت کو اب زوال شروع ہوا اور وہ بخارا فرغانہ اور ہرات تین سلطنتوں میں
تقسیم ہوگئی۔ ہرات میں حسین مرزا۔ عمر شیخ مرزا پسر تیمور کا پوتا حکمراں ہوا جس کے زمانہ میں علم و ادب

سے بہت ترقی کی۔ جامی۔ ہاتفی جیسے شاعر اور میر خوند۔ خوندامیر جیسے مورخ اسکے زمانہ میں گذرے ہیں۔ ان کی حکومت ایک گروہ ترکمانوں سفید بھیڑوں کے بعد ۱۴۹۹ء میں خاندان صفوی حکمراں ہوا۔ شیخ صفی الدین اسحاق کی اولاد تھی جو اردبیل کے رہنے والے تھے۔ شیخ صدرالدین انکے بیٹے کا ایک پوتا تھا جنید نام جسنے اوزون حسین اور ڈسپینا کی لڑکی مارتھا سے شادی کی تھی۔ اس سے تین اولادیں ہوئی تھیں جنمیں سب سے چھوٹا اسمٰعیل خاندان صفوی کا بانی تھا ۱۴۹۹ء میں یہ ایران کا بادشاہ بنایا گیا۔ عراق عجم اور تبریز کو فتح کرکے ۱۵۰۸ء میں اسنے بغداد اور موصل کو اپنی حکومت میں ملایا پھر تاشقند۔ فرغانہ۔ حصار۔ قندز اور خوارزم کو فتح کیا۔ ۱۵۱۴ء میں سلیم خان اول سلطان قسطنطنیہ کے مقابلہ میں آذربائیجان میں اس نے شکست کھائی اور دیار بکر اور کردستان ترکوں کے حوالہ کرنا پڑا۔ اسمٰعیل کے بعد طہماسپ شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ میں بغداد ترکوں کے قبضہ میں آیا اور ممالک نصرانیہ کے سفیروں کی آمد و رفت شروع ہوئی اسکے بعد اسمٰعیل شاہ ثانی۔ محمد خدابندہ اور شاہ عباس اعظم تخت نشین ہوئے۔ اسکے زمانہ میں ملک کو بہت ترقی نصیب ہوئی۔ ملکی فسادات دور ہوگئے۔ شیراز و خراسان و قزوین میں امن و امان ہوا۔ مگر ازبکوں سے برابر مقابلے ہوتے رہے جسمیں ایران کا پلہ بھاری رہا۔ بالآخر ۱۶۲۹ء کی ۲۰ جنوری کو فرح آباد میں مازندران کے پاس انتقال کیا۔ اسکے بعد شاہ صوفی۔ عباس ثانی۔ سلیمان اور حسین یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ مگر سلطنت میں ضعف پیدا ہوگیا تھا اور افغانوں کے حملے پر حملے ہو رہے تھے اور خاندان صفویہ کا خاتمہ اور افاغنہ کی حکومت شروع ہو رہی تھی۔ افغانی بادشاہوں میں شاہ محمود و شاہ اشرف بہت اولوالعزم بادشاہ گذرے ہیں۔ افغانوں کی حکومت تھوڑی ہی مدت تک رہی اور نادر شاہ کے خروج نے انکا استیصال کامل کیا۔ نادر نے بلخ و بخارا کو فتح کیا۔ ازبکوں اور خوارزمیوں کو زیر کیا اور ایرانی جھنڈے کو جزیرۂ عرب و خلیج فارس تک لے گیا۔ اسنے ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی تک لوٹ مار کے واپس ہوا اور ترکوں سے عراق عجم و آذربائیجان کو واپس لیا اور ۱۱ برس حکومت کرکے ۶۰ برس کی عمر میں ۱۷۴۷ء میں قتل کیا گیا۔ نادر کی اولاد نے حکومت اچھی طرح نہیں کی اور کریم خاں اور صادق جیسے ضعیف حاکم ایران کا فرمانروا ہوئے اور ایک زمانہ تک طوائف الملوکی رہی۔ حتی کہ آغا محمد حاکم مازندران نے زندیا

کا قلع قمع کر کے قاچاریوں کی حکومت کی بنا ڈالی۔ آغا محمد نے طہران کو دار السلطنت بنایا اور گرجستان و کردستان پر حملے کر کے روسیوں کو شکست دی اور ۱۸ برس حکومت کر کے ۷۵ برس کی عمر میں ۱۷۹۷ء میں قتل کیا گیا۔ آغا محمد کے بعد فتح علی شاہ قاچار تخت پر بیٹھا اور دربند۔ باکو شیروان۔ شکی۔ گنجہ۔ تالش اور مغاں روسیوں کے قبضہ میں آ گئے۔ فتح علی شاہ کے بعد محمد شاہ و ناصر الدین شاہ یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور ایران پر ایک طرف روس اور دوسری طرف انگریزی اثر پھیل گیا۔ ناصر الدین شاہ کے زمانہ میں انگریزوں سے تعلقات ذرا کشیدہ اور روسیوں سے دوستانہ رہے۔ شاہ ناصر الدین قاچار کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے مظفر الدین قاچار تخت نشین ہوئے۔ جنہوں نے اپنی خوشی سے ایران کو پارلیمنٹری حکومت عطا فرما کر ایک ایسی نظیر قائم کی جس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ ان کے انتقال کے بعد اب ان کے بیٹے محمد علی شاہ قاچار تخت کیخسرو و کیقباد پر جلوہ افروز ہیں اور پارلیمنٹ کی حکومت میں ایران سے ایسی ہی توقعات کی جاتی ہیں جیسے جاپان کو پچاس برس پہلے اپنے بادشاہ اور پارلیمنٹ سے تھیں۔

سلطنت آل عثمان | آل سلجوق کا خاتمہ اور خاندان مغل کی کمزوریوں نے وسط ایشیا کے دروازے دوسری قوموں اور دوسرے فاتحوں کے لئے وا کر دیئے تھے۔ علاء الدین سلطان آئی کونیم نے جس کا شمار اسی قسم کے ادنیٰ درجہ کے فاتحوں میں کیا جاتا ہے مغلوں کی کمزوری دیکھ کر سیلانہا سے ملتان اور نیشا میں اپنے خیمے نصب کئے تھے۔ اس کے باجگذاروں میں ایک خوارزمی جماعت تھی جس کا سردار سلیمان شاہ تھا۔ یہ بادشاہ اپنے مالک کی خدمت گذاری میں دریائے فرات کو عبور کرتے وقت غرق ہو گیا تھا اور ارطغرل اس کا بیٹا اپنے باپ کا قائم مقام ہوا تھا۔ ارطغرل نے علاء الدین کے باجگذار کی حیثیت سے سرغوت میں دریائے سنگر کے کنارے آباد ہو کر چار سو گھرانوں پر ۵۲ (باون) برس تک حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عثمان بانی سلطنت عثمانیہ حاکم ہوا۔ مگر اس ذی حوصلہ نوجوان کی جولانگاہ کے لئے سرغوت کا میدان کافی نہ تھا اور درہ ہائے اولمپس کو پار کر کے اس نے بتھنیا میں قدم رکھا اور جوار قسطنطنیہ میں سلطنت آل عثمان کی بنا ڈالی۔

۲۷ جولائی سنہ ۱۲۹۹ء کو عثمان خاں نے اپنا سب سے پہلا حملہ مملکت نیکومیڈیا پر کیا اور رفتہ رفتہ بتھینیا کا سارا ملک فتح کر لیا۔ ستائیس برس تک عیسائیوں سے اور اس سے لڑائیاں رہیں۔ اور ۶۹ برس کی عمر میں سنہ ۱۳۲۶ء میں جب اسکا انتقال ہوا تو بروصا تک ترکوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اورخان کے زمانہ میں ترکوں نے باسفورس اور دردانیال تک اپنا ملک وسیع کر لیا اور شہنشاہ انڈرونیکس کو شکست فاش دی۔ قلعہ[1] گیلی پولی کو جو یورپ کی کلید کہا جاتا تھا مسخر کیا اور شہنشاہ قسطنطینیہ کانٹوکیوزین کی لڑکی سے شادی کی۔ سنہ ۱۳۶۰ء میں اسکا انتقال ہوا۔ اس وقت مشرق میں اناطولیا اور کریمیا تک اور یورپ میں صوبہ رومینیا تک اسکے قبضہ میں تھا۔ اور ایڈریانوپل ترکوں کا دارالسلطنت تھا۔ مراد اول اسکے بیٹے نے جانثاریوں کی فوج ترتیب دی جسمیں یورپ کے نومسلم عیسائی بھرتی کئے جاتے تھے اور سنہ ۱۴۰۳ء میں جب یلدرم بایزید تخت پر بیٹھا ترکوں کی حکومت بروسا سے ایڈریانوپل اور ڈینیوب سے فرات تک پھیلی ہوئی تھی اور اناطولیہ کے شمالی حصہ انگورہ و اماسیہ اور آرمینیا روم تک ہلال اسلام لہراتا نظر آتا تھا۔ ان کو فتح کر کے بایزید نے گویا سلجوقیوں کی مردہ سلطنت کو پھر زندہ کیا۔ صوبہ رومینیا کا صرف تھوڑا حصہ یونانیوں کے پاس رہ گیا اور مقدونیا اور تھسلی نے اپنے نئے حاکموں کے سامنے گردن اطاعت خم کی اور خلیفہ عباسیہ کی طرف سے سلطان کا خطاب عطا ہوا۔ بایزید انصاف کا بے انتہا پابند تھا اور اپنے سپاہیوں کو نہایت سختی کے ساتھ نیکی اور عزت کی راہ پر قائم رکھتا تھا۔ اسکے فوجی ہاتھ اسقدر امن و امان کے ساتھ پیوستہ تھے کہ "غلہ کی فصل نہایت اطمینان کے ساتھ اسکے کیمپ کی حدود میں کاٹی اور فروخت کی جاتی تھی"۔ ترکی فتوحات کو دیکھکر سگسمانڈ بادشاہ ہنگری کو اپنی سلطنت کا خوف ہوا اور تمام یورپ کے جلیل القدر نامداروں کو ملاکر ایک فوج جمع کی جس میں فرانس و جرمنی کے بہترین سوار اکٹھا تھے۔ نکوپولس کے میدان میں ۲۸ ستمبر سنہ ۱۳۹۶ء کو یہ مقابلہ ہوا جس میں عیسائیوں کی جانب ایک لاکھ کی جمعیت تھی۔ عیسائی غرور کے عالم میں کہتے تھے کہ اگر آسمان بھی گر پڑے تو ہم نیزوں پر اٹھا لیں گے مگر لڑائی میں اس قدر سخت شکست نصیب ہوئی کہ ہزاروں ڈینیوب میں ڈوب گئے۔ خود سگسمانڈ بحر اسود کے راستے قسطنطنیہ بھاگ کر پہونچا اور ایک بہت بڑا چکر لگا کر اپنے ملک

[1] گبن

واپس آیا۔ بایزید کا اس فتح کے بعد ارادہ تہا کہ "بوڈا کا محاصرہ کرنے اور جرمنی اور اطالیہ کے قرب و جوار کے ملکوں کو فتح کر کے رومۃ الکبریٰ میں سینٹ پیٹر کے منبر پر اپنے گھوڑے کو جو کھلائے۔ مگر اسے مجبوراً اپنی ترقیوں کو روکنا پڑا۔ اسلئے نہیں کہ عیسائیوں کی طرف کوئی مصیبت آسمان سے مدد نازل کر دی تھی۔ اسلئے نہیں کہ عیسائی دول نے پھر صلیبی لڑائی شروع کر دی تھی بلکہ اسلئے کہ وجع مفاصل نے ایک زمانہ تک اوسے بہت تکلیف و پریشانی میں رکھا" اس ہی فتح نے تمام یورپ کے عیسائیوں کے دلوں میں ہیبت ڈال دی تھی اور مسلمانوں سے پہلے شہنشاہ قسطنطنیہ نے تیس ہزار اشرفی خراج دیکر دس برس بامن رہنے کی صلح کر لی مگر بدقسمتی سے اپنا شرایط پر قایم نہ رہا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنا پڑا۔ اگر اس اثنا میں امیر تیمور سے انگورہ میں مڈبھیڑ ہوگئی اور اگر یہاں مغلوں کے مقابلہ میں اُسے شکست نصیب نہ ہوتی تو قسطنطنیہ اُسی زمانہ میں فتح ہو جاتا۔ اس شکست نے ترکوں کے انجر پنجر ہلا دیئے اور بایزید کے تمام کارناموں پر پانی پھیر دیا۔

ترکی سلطنت کی ایسی نازک حالت ہوگئی کہ اگر عیسائی چاہتے تو فوراً اسب ملک اسکا خاتمہ کر دیتے مگر خدا کو منظور تہا کہ آل عثمان کا قدم یہاں قیامت تک قایم رہے۔ بایزید کے بیٹے موسیٰ اور محمد اول کے زمانہ میں سلطنت کی حالت پھر سدہر گئی اور محمد اول کے بیٹے مراد ثانی نے جان ہنیاد و سکندر بیگ کا استیصال کرکے یورپ میں اپنے دادا کی سی دہاک بٹھا دی۔ مراد ثانی کے بعد وہ عظیم الشان سلطان تخت نشین ہوا جسکا نام تا قیامت ہیروز آف اسلام میں شمار کیا جائے گا۔ یہ سلطان محمد ثانی تہا جسنے قسطنطنیہ کو فتح کرکے ایا صوفیہ کے گرجے پر بجائے صلیب کے ہلال آویزاں کیا لتفتحن القسطنطینیۃ فلنعم الامیر امیرها ونعم الجیش جیشها۔ سب سے پہلا شخص جو انعام سلطانی کا مستحق تہا حسن جانثاری تہا۔ یہ نہایت جسیم و قوی ہیکل آدمی ایک ہاتہ میں تلوار اور دوسرے میں (Buckler) لئے شہر قسطنطنیہ کے بیرونی مقامات حفاظت کی طرف بڑہا۔ تیس جانثاریوں میں سے جنمیں سے ہر ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتا تہا اٹھارہ اس مہم میں کام آئے۔ حسن اور اُسکے بارہ ساتھی چوٹی پر پہونچگئے۔ یہاں اس دیو پیکر جانثاری کو عیسائیوں نے پشتہ پر سے نیچے دھکیل دینے کی کوشش کی مگر وہ ایک گھٹنا ٹیک کر

سنبھل گیا اور جھپٹ کر قسطنطنیہ کی دیوار پر ترکی پھریرا نصب کر دیا۔ اتنے میں قلعہ کی دیوار پر ترک ہی ترک نظر آنے لگے اور ۲۹ مئی سنہ ۱۴۵۳ء کو اپنے بانی کی وفات کے ۱۱۲۵ برس بعد ۱۱۲۳ برس عیسائیوں کے قبضہ میں رہکر قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا۔ اس فتح کے بعد ترکوں نے سنہ ۱۴۸۰ء اوٹرانٹو کا محاصرہ کیا۔ ان کامیابیوں نے یورپ میں ایک تہلکہ ڈال دیا حتی کہ پوپ سنہ ۱۴۸۱ء سکسٹس نے رومۃ الکبریٰ سے بھاگنے کی تیاریاں شروع کر دیں مگر سلطان فاتح کی بیوقت موت نے یورپ کو بچا لیا ورنہ ایک ہی سال میں سلطنت روما کے دونوں دارالسلطنت ترکوں کے ہاتھ میں آجاتے۔ ۵۱ برس کی عمر میں سلطان محمد ثانی نے وفات پائی اور اس دنیا میں مسلمانوں کو ماتم کرتا اور عیسائیوں کو خوشیاں مناتا چھوڑ گیا۔ سلطان فاتح کے بعد اسکے پوتے سلیم خان اول فاتح مصر و شام و سلیمان اول کے نام آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ سلطان سلیم خان نے مملوکوں سے مصر چھین کر عباسی خلیفہ سے خود خلیفۃ الرسول و امیر المومنین کا مرتبہ حاصل کیا جو آجتک ترکی سلطانوں کے ساتھ ہے۔ عالیشان سلیمان اول نے سنہ ۱۵۲۰ء میں تخت نشین ہوکر ملک کی بغاوت فرو کی۔ ہنگری پر حملہ کرکے بلگریڈ فتح کیا۔ اسکے بعد ایک بیڑہ جہازات جسمیں چار سو جہاز اور پچاس ہزار فوج تھی جزیرہ روڈس فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ۵ ماہ کے محاصرہ کے بعد یہ جزیرہ ترکوں کے ہاتھ آیا۔ ادہر سے مطمئن ہوکر سلیمان نے اب مستقل طور پر فتح ہنگری کا ارادہ کیا۔ بلگریڈ کے قریب سنہ ۱۵۲۶ء میں ایک لڑائی ہوئی جسمیں تو دا پستھ اور دارالسلطنت ہنگری ترکوں کے ہاتھ آیا۔ تین سال بعد دوسرا حملہ کیا گیا۔ اور چھ یوم کی لڑائی میں عیسائیوں کو ایسی شکست فاش نصیب ہوئی جسنے دنیا کا دروازہ ترکوں کے لئے وا کر دیا مگر فوج گھبرا گئی تھی اسلئے بلا تسخیر وینا سلطان کو واپس آنا پڑا۔ سلطان سلیمان عالیشان کے زمانہ میں ترکوں نے اندرونی و بیرونی دونوں قسم کے ترقی حاصل کی۔ ہر طرف رعایا خوش اور فارغ البال تھی۔ ملک کی حدود اراضی میں آرمن و میسوپوٹیمیا اور وان۔ موصل و بغداد کا اضافہ ہوگیا تھا۔ سمندر میں ترکی بیڑے کا کوئی مقابل نہ تھا۔ کنارہ ہائے میڈیٹرینین اور بحر احمر اور بعض سواحل بحر ہند ترکوں کے قبضہ میں تھے۔ کپتان پاشا باربروسا ترکی امیر البحر نے ایک طرف تو اسپین۔ اٹلی و ہنگری کے متحدہ بیڑے کو شکست فاش دے کر صلح پر مجبور کیا تھا اور دوسری طرف اٹلی پر حملہ کرکے مارسیلس اور نیس پر ترکی ہلال نصب

کیا تھا۔ طرابلس بھی اس زمانہ میں ترکوں کے قبضہ میں تھا۔ الغرض ۱۵۶۶ء میں مالٹا و ہنگری کی
متحدہ افواج کو شکست دیکر سلطان عالیشان ۴۶ برس حکومت کرکے ۳۰ اگست کو اس جہان
فانی سے رخصت ہوا۔ اسکے بیٹے سلیم خان ثانی کے واقعات میں تسخیر سائپرس۔ فتح نکوسیا
و فاماگسٹا اور طونس اور خلیج لیپانٹو کی ہولناک لڑائی بیان کی جاتی ہے۔ اس آخرالذکر لڑائی میں
ترکوں کو بہت سخت نقصان اٹھانا پڑا جسکے بعد انکی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی اور وہ ممالک جو
جو سلطان سلیم خان اول۔ محمد فاتح اور سلیمان عالیشان جیسے اولوالعزم بادشاہوں نے فتح کئے
تھے ایک ایک کرکے ہاتھ سے نکل گئے۔ کبھی وہ خود اپنے گھر میں جان نثاریوں سے لڑتے
کبھی ایران کے شیعہ بادشاہوں سے جنگ کرتے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف کمزوری بڑھ گئی
سلطان محمود ثانی آل عثمان کے تیسویں بادشاہ نے جان نثاریوں کا کامل قلع قمع کیا اور زمانہ
حال کے اصول کے موافق فوج کو ترتیب دیا۔ مگر جو زوال شروع ہو گیا تھا وہ رک نہ سکا۔ اس
دوسو اسی برس کے زمانہ میں ترک روسیوں سے کئی لڑائیاں ہار چکے تھے۔ مصر میں محمد علی
پاشا خود مختار ہو گیا تھا [illegible] ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ سلطان محمود ثانی کے عہد میں یونان نے بغاوت
شروع کی اور تمام یورپ ان باغیوں کی حمایت پر کھڑا ہو گیا اور عیسائیوں میں ایسا جوش تھا کہ کبھی
انہوں نے مذہبی لڑائیوں میں بھی یہ سرگرمی ظاہر نہیں کی۔ نوارینو میں یورپ کے متحدہ بیڑے
کے ہاتھ سے ترکوں کو شکست نصیب ہوئی اور خشکی پر روس نے لڑائیاں شروع کیں جنہیں
ترکی افسروں کی ایذا یابی نے فوج کے دستوں سے زیادہ کام دیا اور اس ملک فروشی کی بدولت
یونان آزاد ہو گیا ولیشیا اور مولڈیویا پر روس کا قبضہ ہو گیا۔ اور سرویا نے خود مختاری اختیار کی
عبدالمجید خان کے زمانے میں مشہور و معروف جنگ کریمیا شروع ہوئی جس میں انگریزوں اور
فرانسیسیوں نے ترکوں کی طرف سے روسیوں کو شکست فاش دی۔ ان کے بعد عبدالعزیز اور مراد خان
پنجم بیٹھے مگر معزول کئے گئے اور ۱۸۷۶ء میں عبدالحمید خان ثانی موجودہ سلطان سریر آرائے خلافت
ہوئے۔ انکا زمانہ تخت نشینی اور جنگ پلونا کا زمانہ ایک ہی ہے۔ اس جنگ میں ترکوں کی رہی سہی
دھاک جاتی رہی۔ اور بہت سے صوبے نکل گئے۔ مگر عبدالحمید خان کی اصلاحات سے سلطنت
کی حالت سنبھل گئی۔ اندرونی خرابیاں کم ہو گئیں اور وہ کیڑا جو اسلام کے اس تناور درخت کو کھا رہا تھا

ہلاک ہوگیا۔ ترکی لڑکوں میں تعلیم کا چرچا زیادہ ہوا اور جنگ یونان و روم سے ثابت کر دیا کہ ابھی ترکوں میں جان باقی ہے۔ آل عثمان کے ڈگمگاتی ہوئی ناؤ کے کھیونے والے "عبدالحمید خان ثانی" کے نام کو آیندہ نسلیں عبدالحمید خان اعظم کے نام سے یاد کرینگی جس نے اُسے بھنور سے نکال کر سیدھی راہ پر لگایا۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

محمد معشوق حسین خان

انتخاب بیاض جناب سید علی اصغر صاحب بلگرامی

ملا محمد صوفی

اے شاہ نہ تخت و نہ نگیں میماند   آخر بتو یک دو گز زمیں میماند
صندوق خود و کاسۂ درویشاں را   خالی کن و پُر کن کہ ہمیں میماند

ملا جامی

دردا دردا ہزار دردا دردا   کامروز ندارم خبر از فردا
فردا چو برآورند میگویم فاش   رب ارحم و لاتذرنی فردا

میر غیاث

درخت غنچہ برآورد و بلبلان مستند   جہاں جوان شد و یاراں بعیش بنشستند
بسر و گفت سیکے میوۂ نمی آری   جواب داد کہ آزادگاں تہی دستند

لا یعرف

گر نبودے باے بسم اللہ باب بوتراب   کج کلاہی کے نمودے بر سر ام الکتاب

انتخاب بیاض مولوی سید امین الحسن صاحب بسمل موہانی

غالب

بہ بزم بادہ گریبان کشود نش نگرید   خوشا بہانۂ مستی زہے رعایت شوق

نسیم دہلوی

یہانتک راہ دیکھی زلف شب پر نور پیری ہے   کہیں آ کر جھک آئی ہیں نیندیں چشم کوکب میں

قانون تباین

اکثر باتیں ہم اس واسطے لگاتار تسلیم کئے جاتے ہیں کہ وہ صرف ہمارے ہی خیالات کا نتیجہ ہیں اور اکثر سے اس لئے انکار کیا جاتا ہے کہ ان کا ماخذ ہمارے ماخذ سے جداگانہ ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جنکو ہم ایک پہلو سے تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے پہلو سے انکار کر دیتے ہیں۔

ان دونوں مرحلوں میں صرف یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ ہمارے خیالات سے وہ مختلف اور متضاد ہیں اسلئے ہم انہیں نہیں مانتے۔

اگر کوئی خیال کسی حکم اور کسی وعید کے ماتحت نہ کہا گیا ہو تو کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی خیال کی تائید خواہ نخواہ کرے یا کسی سے خواہ نخواہ ایسی تائید کرائی جاوے۔ کیونکہ ہر شخص کے پاس کسی خیال کے ماننے یا نہ ماننے کے جداگانہ دلائل ہوتے ہیں۔ جب تک انکی تکذیب نہ کی جاوے یا وہ انہیں خود ہی نہ چھوڑ دے تب تک وہ اس خیال کے اخذ یا ترک پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں تک تو ایک جائز حق ہے اور اوسکے خلاف کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ کیونکہ تضاد خیال ایک طبعی مرحلہ ہے جس سے کسی شخص پر الزام نہیں آ سکتا۔ اگر کوئی شخص بظاہر کسی دباؤ سے ایک مخالف خیال کی تائید کر بھی دے تو اسکے دلی ذہان کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا ہے۔ بے شک ایک شخص زبان سے ایک مخالف خیال کی تائید کرتا ہے اور وہاں ہی ہاں ملائے جاتا ہے لیکن اگر اسکا دل مصدق نہو تو اسکی ایسی تائید اور ہاں ہاں ہی بکا ہے خود ایک تکذیب ہی ہے۔ دوسروں کے خیالات پر کچھ موقوف نہیں بعض اوقات انسان زبان سے کچھ کہتا ہے اور اسکے دل میں کچھ اور منصوبہ ہوتا ہے۔ دل کی مشین جداگانہ اپنا کام کرتی جاتی ہے۔ جب ہم ایک بات کا زبان سے اعتراف کرتے ہیں اور ہمارا اندرون اسکے خلاف ہوتا ہے تو ایسی حالت میں ہم یہہ سوچ سکتے ہیں کہ تضاد خیال کا عمل کیونکر رک سکتا ہے۔

۔ دوسرے شخص دوسرے خاندان دوسرے گروہ دوسری قوم اور دوسرے فرقہ ہی میں تضاد خیال نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی شخص ایک ہی خاندان ایک ہی گروہ ایک ہی قوم اور ایک ہی فرقہ میں بھی ہوتا ہے۔

جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ بوجہ دوسرے شخص دوسری قوم دوسرا فرقہ ہونیکے یہ اختلاف ہے تو یہ نہیں سوچا جاتا کہ جب اپنی قوم اور اپنے فرقہ میں بھی اختلاف اور تضاد موجود ہے تو دوسرے فرقے کے مقابلہ میں ایسے اختلاف کا پایا جانا کیا تعجب ہے۔

جب یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اختلاف یا تضاد خیالات کی روندید کی جاوے یا یہ دعوے پاسے تو وہ قانون جسکے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور جسکا نام قانون تباین ہے ہماری کوشش اور منصوبہ پہ ہنستا ہے کیونکہ اگر ہیر پر روک دیجاوے اور چشمہ بند کر دیا جاوے تو قانون تباین کا وہ وسیع اور سود مند راستہ بند ہو جاتا ہے جو دماغی ترقی اور روحانی عروج کا زبر دست سرچشمہ ہے اور جس کے طفیل دل و دماغ ترقی کرتے اور نشوونما پاتے ہیں۔

اس قانون کی ضرورت اور اس کا وجود اس بحث سے ثابت ہے کہ کوئی دل اور کوئی دماغ اوسکی تاثیر اور اوسکے مواد سے خالی ہیں۔ ایک ایسا انسان بھی جو کسی بیرونی طاقت سے مقابلہ اور مخالفت نہیں رکھتا ہمیشہ اپنے ہی خیالات کی تگ و دو اور مد و جزر میں اسقدر سرگرداں رہتا ہے کہ اُسے اپنے ہی نشیب و فراز سے فرصت نہیں ملتی۔ ایک خیال آتا ہے اور ایک جاتا ہے! ایک منصوبہ کی بنیاد رکھتا ہے اور ایک سے دست بردار ہوتا ہے۔ اگر اس مدوجزر کی تصویر لیجاوے تو پتہ لگے گا کہ جس طرح رنگ رنگ کی بدلیاں آتی اور جاتی ہیں اسی طرح خیالات کی بھی آمد و رفت رہتی ہے۔ جس طرح ایک بدلی دوسری کے خلاف رنگ و روش رکھتی ہے اسی طرح ایک خیال دوسرے خیال سے کوئی نسبت نہیں رکھتا اگرچہ کبھی کبھی سلسلۂ خیالات کا ایک ہی رشتہ سے مربوط ہونا پایا جاتا ہے مگر انمیں فرداً فرداً اختلاف بھی ہوتا ہے یہ اختلاف اور یہ اُدھیڑ بن فائدہ سے خالی نہیں۔ انسان خیالات کی دوڑ میں اون چند خیالات کا انتخاب کرلیتا ہے جو علمی اور عملی رنگ میں اُسکے اور نیز اور ابنائے جنس کے لئے سود مند ہوں۔ ان سے رفتہ رفتہ مفید اصول قائم ہوتے جاتے ہیں اگر قانون تباین درحقیقت

قابل نفرت اور ناسود مند ہے تو لازمی ہے کہ سب سے اول انسان اپنے ہی دل و دماغ کے مدوجزر سے رہائی پائے اور یہ سلسلہ خود اسکی کوشش سے بند ہو جائے ۔ خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے یہ سلسلہ نہ تو بند ہو سکتا ہے اور نہ اسمیں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس سے یہ مدوجزر رک سکے جب یہ نہیں رک سکتا اور کوئی تجویز کامیابی کا مونہہ نہیں دیکھ سکتی تو پھر یہ کوشش کرنا کہ اوروں سے ہمارا اختلاف نہ ہو یا اور لوگ ہم سے اتفاق کریں یا ہم ان کے سب خیالات سے متفق ہوں ایک ایسی کوشش ہے جو کبھی اور کسی حالت میں بھی سرسبز نہیں ہو سکتی۔

یہ کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ سب مخلوق یا کم سے کم سب انسان کیوں ایک ہی شکل و شباہت کے نہیں ہوتے۔

غور کرنے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ دنیا کی کوئی شے دوسری شے سے شباہت تام نہیں رکھتی۔ جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شے دوسری شے کے مشابہ ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کل کیفیات میں مشابہت ہے بلکہ یہ کہ صرف ایک دو امور میں، وہ بھی بطور ایک نسبت کے نہ کہ حقیقتاً۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ فلاں شے دوسری شے سے بالکل مشابہ ہے۔ یا دو چیزیں دو ہو کر ایک ہیں۔ ایک پتا دوسرے پتے سے اور ایک گل دوسرے گل سے، ایک جانور دوسرے جانور سے، اور ایک انسان دوسرے انسان سے باوجود ایک نوع ہونے کے بھی مشابہ نہیں ہوتا۔ ان میں بیسیوں اختلاف ہوتے ہیں۔

اور انہی اختلافات کی وجہ سے ان کی شناخت اور امتیاز ہوتا ہے۔

جو شخص یہ نہیں جانتا اور قانون تباین کی تکذیب کرتا ہے وہ کوئی دو ایسی چیزیں پیش کرے جو باوجود دو ہونے کے آپس میں یکسانی رکھتی ہوں بے شک وہ نوع میں متحد ہوں گی، جنس میں متحد ہوں گی، مگر کیفیات میں ایک دوسرے سے ضرور الگ اور جداگانہ پائی جائیں گی۔

لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہژدہ ہزار مخلوق ہے ہژدہ ہزار کیا ایک لاکھ بھی ہو تب بھی ایک خلقت

دوسری خلقت سے مشابہت نہیں رکھے گی۔ جب یہ حالت ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ قانون تباین ہی اختلافات اور تضاد کا حامی ہے۔ اور اوس کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

قانون تباین کیا ہے۔ قانون تکوین کے ماتحت مادی دنیا میں (۱) اجناس اور انواع کے قدرتی حدود کو قائم رکھ کر ہر ایک فرد خلقت کو دوسرے فرد خلقت سے جداگانہ حدود میں رکھنا (۲) ہر شخصیت کو دوسری شخصیت سے علیحدہ ثابت کرنا۔ (۳) ایک شخصیت کے آثار کا دوسری شخصیت سے نہ ملنے دینا۔ (۴) جداگانہ منصوبوں اور جداگانہ خیالات کی تکوین سے چند متفق نتائج نکالنا اور اُن سے چند اصول کی بنیاد رکھنا۔ (۵) ایسے اصولوں اور قانون توافق کی مدد سے ایک اور متفقہ راہ سے صداقت کی طرف لیجانا۔

شروع شروع میں قانون تباین تضاد کا حامی ہوتا ہے۔ لیکن جب اون نتائج صحیحہ تک پہونچ جاتا ہے جو اس تضاد کا اثر ہوتے ہیں، تو پھر قانون توافق کے ماتحت چند متفقہ اصولوں پر تمام شخصیتوں کو لیجاتا ہے اور پھر اس کا نام مشترکہ اغراض کا اتحاد ہو جاتا ہے جس کی ایک قوم یا ایک سوسائٹی کے قیام کے لئے ضرورت ہوتی ہے یا جو ایک قوم اور ایک سوسائٹی کی اصلی اور صحیح بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

قانون تباین یہ نہیں سکھاتا کہ قوموں سے اختلاف خیالات کی بنیاد اٹھا دی جائے کیونکہ اس سے خود اسکی نفی لازم آتی ہے بلکہ یہ سکھاتا ہے کہ انواع و اقسام کے اختلافات سے، قانون توافق کے ماتحت، دنیا ایک غرض مشترکہ یا نتیجہ صحیحہ کیطرف لائی جائے اور ایسی سب شخصیتیں قائم ہو جائیں۔

یہ کہنا کہ کیوں ایک شخص دوسرے شخص کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا، قانون تباین کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ خلاف کا وجود لازمی اور ضروری ہے۔ البتہ یہ لازمی نہیں کہ ایسے اختلاف کی وجہ سے بغض اور عناد کی بنیاد رکھ دی جائے۔

قانون تباین کی باوجود حمایت تضاد کے پہلی دفعہ ہے کہ اختلاف خیالات لازمی ہے لیکن یہ اختلاف نفرت اور بغض کا حامی نہیں۔ کیونکہ جیسے کوئی شخص اپنے ذاتی اختلاف اور تضاد سے اپنے سے نفرت اور بغض نہیں رکھ سکتا ایسے ہی دوسروں سے بھی بغض

اور نفرت رکھنا اخلاقی گناہ ہے۔

قانون تباین کے ماتحت دو طاقتیں ہیں۔ (۱) مادی طاقت۔ (۲) روحانی طاقت۔ دونوں میں تضاد ہے۔ مصالح مادیہ میں ہی ہمیشہ اختلاف رہتا ہے۔ کسی کا قیاس اور خیال کچھ ہوتا ہے اور کسی کا کچھ کوئی کچھ تھیوری رکھتا ہے اور کوئی کچھ مصالح روحانی میں بھی ایسا ہی تضاد موجود ہے۔ ایک مذہب والا کچھ خیال کرتا ہے اور دوسرا کچھ۔ پھر مذاہب کے اندر بھی سینکڑوں اختلافات ہوتے ہیں۔ فرقہ در فرقہ گروہ در گروہ شاخ در شاخ۔ یہاں تک کہ شخصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مذاہب ہی پر موقوف نہیں۔ مادی معاملات میں بھی اسی طرح کے جزوی اختلافات کثرت سے موجود ہیں جن سے جھگڑا نہیں۔ اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کا بانی وہی قانون تباین ہے جسکے وجود اور تصرف سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔

جب یہ کیفیت ہے تو پھر قوموں اور فرقوں کا آپس میں تباین خیالات کی وجہ سے دشمن ہو جانا اور ایک دوسرے سے لازمی رنگ میں نفرت کرنا حقیقت کے خلاف ہے اور اس قانون کے خلاف جاتا ہے جو بالفاظ دیگر قانون تباین کے مقابلہ میں قانون توافق کے نام سے موسوم ہے۔ قانون تباین کا یہ کام تھا کہ نفس اجتہادات کو انواع و اقسام میں ظاہر کر کے حقایق پر روشنی ڈالے اور قانون توافق کا یہ مدعا ہے کہ ان اجتہادات سے اصول عامہ کا انتخاب کر کے ایک صحیح پیمانہ بنائے۔ لوگ قانون تباین سے تو اکثر کام لیتے ہیں۔ لیکن قانون توافق سے بہت کم واسطہ رکھتے ہیں اور قانون تباین کا مصالحہ وقتی کدورتوں میں استعمال کر کے قانون توافق کی نفی کرتے ہیں۔

کوئی قوم اور کوئی فرقہ اس وقت تک باقی اور قائم نہیں رہ سکتا جب تک وہ قانون توافق کے ماتحت نہ آجاوے اور قانون اتحاد کی پابندی اسوقت تک نہیں ہو سکتی جب تک شخصی اغراض سے بالا تر جا کر اغراض مشترکہ کی بنیاد نہ رکھی جاوے۔

جو لوگ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اختلاف خیالات باقی نہ رہنے اور سب لوگ ایک ہی خیال کے ہو جاویں وہ غلطی پر ہیں یہ کوشش کبھی سرسبز نہ ہوگی کیونکہ اسمیں طبعی قانون تباین کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ کوشش یہ کرو کہ ایسے اختلافات سے آپس میں نفرت نہ پیدا

ہو اور ہم رفتہ رفتہ اسکی بدولت قانون توافق کے مسلک سے پرے نہ ہٹ جاویں۔

مختلف خیالات چند ایسی راہیں ہیں جو ہمیں ایک ہی منزل مقصود پر لیجاتی ہیں۔ ہم جب اُس حالت میں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں تو اپنے تئیں خواہ مخواہ ایسی منزل مقصود سے دور رکھتے ہیں یا ایسے کہ راہ میں ہی لڑتے بھڑتے رہجاتے ہیں اور وقت گذر جاتا ہے۔

بدن میں کس قدر مختلف پرزے اور اعضا رہیں لیکن بدن قانون توافق کے ماتحت ایک پرزہ ہو کر جب تک کام نہ کرے تب تک زندگی کی دوڑ میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کیا جس وقت آنکھ دوسرے دیکھتی ہے اسوقت ہاتھ یہ کہ سکتا ہے کہ چونکہ میں دیکھ نہیں سکتا اس واسطے میں فعل چشم سے مستفید نہیں ہونگا۔

اگر ہاتھ کی یہ تھیوری درست ہو تو آنکھ بھی جو دیکھ سکتی ہے بیکار جائیگی اور ہاتھ بجائے خود شل ہو جائے گا۔

کبھی کبھی لوگ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہر بات میں سب کا اتفاق ہو جاوے۔ یعنی جزویات میں بھی کوئی اختلاف نہ رہے اور ہر ضروری مرحلہ غرض مشترکہ کی حیثیت حاصل کرلے۔

یہ بھی ایک مغالطہ ہے اور قانون تباین اسکے بھی مخالف ہے کیونکہ نہ تو ایسا ہوسکتا ہے اور نہ ایسا ہونے سے دنیا کا کاروبار چل سکتا ہے۔ اغراض مشترکہ کی تحدید میں لوگ غلطی کھا جاتے اور جزویات عامہ کے استعمال سے اصل راہ چھوڑ دیتے ہیں۔

زید بکر کے ساتھ ہر بات میں متفق نہیں ہوسکتا اور نہ بکر زید سے ہر جزو میں اتفاق کرسکتا ہے اور نہ اس سے کوئی گھاٹا پڑتا ہے کیونکہ جب تک یہ روش جزیات عام سے مخصوص ہے اسوقت تک اسمیں کوئی برائی نہیں۔

اغراض مشترکہ کے اجزا سے خاصہ جن پر ایک قوم یا ایک ملک کی بہبود موقوف ہوتی ہے اجزا عامہ سے ہمیشہ جداگانہ ہوتے ہیں اور انکو جدا رہنا چاہیئے۔

اغراض مشترکہ کیا ہیں:۔ جن کے بغیر کوئی قوم قوم نہیں رہ سکتی، جنکی عدم موجودگی اتحاد خاصہ کی منافی ہے، جن کے بغیر اتحاد شخصی قائم نہیں رہ سکتا، یا اتحاد شخصی کی کوئی وقعت نہیں ہوتی یا اتحاد شخصی کی کوئی قیمت نہیں پڑتی۔

ہر شخصی اختلاف کن حالات میں تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے اور ہر شخصی تباین کب خوفناک سمجھا جاتا ہے جب اوسکے ساتھ ضد۔ ہٹ دھرمی۔ دشمنی۔ بغض۔ ذاتی کدورت شامل ہو کر نفرت پیدا کرے اور ایک کو دوسرے سے جدا کر دے۔ اگر ایک شخص دوسرے کے خیالات سے اتفاق نہ کرکے اوسکی تنقید یا تردید کرے۔ لیکن بشرطیکہ اسے کوئی ذاتی کدورت اور بغض نہ ہو بلکہ اور اغراض مشترکہ میں اسکے ساتھ اور اس کا حامی ہو تو ایسی تنقید اور ایسی تردید ایک رحمت اور ایک حمایت ہوتی ہے۔ اس سے نہ تو کوئی برائی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ کوئی تکلیف دہ صورت۔

البتہ تنقید اور ایسی تردید باعث اس صورت میں البتہ خوفناک ثابت ہوتی ہے جب اسکے ساتھ خواہ مخواہ کی کدورت اور ذاتی بغض پیدا کر لیا جاتا ہے۔ اور اسے ایک ذاتی بحث قرار دیکر تو تو میں میں پر نوبت پہنچا کر اغراض مشترکہ کا بھی خون کر دیا جاتا ہے۔

جس قوم یا جس ملک میں یہ نشیب و فراز نہیں دیکھا جاتا اور ذاتیات کے جوش میں حملہ پر حملہ کیا جاتا ہے وہ قوم یا وہ ملک کبھی ترقی اور عروج کا مالک نہیں ہوتا۔

جس قوم کی آنکھیں خدا نے کھول دی ہیں وہ یہ مرحلے طے کرتی ہے اور جس قوم میں جہالت اور کم اندیشی کا مادہ ہنوز ورا ور جوش پر ہے وہ ان اخلاقی راہوں سے کوسوں دور ہے۔

ہمارے بیچ میں دیسا ہی قانون تباین اور قانون توافق کی حکومت اور صلہ فعلہ کام کر رہا ہے اور ہم ان دونوں کے طبعاً ماتحت کئے گئے ہیں۔ ان کی متابعت ہمارے لئے ایک برکت ہے اور انکی مخالفت ایک خوفناک نحوست۔

لوگ زیادہ تر اوہام اور ذاتیات کے پابند اور تمام لیواہیں ذاتیات کے جوش میں صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کی جاتی باوجود اسکے بھی قانون تباین اور قانون توافق منزل مقصود پر پہنچانے کے لئے ہمیشہ سے واسطے ایک صادق رہا ہے اور تمام شخصی تجربہ نوعی تجربوں میں منتقل کرکے انہیں ایک وقت پر جزو فطرت بنا دیتا ہے اور اس وقت علمی رنگ میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ صداقتیں ہیں۔

ہندوستان کی ایک قوم دوسری قوم سے اور دوسری شاخ تیسری شاخ سے اور ایک فرقہ

ملک متفرقہ سے ایسی کدورت اور ایسی نفرت رکھتا ہے کہ نوعی تجربہ اور اغراض مشترکہ کا سرمایہ باقی ہی نہیں رہا۔ اور قومیت کی بنیاد کمزور ہو گئی ہے۔ یہ صورت صرف اس واسطے پیدا ہوئی کہ اغراض مشترکہ اور نوعی تجربوں سے لوگوں نے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ شخصی خیالات کی نفرتوں میں اس قدر منہمک ہو گئے ہیں کہ نوعی تجربوں اور اغراض مشترکہ کا نام مٹ جاتا رہا ہے۔ جبتک کوئی قوم قانون بنائیں اور قانون توافق کا صحیح معنوں میں استعمال نہیں کرتی تب تک شخصی اختلافات اور نوعی تجربوں کا بھی صحیح استعمال نہیں کر سکتی۔

راقم

سلطان احمد۔ یال والی پنجاب

فریق نرم کی بعض غلط فہمیاں

نمبر (۲)

ماہ گذشتہ میں ہمنے سدیشی و بوائیکاٹ کے متعلق فریق نرم کی بعض غلط فہمیوں کو آشکارا کیا تھا اب اس مضمون میں ہم یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ سدیشی کے (مقابلتاً) محدود دائرہ سے گذرکر پالیٹکس کے وسیع میدان میں بھی ہمارے پرانے لیڈروں کے عقائد مراسر غلط فہمیوں پر مبنی ہیں جنکی اصلاح ہر محب ملک کا اول فرض ہونا چاہیے۔ مثلاً اہل ہند کے پولیٹکل آئیڈیل کی نسبت ان لوگوں کی

پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ حصول مقصد کے لئے صرف رزولیوشن پاس کرنا اور عرضیاں پیش کرنا کافی ہے

جسے وہ لوگ باضابطہ جدوجہد (کانسٹی ٹیوشنل ایجی ٹیشن) کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسکی تائید میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی شکایات برابر اہل برطانیہ کے روبرو پیش کرتے رہنا چاہیے۔ ہمارا معاملہ چونکہ سچا ہے اسلئے آخر کار حق کو کبھی نہ کبھی فتح ضرور ہوگی اور کامیابی اگرچہ

نہیں ہوتی تو ہم کو انحصار بے صبری کے بجائے خود انگلستان کی مثال سے فائدہ اُٹھانا چاہئے کہ اُسے حکومت خود اختیاری کئی صدیوں میں جاکر حاصل ہوئی پھر بھلا ہندوستان اسقدر جلد کیونکر کامیاب ہوسکتا ہے۔ اس دلیل میں کئی کمزوریاں ہیں سب سے بڑی کمزوری تو یہی ہے کہ فریق نرم کے مذکورہ بالا اصول کی کامیابی کا دارومدار صرف حق کی اخلاقی قوت پر ہے حالانکہ پالٹکس میں اس قسم کے فلسفانہ یا مذہبی خیالات کا اثر بہت کم ہوا کرتا ہے بلکہ بالکل نہیں ہوتا۔ دوسری کمزوری یہ ہے کہ انگلستان و ہندوستان کی حالتوں کو باہم مشابہ سمجھنا صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ انگلستان میں جد وجہد صرف اسوجہ سے کامیاب ہوتا ہے کہ اگر حکومت اسکے مطالبات کو تسلیم نہ کرے تو اسکی پولٹیکل قوت حکومت کو نقصان عظیم پہونچا سکتی ہے حالانکہ اگر اہل ہند کے مطالبات سنے ہی نہ جائیں، جیسے کہ واقعی نہیں سنے جاتے، تو وہ سوائے اسے واسے کرنے کے اور کچھ نہیں کرسکتے۔

انگلستان کو سلف گورنمنٹ بیشک کئی صدیوں میں حاصل ہوئی لیکن اس تعویق کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک حکومت خود اختیاری کے پختہ اصول معین نہیں ہوتے تھے اور اہل انگلستان کے لئے سلف گورنمنٹ گویا ایک جدید تجربہ تھا جس میں دیر کا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن آج کہ سلف گورنمنٹ پالٹکس کا ایک مسلم جزو قرار پاچکی ہے اور اوسکے اپنے مفید مطلب طریق پر اختیار کرنے کے لئے ہمکو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ انگریزوں کی طرح اسے از سر نو ایجاد کریں۔ ایسے یہ امید کرنا کہ ہم بھی اہل برطانیہ کی مانند صدیوں تک سوراج کی منتظر رہیں کسی طور پر ٹھیک نہیں ہوسکتا۔

انیسویں صدی میں ہمارے پولٹیکل ایجی ٹیشن کا حلقہ بالکل محدود تھا۔ مثلاً کانگرس کے مقاصد صرف اس طرز کے تھے کہ (۱) محاصل زمین میں تخفیف ہو اور بندوبست استمراری کردیا جاسے۔ (۲) جوڈیشل و اگزیکیٹو اختیارات کی علیحدگی سے عہدہ داران حکام کے ظلم میں کمی ہو (۳) ہندوستانیوں کو اعلیٰ عہدے دیئے جائیں تاکہ ہندوستان سے دولت کا نکلنا کسیقدر کم ہوجاسے وغیرہ وغیرہ لیکن جس وقت سے اہل ہند کے دلوں میں حریت اور قومیت کی آگ روشن ہوئی ہے انکو صاف معلوم ہوگیا ہے کہ سلف گورنمنٹ کے بغیر مذکورہ بالا مقاصد کے حصول سے بھی ہندوستان کو کچھ فائدہ

نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر گورنمنٹ پر اہل ہند کو کچھ اختیار ہو تو بندوبست استمراری کے مقصد کا بالکل بیکار کر دینا حاکموں کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ وہ لوگ مقامی ٹیکسوں اور دیگر ابواب کی تعداد کو، بلا خوف و وزیر قانون، اسقدر بڑھا سکتے ہیں کہ بندوبست استمراری کا منشا ہی فوت ہو جائے۔ جوڈیشیل اور اگزیکٹو کی علیحدگی بھی بے فائدہ ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ جب تک ان دونوں قسموں کے عہدے صرف انگریزوں تک محدود یا انکے ماتحت رہینگے اس وقت تک جوڈیشیل افسروں کا اگزیکٹو کے حسب خواہش کاروائی کرنا یقیناً ضروری رہیگا، کیونکہ جوڈیشل کی ترقی اور تنخواہ اگزیکٹو ہی کے ہاتھ میں رہے گی۔ علی ہذا القیاس ہندوستانیوں کا بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونا بھی کچھ کام نہیں دے سکتا کیونکہ انگریز جج تو اگزیکٹو کی ہم قوم ہونے کی بنا پر کبھی کبھی بیباکی اور انصاف کا اظہار کر بھی سکتا ہے برخلاف اسکے غریب ہندوستانی سولین کی ترقی اور فلاح کا سارا دار و مدار زیادہ تر اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہی ہم قوم لوگوں پر اپنے افسروں کے اشارے کے مطابق قانونی سختی کو روا رکھے۔ چنانچہ بنگال کے اکثر مقدمات کی روداد بغور ملاحظہ کرنے سے اس بیان کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اصلی علاج ان خرابیوں کا سلف گورنمنٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا جبکہ ٹیکس لگانے کا اختیار صرف جمہور کو حاصل ہوگا، اگزیکٹو و جوڈیشل دونوں کی تنخواہ صرف جمہور کے ہاتھ میں ہوگی اور فلاح ملک اور ترقی تجارت و صنعت کی ذمہ داری بھی صرف جمہور کے ذمہ ہوگی۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ وہ ہندوستان کے مرد بزرگ "مسٹر دادا بھائی نوروزجی" نے کلکتہ کانگریس کے موقع پر صاف کہدیا کہ ہم اپنا آخری مقصد "سوراج یا انگلستان کی سی سلف گورنمنٹ" سے کم کسی طرح قائم نہیں کر سکتے۔

پس ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ جب تک ہمارے مطالبوں کا دائرہ تنگ تھا اس وقت تک بیشک عرضداشتوں اور شکایت ناموں سے بھی کچھ کام نکلتا رہا لیکن جب کہ ہم نے سوراج کو علانیہ اپنا پولیٹیکل مذہب بنا لیا ہے تو اب بھی گداگری کی قدیم پالیسی پر قائم رہنا اول درجے کی نادانی ہے کیا معنی کہ جب یہ بات صریحاً عقل کے خلاف ہے کہ کوئی شخص کسی سائل کو اپنی تمام جائداد محض اسکے سوال پر بخوشی بخشدے تو ہم انگریزوں سے کس بنا پر اسکی امید کر سکتے ہیں کہ وہ محض ہمارے

درخواست پر حکومت کے نام اہم فوائد سے برضامندی دست بردار ہوجائیں گے۔ اب تو اگر ہمیں اپنی بات کا ذرا بھی پاس ہو تو بجائے رزولیوشن پاس کرنے کے دفاعی مزاحمت (ڈیسپوزاز سٹنس) کی پالیسی پر کاربند ہونا چاہئے اور عرضداشتیں پیش کرنے کو اس وقت تک ملتوی کر دینا چاہئے جبتک کہ ملک میں اتنی قوت پیدا نہ ہو جائے کہ ہماری عرضیاں جبری مطالبوں کی قائمقام کہی جا سکیں لیکن فریق نرم کو خوف ہے کہ ایسی کارروائی سے انگریز ناراض ہو جائینگے چنانچہ اسی ضمن میں ان کی

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ انگریزوں کو صریحاً اپنا مخالف بنا کر فریق گرم تحریک حریت کو نقصان پہونچاتا ہے

حالانکہ بہت کم غور سے یہ بات دریافت ہو سکتی ہے کہ تحریک حریت سے انگریزوں کی مخالفت قدرتی اور لازمی ہے جس کا الزام فریق گرم کو دینا کسیطرح قرین انصاف نہیں ہو سکتا۔ نرم لیڈر زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ قوم پرست فریق کی سرگرمی سے انگریزوں کی ناراضی قبل از وقت معرض ظہور میں آگئی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا یہ اعتراض بھی ناروا اور بیجا ہے۔

ہم اپنے نرم دوستوں سے سوال کرتے ہیں کہ آیا سلف گورنمنٹ آپکا آخری مقصد ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو ہمکو بھی آپ سے کچھ سروکار نہیں لیکن اگر ہے تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ سلف گورنمنٹ کا مطالبہ اور انگریزوں کی رضامندی دو متضاد چیزیں ہیں جن کا یکجا ہونا مصداق ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

یقیناً دشوار بلکہ محال ہے۔ پس جب ہمارے حصول مقصد کے لئے انگریزوں کی ناراضی لازمی قرار پائی تو پھر اس سے بچنے کی کوشش کرنا فضول ہی نہیں بلکہ مضر بھی ہے کیونکہ جتنے دنوں تک ہم خود کو دھوکے میں رکھیں گے یا بالفاظ دیگر انگریز بظاہر صورت ہم سے خوش رہیں گے ہماری پولیٹکل طاقت کے زوال کو ترقی ہوتی رہے گی۔ بیشک ہمارے لئے یہی پالیسی ہے جتنے جس قدر جلد ہو سکے ہم اپنی اصلی حالت کو ... وہ جو طرز عمل ان سے مناسب ہو اسے بلا خوف خطر اختیار کرنے میں مطلق تامل نہ کریں۔

شاید ہمارے نرم دوستوں کو امید ہوگی کہ ہم دھیرے دھیرے ہی بغیر انگریزوں کو ناراض کئے ہوئے تمام حقوق حاصل کر لیں گے۔ لیکن ہمارے نزدیک؎

این خیال است و محال است و جنوں

کیونکہ انگریزوں کی قوم اسقدر بیوقوف نہیں ہے کہ اہل ہند کی اصلی مقصد کی تہ کو نہ پہنچ سکے۔ علاوہ بریں اگر بفرض محال انگریز دھوکا کھا کر ہمکو بلا وجہ سلف گورنمنٹ بخوشی عنایت کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو ہمکو خود ایسے تحفے کے قبول کرنے میں تامل ہوگا کیونکہ بقول اخبار بندے ماترم ہم تو ضرور [illegible] میں سلف گورنمنٹ کو سخت کشمکش اور مزاحمتوں کے بعد قائم ہونا چاہتے ہیں اور ہم ایسی کشمکش کے خیر مقدم کے لئے آمادہ ہیں۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ اس سے ہماری قوم حب وطن اتحاد اور انتظامی قابلیت کا ایک ایسا سبق حاصل ہوگا جسکے بغیر ہم اس آزاد قومی زندگی کے ہرگز لائق نہ ہو سکتے جسکی ہمیں خواہش ہے۔ لا ریب ہم اس امر کو ترجیح دیتے ہیں کہ ہم کو سلف گورنمنٹ بجائے آسانی کے سخت مشکل سے حاصل ہو یعنی یہ کہ اسکا وجود خود ہماری ہی اندرونی قوتوں سے ہو نہ کہ بیرونی رعایتوں کی بدولت معرض ظہور میں آئے۔ ایسی نشوونما کے یقیناً حقیقی اور زیادہ قومی ہونے کے علاوہ اسکے نتائج بھی دوامی ہونگے۔ کیونکہ جو آزادی ہمکو بطور تحفہ حاصل ہوتی ہے وہ بہت جلد نابود بھی ہو جاتی ہے۔ اسکے برخلاف جو آزادی نتیجہ ہو سخت جہد و کشمکش کا اسکے دیرپا ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔"

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ دفاعی مزاحمت کی پالیسی حد اعتدال سے متجاوز ہے

چنانچہ اسی غلطی کی بنا پر فریق گرم کو بعض ناواقف اکسٹریمسٹ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حالانکہ دراصل دفاعی مزاحمت یا پیسو رزسٹنس کا منشا سوا اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ ہمارا [illegible] ہو ملک کو جنگ اور خونریزی کی مصیبتوں میں مبتلا ہونے سے باز رکھے۔ حاکم سے محکوم اپنے ملکی حقوق کو تین ہی صورتوں میں لے سکتے ہیں۔ اول درخواست رحمت کے ساتھ گدایانہ دست طلب دراز کر کے جسکا بیکار ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ دوسرے خونریزی و فساد کے ذریعے

سے حاکم کو مغلوب و مجبور کرے جسکی بظاہر حالات کوئی صورت نہیں نظر آتی۔ پس اب ہمارے لئے سوا اسکے اور کوئی کارروائی مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ فی الحال نہ تو ہم گداگری کی ذلت گوارا کریں نہ جنگ و جدل کی آزمایش میں پڑیں بلکہ ان دونوں سے علیحدہ رہکر وہ اس مزاحمت کے اس درمیانی طریق پر چلنا شروع کریں جو مفید ہونے کے بجائے کبھی مضر نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ بات ہے جسکی بنا پر مزاحمت کی پالیسی کو طلب کی پالیسی پر بیجا ترجیح حاصل ہے۔ کیونکہ بحالت ناکامی گداگر کی طبیعت مایوسی کے ایسے قعر میں گر جاتی ہے جہاں سے دوبارا نکلنا اسکے لئے بالکل محال ہو جاتا ہے۔ لیکن اسکے خلاف مزاحم اگر ناکام بھی رہے تو دوران مزاحمت میں اسے جو قوت اور تجربہ حاصل ہوتا ہے اسکا فائدہ کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً لارڈ کرزن نے جس وقت سر ہنری کاٹن کے ہاتھ سے کانگرس کے رزولیوشن لینے سے انکار کیا تو فریق نرم کو مایوسی کے سوا اور کچھ حاصل نہوا۔ حالانکہ اگر فریق گرم کا اصول بوائیکاٹ انگریزوں کو عطائے حقوق پر مجبور نہیں کر سکتے تاہم دوران بوائیکاٹ میں ملک کی تجارت اور اہل ملک کی ہمت اور خود اعتمادی کو جو نمایاں فوائد حاصل ہونگے انکو ہم بجائے خود ایک بڑی کامیابی کے برابر کہہ سکتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ انتہائی پالیسی درحقیقت جنگ و جدل کی پالیسی کا نام ہے۔ پس جو لوگ اس پالیسی کے پیرو ہیں وہ بیشک خطاب ایکسٹریمسٹ یا متطرفین کے مستحق ہیں لیکن انکے علاوہ پیروان خواص مزاحمت کو بھی انتہا پسند کہنا بہت بڑی غلطی ہے۔

مسٹر مارلے کی مجوزہ اصلاحوں کی حقیقت

ایک فرانسیسی دانشمند کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ جب کسی حکمراں کو اپنی محکوم رعایا کے لئے کوئی نیا طرز ستم ایجاد کرنا ہوتا ہے تو اس وقت کچھ تو اپنے ہمعصروں کی ملامت کے خوف سے اور کچھ رعایا کی زبان اعتراض بند کرنے کی غرض سے وہ اپنی تمام کارروائیاں اصلاح و انتظام کے نام سے جاری کرنا زیادہ مناسب خیال کرتی ہے۔ مثلاً لارڈ کرزن کو ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کا تنزل منظور خاطر تھا جس کی غرض یہ تھی کہ اہل ہند تعلیم یافتہ ہو کر اپنے حقوق سے آگاہ نہوں اور آزادی کا مطالبہ نکریں۔ لیکن چونکہ یہ تجویز اہل ہند کے مقاصد اور انگلستان کی ادعائے تہذیب کے بالکل مخالف

تھی اسلئے اُسے نامعلوم طور پر بروئے کار لانے کا یہ طریق اختیار کیا گیا کہ اصلاح تعلیم کی ایک ایسی کمیشن مقرر کی گئی جسمیں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو لارڈ کرزن کی خواہش کے مطابق اصلاح کے بجائے تخریب تعلیم کے درپے تھے۔

بعینہٖ یہی حال مسٹر مارلے کی مجوزہ اصلاحوں کا بھی ہے۔ مدت سے انگریز مندرجہ ذیل چند باتوں کو غور سے دیکھ رہے تھے کہ (۱) تعلیم یافتہ گروہ میں خیالات کی آزادی اور حکومت کی خواہش بڑھتی جاتی ہے اور وہ لوگ گورنمنٹ پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی کرنے میں بھی بہت بیباک ہوتے جاتے ہیں۔ (۲) والیان ملک۔ تعلقدار اور رؤسا اپنی ریاستوں کو محفوظ رکھنے کے خیال سے یا بباعث کم علمی ہمیشہ اظہار وفاداری میں سب سے آگے نظر آتے ہیں (۳) مسلمان ہر موقع پر اپنے تئیں حکومت کا تابعدار غلام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پس ان سب امور کے ملاحظے کے بعد [illegible] حکام نے یہ رائے قائم کی کہ کسی نہ کسی طرح سے تعلیم یافتہ گروہ کی قوت کو شکست کرنا اور امراء و اہل اسلام کی طاقت کو ظاہری طور پر بڑھا دینا چاہئے کہ اپنا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور ان آخرالذکر گروہوں کو حقیقی قوت بھی نہ حاصل ہو۔ چنانچہ مسٹر مارلے کی مجوزہ اصلاحوں کا منشا مذکورہ بالا خیال کو عملی صورت میں لانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو کہ

(۱) امراء و معززین کی کونسل میں جو ممبر ہونگے ان سب کو گورنمنٹ نامزد کرے گی جن کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ انکا کام صرف یہ ہوگا کہ جس وقت گورنمنٹ کسی معاملہ میں ان سے مشورہ کرنا چاہے گی وہ اُسے اپنی رائے سے فرداً فرداً خفیہ طور پر اطلاع دینگے۔ اپنی طرف سے انہیں کسی مسئلہ کو پیش کرنے کا مطلق اختیار نہ ہوگا نہ انکی رائے کا جمہور کی اطلاع کے لئے شائع ہونا لازمی ہوگا۔ البتہ گورنمنٹ ان کی مجموعی رائے کو جس غرض کے لئے چاہے گی استعمال کر سکے گی۔

اس کونسل کے بیکار محض ہونے کی ایک یہی وجہ کافی ہے کہ اسکے کل ممبر صرف رؤسا اور امراء کے ناقابل گروہ سے منتخب ہونگے جنمیں سے شاذ و نادر ہی کوئی رئیس ایسا ہوگا جسے والیسرائے کے روبرو اپنی آزادانہ رائے (اگر کسی رئیس کا آزاد رائے ہونا ممکن بھی ہو) بلا تامل پیش کر سکے ورنہ عام طور پر تو اس فرقے سے بجز حکام کی ہاں میں ہاں ملانے کے اس وقت تک کوئی اور کار نمایاں ظہور میں نہ آیا تھا۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ وہ لبرل گورنمنٹ جو انگلستان میں دارالامرا (ہوس آف لارڈز) کو اصلاح دینے کی کوشش میں مصروف ہے، ہندوستان میں کس اصول پر امراء کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کے لئے بیتاب ہو رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کا منشا سوا اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ان امراء کو قوت بنا دینے کے واسطے سے تعلیم یافتہ گروہ کو زک دیا جائے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی خیال رہے کہ رؤسا و امراء کو حقیقی قوت ذرا بھی حاصل نہو۔

گورنمنٹ کی طرف سے امراء کی تقویت مد نظر ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ انکی مجوزہ کونسل کو بالکل بے حیثیت بنا دینا کہاں تک مناسب ہے۔ ہمارے خیال میں یہ کونسل امرا جسے سٹیٹسمین کے اخبار [illegible] نے بالکل صحیح طور پر "نالائقوں کی کونسل" کا لقب عطا کیا ہے۔ محض بامر ثبوت قائم کی جاتی ہے کہ [illegible] معاملے میں گورنمنٹ اور تعلیم یافتہ گروہ کے درمیان اختلاف واقع ہو تو اس امر کا [illegible] ثبوت ہو جائے کہ جس کا حکومت کے خیال کے مطابق ہونا ایک لازمی امر ہے [illegible] عموماً اسے تعلیم یافتہ گروہ کی رائے کے مقابلہ میں پیش کرکے برٹش پبلک [illegible] قوت بنا دینے اور تعلیم یافتہ گروہ کو خاموش کرنے کا ایک قومی ذریعہ پیدا کرے اور ہندوستانی رؤسا اور امرا کو اپنی تابعداری کا ایک ذلیل آلہ بنائے۔

ہندوستانی ریاستوں کے بعض سادہ دل رئیس ممکن ہے کہ اس تجویز کو اپنی عزت افزائی سمجھ کر پسند کریں لیکن انہیں [illegible] سے جن کو ذرا بھی سمجھ ہوگی وہ اس کونسل کی شرکت کو اپنے لئے [illegible] عار سمجھیں گے اور اپنے دل میں غور کرینگے کہ کیا کوئی انگریزی صوبے کا گورنر یا لفٹنٹ گورنر ان کی ریاست میں لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کو اپنے لئے باعث عزت خیال کر سکتا ہے؟

(۲) وایسرائے کی کونسل میں بجائے ۲۵ کے اب مع وایسرائے ۶۵ ممبر ہونگے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے توسیع کونسلہائے ہند کا وعدہ ایک حد تک پورا کیا گیا ہے۔ لیکن غور کرنے سے پتا لگتا ہے کہ ممبروں کی [illegible] زیادتی تعداد ایک طرح فریب ہے [illegible] کچھ وقعت نہیں رکھتی جیسے اسکول کا ایک معمولی طالب علم بھی آسانی سے دریافت کر سکتا ہے۔ کیا معنی [illegible] ۲۵ ممبران کونسل میں سر

ہندوستانی ہوتے تھے وہاں اب ۲۵ میں سے صرف ۱۹ ہونگے۔ یا بالفاظ دیگر ہندوستانی ممبروں کی تعداد بحساب تناسب پہلے سے بھی کچھ کم ہو جاوے گی۔ پس جب معاملات کی صورت حال اس طور پر واقع ہوئی ہے تو پھر ہمارے نزدیک مسٹر مورلے کی تجویزوں کو اصلاح کے بجائے تخریب کا نام دینا زیادہ موزوں ہوگا۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ اس ۱۹ کی کم شدہ تعداد میں سے بھی ایک والیٔ ملک، سات تعلقدار و زمیندار اور دو نامزد شدہ مسلمانوں کو ہم صرف برائے نام ہندوستانی کہہ سکتے کیونکہ دراصل وہ لوگ اپنے اہل ملک کی تائید کی بجائے اپنے انگریز محسنوں اور افسروں کی ہاں میں ہاں ملانا غالباً زیادہ پسند کرینگے جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے۔ ذیل میں ہم ایک نقشہ درج کرتے ہیں جس سے موجودہ اور آئندہ ممبران کونسل کے اقسام اور تعداد کا حال ناظرین پر بخوبی واضح ہو جائیگا۔

موجودہ

گورنر جنرل	۱ انگریز
لفٹننٹ گورنر	۱ "
کمانڈر انچیف	۱ "
ایگزیکٹو ممبرس	۶ "
ایڈیشنل ممبرس	۶ "
چیمبر آف کامرس	۱ "
نامزد شدہ ممبر	۵ ہندوستانی
(بذریعہ چیمبرس کے) منتخب شدہ ممبر	۴ "
	جملہ ۲۵

مجوزہ

۱- گورنر جنرل، لفٹننٹ گورنر، کمانڈر انچیف، و ایگزیکٹو ممبر	۹ بدستور انگریز
۲- اڈیشنل ممبر	۲۰ انگریز

۳ - ماہرین فن	۲	انگریز
۴ - چیمبر آف کامرس	۲	"
۵ - نامزد شدہ ممبر	۲	نامعلوم
۶ - نامزد شدہ مسلمان ممبر	۲	برائے نام ہندوستانی
۷ - والی ملک	۱	" " "
۸ - رؤسا	۶	" " "
۹ - منتخب شدہ مسلمان	۲	ہندوستانی
۱۰ - ممبر صوبجات	۶	-

جملہ ۵۴

مندرجہ بالا نقشے کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان کو بحیثیت جمہوری وسیاسیات بجائے نفع کے نقصان ہوگا جیسا ہم ثابت کرچکے ہیں۔ تجویزہ اصلاح سے ہندوستانیوں کی نسبتی تعداد پہلے سے بھی کم ہوجائے گی۔ البتہ بظاہر رؤسا اور مسلمانوں کو کسی قدر فائدہ پہنچتا نظر آتا ہے لیکن ان دونوں گروہوں کو بھی معلوم رہنا چاہیے کہ گورنمنٹ کی یہ عنایت یقیناً لا لحب العلی بل لبغض المعاویہ کی مصداق ہے یعنی یہ کہ کونسلوں میں ان کی تعداد اس لئے نہیں بڑھائی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کو ان کا احترام یا پاس خاطر مد نظر ہے بلکہ محض اس خیال سے کہ انہیں ملکی معاملات میں تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کا مد مقابل بناکر محبان ملک کو خاموش اور برٹش پبلک کو گمراہ کیا جائے اور یہ بھی نادانستہ آسانی سے ہوجائے۔ بعض نادان مسلمان گورنمنٹ کی اس ذرا سی توجہ پر پھولے نہیں سماتے۔ لیکن انہیں آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے کہ جہاں پر کہ مسلمانوں کو صرف دو نمائندے منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے وہیں کلکتہ و بمبئی کی چیمبر آف کامرس کو بھی اپنے ۲ ممبر چننے کا حق حاصل ہے گویا چند انگریز تاجروں کی جو انجمنیں گورنمنٹ کی نگاہ میں اسی قدر وقعت رکھتی ہیں جتنی ہندوستان کی تمام اسلامی جماعت اور وہ بھی باایں ہمہ ادعائے وفاداری و غلامی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہم نے اس تحریر میں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف اس خیال سے لکھا ہے کہ انگریز اور ان کے کاسہ لیس بعض نرم ہندوستانی بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ تجویزہ اصلاحات کو نہایت اہم سمجھتے

ہیں۔ رہے ہمارے نزدیک توجب تک کونسلوں کی یہ صورت قائم ہے کہ ان کے ہندوستانی ممبر سرکاری ممبروں کی مخالفت کے باوجود نہ تو کوئی نئی تجویز پیش کرسکتے ہیں نہ انہیں بجٹ میں ایک پائی کی بھی ترمیم کا اختیار حاصل ہے۔ اسوقت تک صرف بجٹ اسپیچوں میں عبث اپنا وقت ضائع کرنا اور ان کونسلوں کے معاملات کو اہم سمجھنا اول درجے کی حماقت ہے۔ اور بقول اخبار میسور اسٹینڈرڈ ہم گورنمنٹ کو یقین دلاسکتے ہیں کہ اسوقت تک جن رعایتوں کے عطا کرنے کا وعدہ کرتی رہی ہے اگر نہیں بھی وہ ہم سے واپس لے لے تو کسی کو مطلق رنج نہوگا۔ نمایشی حقوق نیابت اور برائے نام کونسلوں پر ہم اس بات کو ترجیح دینے کے لئے تیار ہیں کہ حکومت ہندوستان کے باب میں خود سر حکام کو ویسی ہی پوری آزادی حاصل ہو جیسی کہ اس وقت حاصل ہے اور جمہوری نیابت یا دیگر انتظامی معاملات کے جھگڑوں اور فکروں میں پڑنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ ہندوستان کے وطن پرستوں کو لازم ہے کہ مجوزہ اصلاحوں سے مطلق سروکار نہ رکھیں اور ان نمایشی کونسلوں کی ممبری قبول کرنے سے قطعی طور پر انکار کردینا۔"

واسوخت سحر

سنئے انداز کا واسوخت سناتے ہیں تمہیں — گرما گرمی یہ طبیعت کی دکھاتے ہیں تمہیں
جس طرح ہم کو ستایا ہے ستاتے ہیں تمہیں — دیکھنا باتوں میں کیا سبق بتاتے ہیں تمہیں
یہ گرم ہوا بخشش مبارک صاحب
ضبط کی تاب نہیں چپ رہیں کب تک صاحب
دل سے بیزار ہیں سب ٹھیک یہاں آ بیٹھے ہیں — اب تلک آپ کے ہاتھ سے ڈرے بیٹھے ہیں
یہیں بیٹھے ہیں جہاں سے بے خبر ہو بیٹھے ہیں[۵۱] — اپنی دانست میں سب غیر مرد بیٹھے ہیں
دیکھنا کاٹ سروہی کا دکھا دیتے ہیں آج

---

[۵۱] سب بے خبر ہے خانہ ... کی زبان سے بعض لالہ ... دبے پردہ ... نہیں کس بات کی خبر ہو۔ اڈیٹر

لال کوٹھی ترے کمرے کو بنا دینگے آج

ہیں بہت رنج میں دو چار کو ماریں گے ہم　　جتنا غصہ ہے رقیبوں پہ اتاریں گے ہم
آپ کیا آپکے گھر بھر سے نہ ہاریں گے ہم　　گالیاں دیکے ابھی سب کو پکاریں گے ہم

پاس بیٹھو نہ لگاوٹ سے ہٹو دور ہی ہو

دور ہو سامنے سے دور ہی ہو دور ہی ہو

آج سے بات نہ کرنا یہ کہے دیتے ہیں　　بات کرتے ہوئے ڈرنا یہ کہے دیتے ہیں
دم محبت کا نہ بھرنا یہ کہے دیتے ہیں　　اب انہیں لوگوں پہ مرنا یہ کہے دیتے ہیں

خوب صحبت سے تمہیں واہ اسی قابل ہو

اپنے قابل نہیں واللہ اسی قابل ہو

ہمنے معشوق بنایا تمہیں محبوب کیا　　اسکے بدلے میں سلوک آپنے کیا خوب کیا
بےحجاب اور رونے ہوکر مجھے محجوب کیا　　تمنے جو امر کیا وضع کے معیوب کیا

آگے اسطرح کی صحبت نہ رہا کرتی تھی

آگے اسطرح بر انڈی نہ بہا کرتی تھی

آگے یہ طور نہ تھا اب جو غضب ہوتا ہے　　کثر ایک ایک سر بزم طلب ہوتا ہے
بے پیے چین پڑے تمکو یہ کب ہوتا ہے　　نہیں معلوم کہ کون اسکا سبب ہوتا ہے

بن پڑی غیروں کی لوگوں نے بگاڑا تم کو

جوڑ کر کے مرے گھر سے اکھاڑا تم کو

غیر اسطرح سرافراز نہوتے تھے کبھی　　آئینہ دیکھ کے سو ناز نہوتے تھے کبھی
فاش اسطرح مرے راز نہوتے تھے کبھی　　سحر کی باتو نسے اعجاز نہوتے تھے کبھی

ان دنوں میں تری صحبت کا تو یہ رنگ نہ تھا

جوڑ باز ایک نہ تھا ایک جگت رنگ نہ تھا

غیر کی بات کہاں ذہن نشیں ہوتی تھی　　اب ہوتا تھا اگر برق کہیں ہوتی تھی

تھا اٹھنا تو جلدی کہ تھے جب سے زبیں پاتی تھی نشہ جب کہانیکو کہتے تھے نہیں پاتی تھی
منہیں تاڑی کی نہ اسطرح دہری رہتی تھیں
ڈبلیا یا قوتیوں سے یوں نہ بھری رہتی تھیں
صاف تو یہ ہے یہ نشہ یہ گزک کا ہیکو تھی صاف تو یہ ہے کہ میں یہ جھک کا ہیکو تھی
صاف تو یہ ہے یہ تہمت میں جھک کا ہیکو تھی صاف تو یہ ہے کہ یہ نوک پلک کا ہیکو تھی
آگے اسطرح بدن میں کبھی بو باس نہ تھی
مہنی سکتے ہیں جسے آگے ترے پاس نہ تھی
گو ہجوم آگے بھی ڈیوڑھی میں پڑے رہتے تھے لوگ اسطرح نہ کرتے میں پڑے رہتے تھے
روکنے کے لئے دربان کھڑے رہتے تھے چاہنے والے نہ گاہوں میں اڑے رہتے تھے
آگے اسطرح کسی دن نہ لڑی تھیں آنکھیں
سب کی آنکھوں سے تو پہلے ہی بڑی تھیں آنکھیں
دیکھنا تمکو نہ آتا تھا دکھاتا کیسا + نہ معلوم تھا ہونا سے نشانا کیسا +
جھولی قسمیں سکتے کہتے ہیں بہانا کیسا + مونہہ سے آواز نکلتی نہ تھی گانا کیسا +
دل کے لینے کی کوئی گھات ہی معلوم نہ تھی
بات کرنے کی کوئی بات ہی معلوم نہ تھی
اب تو کیا کیا نئے انداز نکالے تم نے واہ کیا ڈھونڈ کے دمساز نکالے تم نے
آشنا سارے دغاباز نکالے تم نے نئے اعجاز نئے ناز نکالے تم نے
سے طرح دل میں سمائی ہے خدا خیر کرے
سے طرح وضع بنائی ہے خدا خیر کرے
آدمیت سے نہیں آپ کو ہنس دیکھ لیا پیار کر کے تمہیں دس بیس برس دیکھ لیا
اب زیادہ نہیں بندہ کو ہوس دیکھ لیا خوب سا دیکھ لیا آپ کو بس دیکھ لیا
اپنی جانب سے ملاقات نباہیں کب تک
تم مرو اور کسی پر ہمیں چاہیں کب تک

ہو نہ مغرور کہ ہم پر بھی یہی عالم تھا — یاد تو کیجیے کچھ آپ سے بندہ کم تھا
جیسے سب لے رہے ہو تم میں بھی یونہی بیغم تھا — آجتک کہتے ہیں سب لوگ عجائب[1] دم تھا

جب یونہی حسن پر مغرور تھے ہم تم دونو
لکھنو میں یونہی مشہور تھے ہم تم دونو

بلکہ رنگ آپکا مدہم تھا مری رنگت سے — آئینے میں نہیں ملتا تھا کسی صورت سے
آئینہ دور ہی سے دیکھتے تھے حیرت سے — لوگ سب ڈرتے تھے کہہ سکتے نہ تھے دہشت سے

منہ پہ منہ رکھتے تھے ہم شرم تمہیں آتی تھی
بات کرتے ہوئے رنگت سی اڑی جاتی تھی

خود پر پرواہ تھے ہم تم کو سمجھتے کیا تھے — سیکڑوں دیتے تھے دم تمکو سمجھتے کیا تھے
کچھ نہ تھا رنج کا غم تم کو سمجھتے کیا تھے — روز کرتے تھے ستم تم کو سمجھتے کیا تھے

رات بھر وصل میں رکھتے تھے لڑائی تم سے
چین لیتے تھے خفا ہو کے رہائی تم سے

جاڑوں میں روز دونکا کھانا تو ذرا یاد کرو — چپکے لیٹے ہوئے گانا تو ذرا یاد کرو
رات بھر میرا ستانا تو ذرا یاد کرو — صبح تک پاؤں دبانا تو ذرا یاد کرو

یہ تو کچھ بات نہیں بات کوئی یاد نہو
اوس سے کہیے کہ جو ان باتونمیں استاد نہو

پائینتی رات کا سونا بھی تمہیں بھول گیا — وہ دوپٹہ کا بچھونا بھی تمہیں بھول گیا
منہ سے لپٹے ہوئے رونا بھی تمہیں بھول گیا — کیا مسہری کا بھگونا بھی تمہیں بھول گیا

کیا ہوا غیر کی الفت میں جو بیہوش ہو تم
خود فراموش نہیں وعدہ فراموش ہو تم

اگلی باتوں کو ذرا یاد کرو یاد کرو — مفت برسوں کی ملاقات نہ برباد کرو
ترک منظور ہو بالکل تو وہ ارشاد کرو — پھر نہیں ملنے کے ہم رو کے فریاد کرو

[1] عجیب کے بجاے عجائب خاص لکھنو کا روزمرہ ہے - اڈیٹر

حشر تک پھر نہ ملیں گے جو خفا ہونگے ہم
وصل ہوگا نہ کبھی ایسے جدا ہونگے ہم

جھوٹ سے ہے جھوٹ سے ایکو رہتیں چھیڑتے ہیں   اپنی صورت پہ ہو مغرور نہیں چھیڑتے ہیں
عاشقوں کا ہے یہ دستور نہیں چھیڑتے ہیں   ترک بالکل نہیں منظور نہیں چھیڑتے ہیں

اب بھی کچھ بات نہیں ہے جو منالو ہم کو
ہمنے جو باتیں سنائی ہیں سنالو ہم کو

سن کے جلسے کی خبر آئے تھے سرشار تھے ہم   غصہ اسطرح کا تھا روح سے بیزار تھے ہم
کیا ہوا مارنے پر غیر کے تیار تھے ہم   آپ ہیں کا ہیکو تھے نشہ سے ناچار تھے ہم

مفت میں آپسے الجھی ہوئی تقریر ہوئی
بشریت تو ہے انسان ہیں تقصیر ہوئی

بخاب جانے دو صورت نہ پریشان کرو   گو میں لو کاٹ لو جو چاہو تم احسان کرو
بس اٹھو بہر خدا وصل کے سامان کرو   دیکھو گھورو نہ بہت اپنی طرف دھیان کرو

مجھسے بیفائدہ کی یہ خفگی جانے دو
بس رولایا بہت ایسی تو ہنسی جانے دو

تم جو ملجاؤ تو ہو عید ہمارے گھر میں   سجدے کرتے پھریں ایذاں ابھی سارے گھر میں
ہو چلیں وصل کے سامان تمہارے گھر میں   حشر تک ہوں نہ رقیبوں کے گذارے گھر میں

گھر سے نکلیں نہ کبھی اپنا جو گھر دل میں ہو
عشق پیدا وہ کریں ہم کہ اثر دل میں ہو

ہم سے ملجاؤ رقیبوں کو خفا ہونے دو   سایہ کی طرح سے ہم پھر نہ جدا ہونے دو
اپنے بیمار کی لازم ہے دوا ہونے دو   زندگی تلخ ہے جینے کا مزا ہونے دو

نہیں ملنے کے کہیں چاہنے والے ہم سے
سارے عالم میں نہیں چاہنے والے ہم سے

ہم وہ عاشق ہیں اگر تیرا اشارہ ہو جائے   مال کیا جان کا دینا بھی گوارا ہو جائے

تم باللہ ابھی سب کنارہ ہو جائے — چھوڑ دیں گھر ترا کوچہ ہمیں پیارا ہو جائے

ہم وہ عاشق ہیں ہتھیلی پہ ہمیشہ سر ہے
جان مانگو تو اسی وقت کہیں حاضر ہے

جو گلا کاٹ کے مر جائیں اگر مرضی ہو — ابھی کوٹھے سے اتر جائیں اگر مرضی ہو
مر کے اس کوچے سے گھر جائیں اگر مرضی ہو — منہ سی جھکتے ہیں کر جائیں اگر مرضی ہو

آزمائیے اسمیں بھی نہیں بند ہیں ہم
آپ راضی ہوں تو باللہ رضامند ہیں ہم

خوب واسوخت کہا آپ نے واللہ سحر — اپنے غصے سے کیا خوب انہیں آگاہ سحر
دوست سے ملنے کی نکالی ہے نئی راہ سحر — نور کے بند کے صل علیٰ واہ سحر

دل جلانے کی یہ تدبیر نکالی تم نے
مار رکھنے کی یہ تقریر نکالی تم نے

حصہ نظم

غزل جناب مولوی رضا علی صاحب وحشت از کلکتہ

حریف دیدۂ دیدار جو کیا ہو حجاب اسکا — نگاہ آشنا ہے مجھکو ہر تار نقاب اسکا
غضب ساقی کی بدمستی ستم جوش شباب اسکا — چھلک پڑتا ہے اسکے ہاتھ سے جام شراب اسکا
ہزاروں اسکے قدموں پر تہ مشتاق گرفتاری — مرے ہی دلکو چھانٹا دیکھنا تو انتخاب اسکا
مجسم مہر ہے ہر چند مہر اسکی بلا سے نکلے — تری چشم حیا پرور کہ عالم ہے خراب اسکا
ہے ارزاں اسقدر دیدار جاناں ہم نہ مانینگے — زلیخا کیا سناتی ہے خیال اسکا ہے خواب اسکا
نگہ کی تیری بے چینی نے مارا مجکو اے ظالم — مرے دل میں سما کر پھر رہا ہے اضطراب اسکا
کرم کی ہے نظر افتادگان خاک پر دائم — محافظ ہے دلوں کا طرۂ عالیجناب اسکا

۱ حاضر کو حاضر کہنا خاص لکھنو کا لہجہ ہے — اڈیٹر

وہ زلفِ خم بخم کب ہاتھ آتی ہے ہر سر سے ۔۔۔ گرہ ہو کر رہا ہے میرے دل میں پیچ و تاب اُسکا

کلام عرفی شیراز سے تقلید کے قابل
ہمارے ریختے میں دیکھ لے وحشت جواب اُسکا

غزل حضرت ضامن کنتوری

آئینہ حسن ازل کا ہے ترا نام مجھے ۔۔۔ نظر آنے لگا آغاز میں انجام مجھے
تھا کبھی ہمقدم حوصلہ و ہمت و عزم ۔۔۔ اب تو ہے یاد تمنا کا فقط نام مجھے
میں تو شکوہ بھی نہ لاؤں کبھی لب پر اپنے ۔۔۔ کام نکلے جو ترا کہنے سے ناکام مجھے
داغ فرقت ہوا مہر قیامت نہ سہی ۔۔۔ کر دیا عشق نے خورشید لب بام مجھے
روز کرتا ہوں ہوا داری عنقا سے امید ۔۔۔ کہ ملے کاش کوئی بو سہ پیغام مجھے
شکوہ تھا عرض نیاز اور تحمل ہے غرور ۔۔۔ آخرش کچھ تو دیا چاہیں وہ الزام مجھے
بیخودی بڑھ گئی حد سے ہی خودی اب کار ۔۔۔ ساقیا دے سے نہ دے کا اک جام مجھے
ہوں گرفتار بلا اُڑ کے کہاں جاؤنگا ۔۔۔ نظر آتے ہیں ہوا میں قفس و دام مجھے
ایک دھوکا ہی فقط جلوۂ نیرنگ مراد ۔۔۔ یعنی امید پہ کرنا ہے ہر اک کام مجھے

میری تقدیر میں ہے گوشۂ عزلت ضامن
خلق کی گرمی ہنگامہ سے کیا کام مجھے

غزل جناب نواب سید محمد مرتضیٰ خان صاحب تشنیم نبیرہ نواب صدیق حسنخان مرحوم

لقب بعد فنا ہے کشتۂ ناز صنم میرا ۔۔۔ وجود بار کی شہرت کا باعث ہے عدم میرا
میسر سوگوار آئے نہ پھر عالم میں تا محشر ۔۔۔ ہو عین راحت اگر تقسیم ہو رنج و الم میرا
مرا سر کاٹ کر تیری بلا آزردہ خاطر ہو ۔۔۔ یہی تھا مدعا ہے دل تری سر کی قسم میرا
منور پرتو رو سے بتاں ہے دل جو رہتا ہے ۔۔۔ وقار اسواسطے کرتے ہیں سب اہل حرم میرا
نہیں ہے باریابی انکی محفل میں اگر مجھکو ۔۔۔ سلام شوق ہی پہونچا نسیم صبحدم میرا

متاعِ کامیابی سے ہے مالامال ہر رہرو　　کہ خضرِ منزلِ مقصود ہے نقشِ قدم میرا
نہ ہوتیں سامنے میرے عدو سے لطف کی باتیں　　خیال اتنا تو لازم تھا ستمگر سے کم میرا
یہی ہے آرزو سے دلِ شمیمِ خستہ کی یارب
کہ تیرے نام کے ہمراہ نکلے تن سے دم میرا

غزل جناب صاحبزادہ مصطفٰے علیخاں صاحب تشریر پرائیویٹ سکریٹری جناب نواب صاحب بہادر رامپور

حقیقت کھل گئی داغِ دلِ خوں سے گلشن کی　　مری آنکھوں نے کھودی آبرو روکر ساون کی
کبھی بیکار دم بھر بھی نہ پایا دستِ وحشت کو　　نہ پہونچا جیب گریباں تک خبر لی اپنے دامن کی
مرے زخمِ جگر لیتے نہیں احسان ٹانکوں کے　　گراں دل پر گذرتی ہے عنایت نوکِ سوزن کی
سرِ محفل نگاہوں میں ہوئیں گستاخیاں تم سے　　قضا تا نظر پر دوڑتی پھرتی ہے دشمن کی
ہمیں مارا ہے اک رشکِ گلستاں کی کدورت نے　　چڑھانا قبر پر پھولوں کے بدلے خاک گلشن کی
ادھر شوقِ شہادت کی کشش سے دید کے قابل　　ادھر کھینچے ہوئے بیٹھیں ہیں وہ تلوار جتون کی
تشریر وہ ہو کانہ کہا نا ہو تو یہ کہو یاد یہ مصرع
امانت دوستی پر تم کبھی جانا نہ دشمن کی

جناب مولوی محمد ریاض حسن خانصاحب المتخلص بہ آتش وخیال رئیس سول پور

آج رہ رہ کے جو یوں عذرِ جفا ہوتا ہے　　کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوتا ہے
جو میرے دل میں خلاف اُسکے ہمیشہ تقدیر　　جو ترا حکم وہی حکمِ قضا ہوتا ہے
لذتیں عالمِ امید کی برحق لیکن　　عالمِ یاس میں کچھ اور مزا ہوتا ہے
چپ رہوں تو وہ سمجھتا ہے کچھ آتا نہیں　　اور دکھ درد سناؤں تو خفا ہوتا ہے
دیکھئے دل تو بھر اب روتے ہو بیکار خیال
چوک جب ہو گئی پچتا نے سے کیا ہوتا ہے

غزل جناب محمد رفیق صاحب صغیر از مالیر کوٹلہ

کیا حاصل ظہور سر کوہ طور تہا — جب مہر و ماہ میں بہی تمہارا ہی نوریتا
ابتک ہیں شوق دید کی بیتابیاں وہی — گویا شباب برق سر کوہ طور تہا
دل تہا کہ بیقرار تہا صبح شب وصال — میں تہا شکوہ سنج دل ناصبور تہا
چہیڑو نہ ذکر بادہ کہ یاد آ گئے مجہے — وہ دن کہ میں شراب مسرت سرجو رہتا
واعظ کو کچہ مذمت صہبا میں تہا نہ ہوش — گویا وہ مست فکر شراب طہور تہا
اب کیا ہوئے وہ دن کہ برابر تہی حسن و عشق — اپنے مجہے تہا ناز انہیں مجہپر غرور تہا

دیکہو صغیر نام وفا پر نہ حرف آئے
ایسا نہ ہو کہ کوئی کہے ناصبور تہا

بہار سوز و ساز

از
میرزا لاو بالی

کیا ہوئے وہ عہد و پیماں تیرے او پیماں شکن — تو نے پہلے تو کبہی اسطرح ترسایا نہ تہا
کیا خبر تہی مجہکو تیرے اس فریب و مکر کی — تجہکو میں نے اسقدر تو سنگدل جانا نہ تہا
کب ہوئی تہی مجکو تیرے دیکہنے کی آرزو — کب میں تیرے جلوۂ نادید کا دیوانہ تہا
کیا نہیں مفتوں کیا ذوق نگہ کا تو نے خود — بام پر شام و سحر تو جلوہ گر تہا یا نہ تہا
یوں پریشاں کب میں پہرتا تہا خیال زلف میں — کاکل پیچاں کا مجہکو تو کبہی سودا نہ تہا
آج کیوں جور و جفا پر تو نے باندہی ہے کمر — اے ظالم پہلے تو ہی باوفا تہا یا نہ تہا
آج کیوں دل سے بہلایا تو نے مجہکو اسطرح — تو نے تو میرا ستانا یوں کبہی چاہا نہ تہا

میں سناؤں درد دل اور تو کہے بیدادگر
"خواب تہا جو کچہ کہ دیکہا جو سنا افسانہ تہا"

غزل حسرت موہانی (پولیٹکل)

رسم جفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے
حب وطن مست خواب دیکھیے کب تک رہے

دل پہ رہا مدتوں غلبۂ یاس و ہراس
قبضۂ حزم و حجاب دیکھیے کب تک رہے

تا بکجا ہوں دراز سلسلہائے فریب ق
ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھیے کب تک رہے

پردۂ اصلاح میں کوشش تخریب کا
خلق خدا پر عذاب دیکھیے کب تک رہے

خدمت باطل میں ہے فرقۂ بدنام اب
حق سے اسے اجتناب دیکھیے کب تک رہے

آہ وہ تاب کا جواب دے پئے اظہار حق
باعث صد خطاب دیکھیے کب تک رہے

نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم
جبر بہ زیر نقاب دیکھیے کب تک رہے

دولت ہندوستان قبضۂ اغیار میں
بے عدد و بے حساب دیکھیے کب تک رہے

حزب سے بے خلل دیکھیے کیونکر رہے
کشمکش انقلاب دیکھیے کب تک رہے

ہے تو کچھ اکھڑا ہوا بزم حریفاں کا رنگ
اب یہ شراب و کباب دیکھیے کب تک رہے

حسرت آزاد پر جور غلامان وقت
از رہ بغض و عتاب دیکھیے کب تک رہے

غزل جناب قاضی علی امجد حسین صاحب امجد الافاضل متخلص امجد بدایونی

اے دل ببوسہ شاہ نجف رو براہ باش
خواہی کہ خورشوی بروش ہمچو ماہ باش

رہبر خدا مرشد خویش و شکر ہیست
در منظر و بجائے خودش چون نگاہ باش

دانی ہر آنچہ ہست علی ما علی علی ست
از منطق و دلیل نہ در اشتباہ باش

از این و آن و شیخ و برہمن کنارہ گیر
آسودہ حال باش بہ حال تباہ باش

عصیان بعفو و عفو بعصیان مناسب است
بینندہ دو دو دیدہ شام و پگاہ باش

امجد سے ولائے علی را مگیش مدام
از جام جم مشو نہ کشکول شاہ باش

(۵) مصاحب اتفاقی (حصہ دوم) مصنفہ جناب شیخ فیاض علی صاحب ساکن شاہ آباد ضلع ہردوئی

تقطیع ۲۰×۲۶ - حجم ۴ جزو قیمت غالباً ۴ ر - حضرت مصنف نے ایک اخبار موسوم بہ جدو جہد بھی نکالنا شروع کیا ہے جسکی قیمت تین روپیہ سالانہ مع محصول ہے اور حجم بڑی ۱۲ صفحوں کا ہوتا ہے - اس سے آپ کی "غرض روپیہ کمانا نہیں ہے بلکہ ملک کی خدمت کرنا ہے" خریداران جدو جہد کو مصاحب اتفاقی ہر دو حصہ بلا قیمت دئے جاتے ہیں - مصاحب اتفاقی حصہ اول میں ایک اتفاقی مصاحب کے ذریعہ سے ایک بگڑے نواب کے راہ راست پر آجانیکا دلچسپ حال بصورت ناول درج کیا گیا تھا - اب دوسرے حصے میں انہیں "مصاحب" کی زبانی اور انہیں نواب صاحب کی صحبت میں متعدد تعلیمی تمدنی اور ملکی مسائل پر بڑی عمدگی کے ساتھ بحث کی گئی ہے - خصوصاً ہندوستان کے روزافزوں افلاس کا نہایت سیدھے سادے طریقے سے ثبوت دیا ہے اور بعض سادہ لوح لوگوں کی ان مہمل دلیلوں کا کہ پہلے لوگ برہنہ پا رہتے تھے اب جوتے پہنتے ہیں یا پہلے چھتر لگانیکا استحقاق صرف بڑے آدمیوں کو حاصل تھا اب ہر موضع میں چھتریاں نظر آتی ہیں غرضکہ معیار آسائش روز بروز بلند ہوتا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان روز بروز دولتمند ہو رہا ہے، نہایت مدلل طور سے جواب دیا ہے - (۶) خیالات - یعنی مجموعہ مضامین مختلفہ جو وقتاً فوقتاً ملک کے مشہور رسائل میں خان میرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بندوبست میانوالی کی جانب سے شائع ہوتے رہتے ہیں - تقطیع ۲۰×۲۶ حجم ۳۰۴ صفحے - قیمت فی جلد ۸ مصنف سے طلب کرنا چاہیئے -

(۷) رپورٹ انجمن اتحاد بارہ گانواں ضلع مونگیر - اس رپورٹ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وصی احمد صاحب بی - اے مولوی نظر حسن صاحب وکیل مونگیر وغیرہ کی مدد سے بیشتر اہل وطن کو تعلیم کی جانب مائل کرنے کی قابل تعریف کوشش میں بکامیابی مصروف ہیں - چنانچہ ضلع مونگیر میں انگریزی اسکول کا قائم ہونا اسی انجمن کا بدولت سمجھنا چاہیئے -

اردوئے معلی علیگڈھ سلسلہ جدید

از سنہ ۱۹۰۸ء

اڈیٹر سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے

مقاصد ضروری (منجملہ دیگر مقاصد) لٹریچر و پالٹکس

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک

قسم اول - اول درجے کے ڈبل ایسی کاغذ پر ۔۔۔ عہ

قسم دوم - عمدہ سفید کاغذ پر ۔۔۔ عا

قسم سوم - معمولی کاغذ پر ۔۔۔ عہ

نوٹ - (۱) اردوئے معلی کیساتھ بطور ضمیمہ ہر سال اساتذہ قدیم کے غیر مطبوعہ دو دیوان مع دیباچہ و مقدمہ شایع ہوتے ہیں ... قسم اول کی قیمت مع اُن دواوین کے حسب شرح سابق للعہ سالانہ ہے۔

نوٹ - (۲) جدید خریداران کو بطور نمونہ جنکا اشتہار ذیل میں درج ہے قسم اول و دوم و سوم کے خریداروں کو عہ، ۸ر، ۴ر کی کتابیں بلاقیمت نذر ہونگی۔

دیوان غالب - طبع ثانی شرح دیوان قیمت صرف عہ

دیوان مصحفی - ۸ر دیوان شیفتہ ۸ر دیوان حسرت ۴ر

دیوان میر سوز ۴ر - دیوان قائم ۸ر رپورٹ اردو بمبئی کانگرس ۸ر

رپورٹ بنارس کانگرس ۵ر نیشنل کانگرس از ملا عبد القیوم مرحوم - ۴ر

رپورٹ کلکتہ کانگرس ۴ر - اردوئے معلی جلد پنجم قسم اول از جولائی تا دسمبر ۱۹۰۵ء - ۸ر - اردوئے معلی جلد ششم قسم دوم از جنوری تا جون ۱۹۰۶ء - عہ - ایضاً جلد ہفتم قسم دوم از جولائی تا دسمبر ۱۹۰۷ء عہ اردوئے معلی جلد ہشتم قسم سوم از جنوری تا جون ۱۹۰۸ء - ۱۰ر - انوار العیون ملفوظات مخدوم احمد عبد الحق ردولی

درخواست خریداری بنام سید فضل الحسن مینیجر اردوئے معلی علیگڈھ

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کمشنر اکرام صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں اور میڈیکل کالج کے ... والیان ریاست اور ولایت کے ... بعد تجربہ کے اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے۔ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت و تاریکی چشم و دھند جالا پڑوال - سبل سرخی ابتدائی موتیابند ناخنہ پانی جانا خارش وغیرہ چند روز کے استعمال سے بینائی بڑھ جاتی ہے اور عینک کی حاجت نہیں رہتی بچوں سے لیکر بوڑھے تک یکساں مفید ہے قیمت فی تولہ اول ... فی تولہ دو روپیہ ممیرہ کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم کا فی تولہ تین روپیہ ہے۔ خالص ممیرہ فی ماشہ بیس روپیہ عنبری سرمہ فی تولہ چار آنہ محصول ڈاک ذمہ خریدار۔

المشتہر

پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

ان سے بڑھکر اور کیا شہادت ہوسکتی ہے

(۱) میں نے ممیرے کے سرمہ کو جو کہ سردار میا سنگھ صاحب نے خود بنایا ہے آپ خود اور بہت سے مریضوں پر استعمال کر کے دیکھا ہے اور میں اس امر کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ یہ نادر ممیرہ کا سرمہ نہایت ہی مفید اور آنکھوں کی بیماریوں کے واسطے اکسیر کا حکم رکھتا ہے میں نے اپنے تجربہ میں آجتک کوئی سرمہ اس سے زیادہ فائدہ بخش نہیں دیکھا۔ آپکو آنکھوں کی ذرا سی بھی کسی قسم کی شکایت ہو بہت زور سے استعمال کرنے کی سفارش کرتا ہوں کہ ہر طرح سے مفید اور فائدہ بخش ثابت ہوگا پانی آنا - دھند خارش سرخی کیواسطے انگریزی ادویات سے زیادہ فائدہ بخش ثابت ہوگا اور سچ مچ آپ نے اسقدر سستے داموں میں یہ سرمہ ایجاد کر کے ملک اور قوم پر بڑا احسان کیا ہے اسکا شکریہ الفاظ میں ہونا محال ہے ضرور ہے کہ ملک کے تمام لوگ آپکے سرمے سے فیضیاب ہوں اور فائدہ اٹھائیں اور ہر طرح کی بیماریوں سے نجات حاصل کریں۔

راقم

پنڈت گنگارام صاحب ڈاکٹر حضور نواب صاحب بہادر بہاولپور

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۵۲

اردوئے معلی

نمبر ۴ و ۵	بابت ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۰۶ء	جلد ۹

مرتبہ سید فضل الحسن حسرت موہانی بی۔ اے

فہرست مضامین

مقام اشاعت دفتر اردوئے معلی علیگڈہ
اردو پریس علیگڈہ میں طبع ہوا

قیمت سالانہ (۳) روپیہ ... قیمت فی پرچہ ...

نو کتب و اخبارات جدید

سیاحت امیر مولفہ جناب حکیم برہم صاحب اڈیٹر ریاض الاخبار گورکھپور مجلد مع ۱۶ جزو تقطیع ۲۶×۲۰ مع تصویر ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خان - قیمت ؏ علاوہ محصول - مولف سے طلب کرنا چاہئے - اس کتاب کے دو حصے ہین حصہ اول مین افغانستان کی مختصر تاریخ امیر حبیب اللہ کے سوانح زندگی اور موجودہ نظام مملکت افغانستان ۸۶ صفحون مین درج کیا گیا ہے حصہ دوم مین امیر صاحب کی سیاحت ہند کے مفصل حالات بڑی کاوش کے ساتھہ ۲۰۰ صفحون مین جمع کئے گئے ہین غرضکہ کتاب نہایت دلچسپ اور خریداری کے قابل ہے -

نیرنگی دہر یا مجیدہ بیگم کے مصائب اور وفاداری کی داستان اور شریف النسا کی خوفناک کج ادائیون کا انجام مصنفہ عبد الغفور صاحب ہیڈ ڈپٹی شاب علیگڈہ کالج سابق طالبعلم مدرسۃ العلوم ۱۴۲ صفحے قیمت ۔ ۔ ۸/ ناول مین زنان بازاری کی بیوفائی لیکن بعض مواقع پر انکی عجیب و غریب وفاداری کا افسانہ درج ہے جسکو مصنف کی پہلی تصنیف ہونیکے لحاظ سے ہم قابل اطمینان کہہ سکتے ہین امید ہے کہ آئندہ آپ ناولون کی نقش مضمون کو زیادہ عامیانہ ہونے دینگے -

ارمغان دیوالی یعنی وید درنتی جسمین وہ اخلاقی اور حکیمانہ نصیحتین ایک جگہہ جمع کردی گئی ہین جو وید ورنے راجہ دہرت راشٹر کو کی تہین اور جنکا مفصل ذکر مقدس مہابھارت مین موجود ہے - ازمانک راو وٹھل راو صاحب حسینی علم حیدرآباد دکن مجموعہ ۶ جزو - اس کتاب کے مفید اور قابل خرید ہونے مین کوئی شبہہ نہین ہے - شائقین مولف سے مفت طلب کرین -

راشٹگوپتے (سالانہ) اس نام کا جو اسم بامسمی ماہوار رسالہ الہ آباد سے شائع ہوتا تھا وہ اب اپنے محب وطن اڈیٹر منشی ای پی نمازی پوری کی ہمت و کوشش سے ہفتہ وار نکلنے لگا ہے - ہم اس قومی اخبار کی ترقی کے دل سے خواہان ہین -

سوراجیہ قومی فریق کا یہ دوسرا جدید اخبار ہے جو زیر اڈیٹری مہاشہ نارائن سابق اڈیٹر ہندوستان لاہور الہ آباد سے ہفتہ وار شائع ہونے لگا ہے ہم اس اخبار کی آزاد خیالی کے دل سے مداح ہین امید ہے کہ روز افزون ترقی حاصل کرکے سوراجیہ ہمارے صوبہ کا سب سے بہتر اخبار ہو جائیگا - سالانہ قیمت ؏ سالانہ مع محصول ہے -

شمس بنگالہ مولوی بدر الزمان صاحب بدر کی اہتمام سے اس نام کا ایک نیا ماہوار رسالے کا پہلا نمبر کلکتہ منبع [illegible] مین دو اکبر پریس مین سے شائع ہوا ہے جسکی فہرست مضامین پر نظر ڈالنے سے امید ہوتی ہے کہ یہ رسالہ جلد اور ضرور کامیاب ہوگا - بنگال مین کسی اردو رسالے کا نہ ہونا ایک قابل افسوس امر تہا - شکر ہے کہ اب اس کی کو شش - بنگالہ نے ایک حد تک رفع کی [illegible] ۴۰ صفحے قیمت ؏ سالانہ مع محصول -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"نسّاخ"

مولوی عبد الغفور خان بہادر متخلص بہ نسّاخ کا سلسلۂ نسب حضرت خالد ابن ولید تک پہنچتا ہے۔ سنہ ولادت انکا ۱۲۴۹ ہجری قدسی ہے۔ بنگالے کے نامور رئیس تھے۔ انکا خاندان علاوہ عزت میں جاہ و حشم میں امتیاز خاص رکھتا ہے۔ ان کے برادر معظم نواب عبد اللطیف خان بہادر مرحوم کی ذات پر کلکتے کو ہزار ہا ناز تھے۔

خاندانی اعزاز پر اور نیز نساخ مرحوم کی ذاتی قابلیت پر نظر کرکے سرکار نے ان کو ڈپٹی مجسٹریٹی کے عہدے پر سرفراز کیا تھا۔ فراغبالی سے گزران ہوتی تھی۔ علمی مشاغل میں اوقات صرف کرتے تھے۔ عربی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے زبان اردو میں بڑی قدرت پیدا کی تھی حالانکہ مولد انکا فریدپور تھا جہاں کی زبان کو اردو سے کوئی مناسبت نہیں۔ شعر و سخن سے بیحد شوق رکھتے تھے۔ سخن فہمی میں طاق تھے۔ علم نجوم وفن رمل میں کمال حاصل تھا۔

فن شعر میں حافظ قاری رشید النبی وحشت رامپوری سے تلمذ تھا۔ چندے حافظ اکرام احمد ضیغم رامپوری سے فیض حاصل کیا۔ ہندوستان کے اکثر مقامات کی سیر کی اور مشاہیر علماء سے روشناس ہوئے۔ غالب آزردہ شیفتہ اور دیگر ارباب کمال کی صحبت پائی اردوئے معلے میں غالب کا خط انکے نام موجود ہے۔

بڑے صاحب خلق اور نیک نیت تھے۔ احکام مذہب کے سخت پابند۔ شریف النفس اور والا نظر۔ فیاضی کا یہ حال تھا کہ شاعر کو قصیدے کے صلے میں پانسو روپیہ تک دیتے حالانکہ خود تنخواہ انکی اسیقدر تھی۔ کتابون کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ زر کثیر صرف کرکے دواوین کا نہایت بیش بہا ذخیرہ فراہم کیا تھا۔ نایاب اور نادر کتابیں بہم پہنچائی تھیں۔ تذکرہ اور انکی تالیفات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس قدر دواوین انکی نظر سے گزرے ہونگے۔ انکی تصنیفات

دیوان کا ہمشکل نسخہ تھا، انکی وفات کے بعد منتشر ہو گیا۔

تصنیفات (۱) **مرغوب دل** ۱۲۸۲ھ انکی فارسی رباعیات کا قابل قدر مجموعہ ہے
(۲) **دفتر بے مثال** ۱۲۸۶ھ دیوان اول (۳) **اشعار نساخ** ۱۲۸۸ھ دیوان دوم
(۴) **ارمغان** ۱۲۹۳ھ دیوان سوم (۵) **ارمغانی** ۱۳۰۱ھ دیوان چہارم
(۶) **چشمہ فیض** ۱۲۹۲ھ شیخ فرید الدین عطار کے پندنامے کا ترجمہ ہے۔
(۷) **شہاب عشرت** ۱۲۷۶ھ مثنوی معشوق کے سراپا کی تعریف مین بہت خوب لکھی ہے تشبیہین نئی نئی اور استعارے عمدہ ہین۔
(۸) **قند پارسی** ۱۲۸۲ھ شعرائے پارسی گو کے کلام کا نہایت پاکیزہ انتخاب ہے۔
(۹) **زبان ریختہ** ۱۲۹۵ھ رسالہ زبان اردو کی اصل کی تحقیق مین لکھا ہے۔
(۱۰) **قطعہ منتخب** ۱۲۸۴ھ شعرائے ریختہ گو کے پاکیزہ قطعات کا مجموعہ ہے۔ ہر شاعر کے کلام کیساتھ اوسکا مختصر سا تذکرہ بھی ہے۔
(۱۱) **سخن شعرا** ۱۲۹۱ھ نساخ مرحوم کی بہترین یادگار ہے۔ راقم سطور کے خیال مین یہ تذکرہ بلحاظ جامعیت کے کل اردو تذکرون پر سبقت لیگیا ہے۔ ۳۲۴۸ شاعرون کا ذکر ہے۔ کلام کا انتخاب نہایت عمدہ ہے اور راے بیباکانہ ظاہر کی گئی ہے۔
(۱۲) **گنج تواریخ معہ ضمیمہ** ۱۲۹۰ھ اس مفید رسالے مین مشاہیر زمانہ کی وفات کی تاریخین ہین (۱۳) **انتخاب نقص** ۱۲۹۴ھ اس رسالے مین انیس و دبیر کے اکثر اغلاط اخذ کئے گئے ہین۔ (۱۴) **تذکرہ معاصرین**۔ اپنے عہد کے پارسی گو شعرا کا نہایت عمدہ تذکرہ لکھا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ پورا چھپنے نہ پایا تہا کہ مولف نے قضا کی۔

تلامذہ بنگالہ اور بہار مین انکے شاگردون کی بہت بڑی تعداد تہی مولوی **عصمت اللہ انسخ** مرحوم متوطن ہوگلی مقیم کلکتہ انکے شاگرد رشید تھے انکا دیوان راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ کلام لکھنو کے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے۔ مگر استادانہ پہلو لئے ہوئے۔ زبان شستہ۔ بندشین چست مضمون بلند غرض مرصع غزلین لکھی ہین یہ خود صاحب تلامذہ کثیر ہین۔ چند شعر اسکے درج ہوتے ہین ؎

ایک ہی صیاد زیرک زاہد مکار ہے
سبحہ صد دانہ گویا دام ہے تزویر کا

پوچھ حال تو آغاز عشق کا ناسخ
یہ مبتدا وہ ہے جس کی نہیں خبر پیدا

ایک دن یہ ہے کہ پابند سلاسل ہیں ناسخ
ایک شب وہ تھی کہ تھی زلف معنبر تکیہ

مخاطب جس سے ہو قاتل شہید اجل وہ ہو
زباں تیری گویا چلتی ہے گویا تیغ چلتی ہے

جناب حافظ مولوی عبدالحمید صاحب حمید سلمہ اللہ تعالیٰ باشندہ کلکتہ ناسخ مرحوم کے تلامذہ میں یگانہ ہیں۔ مجموعہ فنون النسخ سے ہی صلاحیت لی تھی۔ نظم سخن میں ایسی قدرت حاصل ہے کہ کم دیکھنے میں آئی۔ غزلیں اسقدر جلد لکھتے ہیں کہ گویا نثر تحریر فرما رہے ہیں۔ شبکو مشاعرہ ہے اور عصر کے وقت غزل لکھی جا رہی ہے۔ دو تین گھنٹوں میں کئی طولانی غزلیں مرتب ہوگئیں۔ کلام متین اور استادانہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وہ رہے چارہ درد دل شیدا ہوگا
[illegible] ہجراں سبب ترک تمنا ہوگا

ترک خیال یار کا دل کو خیال ہے
اچھا خیال ہے مگر امر محال ہے

دیکھا ہے میں نے رات در یار خواب میں
ٹھوکر وہ سیاست دربان خیال ہے

حیرت ہے کشتہ ناز تیغ عالم ہے
آئے تھے کس کام کو مصروف کس میں ہیں ہم

پھر وہ تمہارے ہیں کہ پلے ملازم رخسار
ہم وہ ورد ہیں لب ناز پر اغلط سے

وفات۔ سنہ ۱۳۰۰ ہجری قدسی میں اپنے خلعت ارجمند مولوی ابو القاسم محمد شمس کو کوئی اکیس بائیس برس کا چھوڑ کر قضا کی صد حیف کہ اور وہ نونہال گلشن کمالی کو بیکرانہ کی نظر کھا گئی ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

اس مرحوم کی شاگردی کا راقم کو فخر حاصل ہے۔ مدتوں انکی نظر توجہ سے مستفیض ہوتا رہا۔ ایک غزل میں کہا ہے ؎

غلام معتقد ہوں وحشت اوس صاحب مروت کا
نصیبوں سے ملا ہے آج ہمسر کہتے وان مجکو

ناسخ کی شاعری

چار دیوان ان سے یادگار ہیں۔ دفتر بیمثال۔ اشعار ناسخ۔ ارمغان۔ ارمغانی۔ پہلے دو دیوانوں میں لکھنؤ کی شاعری کا رنگ ہے۔ آخر آخر دہلی کا رنگ غالب آ گیا تھا۔ عیوب شاعری سے انکا کلام اکثر پاک

ہوتا ہے اور پاکیزگی اور لطف اور پر مضمون اشعار کی دیوان میں کمی نہیں ہے۔ لکھنؤ کا رنگ اپنے درجے سے ہٹا ہوا ہے اسلئے اوج و بلندی تخیل کے اکثر شعر بے نمک ہیں۔ حضرت مولانا حالی نے ناسخ مرحوم کے دیوان کی نسبت سچ کہا ہے کہ یہ ایک گلدستہ ضرور ہے مگر کاغذ کے پھولوں کا۔ اسیطرح بیشتر اور ناسخ کے کلام کا بھی مضمون رنگینی کا ممنون ہے نہ انکی استادی کا۔ انکا کلام نہیں جبتک کہ ہو تو تاثیر سے ... بجز ... استاد تسلیم کیے جاسکینگے ناسخ کی استادی بھی مسلم رہیگی۔ لکھنؤ کا رنگ جو ان کے کلام میں ہے یہ بھی سماجی نگاہوں کی صحبتوں کا اثر ہے۔ آخری زمانہ وہ ہے ساتھ بہت سے شعراء نامی کلکتے پہلے آئے تھے اور مٹیا برج بڑے بڑے شاعروں کی مالیتگاہ بنا تھا۔ یہاں ناسخ مرحوم اپنے کلام کی داد پاتے تھے اور طبیعت کے تیزی کی تحریک ہوتی تھی۔ زمین سنگلاخ میں فکر بلند کی جولانی ملاحظہ ہو:

ڈھلکی زلف سے جو تیرے پشت آئینہ	اڑ گئی ہے اندنوں نقشہ پر پشت آئینہ
اوس لعل رنگیں سے ہے تو پر پشت آئینہ	رشک نقش جنگلی تمیز پر پشت آئینہ
پہنچی ہے جو کہ جہاد اوس آئینہ رو کے پاؤں تک	ٹھیک گئی ہے حد سے بہ زنجیر پشت آئینہ
اے دل بیتاب اگر ہے خواہش دیدار یار	صورت سیماب کر تسخیر پشت آئینہ
دیکھکر آئینہ زانوئے روشن کی صفا	رہ گئی حیرت زدہ تصویر پشت آئینہ
کیوں نہ چمکے روئے صاف زانوی شفاف سے	عکس روئے آئینہ نقشہ پر پشت آئینہ
ہاتھ بھی ناسخ کا پہنچے نہ دامن تک حیف	بوسہ اوس زلف کا لے تیر پشت آئینہ

مندرجہ ذیل اشعار میں دلی کا رنگ ملاحظہ ہو۔ تو ان کی برجستگی ... کلام اور حسن بیان ایک اپنی اپنی جگہ پر داد طلب ہے۔

افسوس کہ شب ہو گیا ... تھا	کیا ان کو کیا تجھ سے ہی اظہار تمنا
نیوں میری بات کا نہ دیا تم نے ہی جواب	دینگے نگاہ چشم فسوں ساز سے جواب
ناسخ اگر ہے شعر میں ہوتے ہم ...	ہم نکلے گئے یار سے روتے ... رخصت
بیان ... رنگین پارسی تقریر ...	کٹ گئے تیر ... آئینہ شمشیر ...
بزم میں رات کو تیر و نے اشارے ...	دیدہ یار کر ... سارے ...

مسجد مین گر گزر ہوا دیر ہی سہی — بیکار بیٹھے کیون رہین اک یہ ہی سہی

غالب کے اِس شعر مین شوخی زیادہ ہے ؎

اپنا نہین وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھین — اُس در پہ نہین بار تو کعبے ہی کو ہو آئے

لیکن نساخ کا مضمون ایک مطلع گرم مین ادا ہوا ہے جس سے کلام مین زور پیدا ہو گیا۔

جی مین ہے رازِ دل اوس عربدہ جو سے کہیے — نہ سنے کان لگا کر تو عدو سے کہیے

رات ہجران کی ہے اور کوئی بھی غمخوار نہین — کاش ناصح ہی چلا آئے اگر یار نہین
داد کس وسوسے اُٹھی تو ہی کشتہ کی نعش — نوحہ گر کوئی نہین نہ کوئی عزادار نہین
ایک ویرانے کی تصویر ہے اللہ اللہ — گھر وہ میرا ہے کہ جسمین در و دیوار نہین
آپ نساخ سے ملتے نہین کیون [illegible] باعث — کچھ وہ بد وضع نہین کچھ وہ بداطوار نہین

تم عدو کے سبب آئے نہ [illegible] — عذر ہے یہ بدتر از گناہ نہین
مین تو کیا ہون [illegible] مضمون — [illegible] کے ولین کسی کی راہ نہین
دیکھ تم اپنے مین [illegible] نساخ — نہین مسجد یہ خانقاہ نہین

[illegible] تھا دل اپنا جو [illegible] تھا — ہوتا ہے مین تو ڈوب جاتا تھا
ہر کام حسب خواہش [illegible] ہی بیٹھے — طوفان نوح میری کشتی کا ناخدا تھا

نساخ کو صنعات سخن پر قدرت ہی اور ماہر فن کے فخر روزگار اور یگانہ روزگار مولوی سید محمود مرحوم آزاد نے اکثر انکو ادب سے یاد کیا ہے۔ فرماتے ہین ؎

ہوا ہے خامۂ رنگین نوا غزل پرداز — ادائے خاص سے عبدالغفور [illegible]
وہ [illegible] ہے — ہے جس کی داد سند عقل نکتہ دان کیلیے

ولہ

امام مشرب [illegible] حضرت نساخ معنی دان — طبع او ست ساقی کوثر نازک خیالی را

صنایع اور بدایع کی طرف طبیعت انکی مائل رہتی تھی چنانچہ نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اپنے تذکرۂ شمع انجمن مین انکے ایک مطلع کا ذکر کیا ہے جو تجنیس [illegible] مختلف طریقون سے پڑھا جا سکتا ہے وہ [illegible]

بازوے او شاخ سمن مژگان او تیغ [illegible] — گیسوے او مشک ختن مژگان او [illegible]

فارسی مین کوئی دیوان انھون نے نہین چھوڑا لیکن کلیات مین کلام ادھر اودھر نظر آجاتا ہے جو عالی ہے

باتو شکایت غم ہجران گناہ من	با من بیان وصل رقیبان گناہ کیست

رباعی

از وحشت دل ہست کہ صحرا صحرا	آبیست روان ز دیدہ دریا دریا
از سوزش دل چہ برنگارد خامہ	این یک خشک راچہ یارا یارا

رباعی

گل در غم روے تو قبا را بدرید	سنبل ز غم موے تو [illegible]
شد غرقہ خون لالہ ز رنگ رخ تو	[illegible]

اساتذۂ لکھنؤ کے کلام پر اعتراضات

ناسخ نیک باطن آدمی تھے اور انھون نے جو اعتراضات اہل لکھنؤ کے کلام پر کئے حصول شہرت کی غرض سے یا بدنفسی سے نہین کئے ہین بلکہ تھوڑے اہل زبان کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آکر کئے یا تحقیق پسندی کی ولولہ انگیزی سے۔ لیکن اس کلام کا اثر ایسا ہوا کہ جا بجا [illegible] تشکیک ہونے لگین۔ آج سے [illegible] کلام مرحوم [illegible] اعتراضات کئے۔ بقول ذوق سے

بدنہ بولے زیر گردون گر کوئی میری سنے	ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنے

میر انیس کے کلام پر ان کا اعتراض کرنا [illegible] ناسخ کی [illegible] آرائی اب لوگون کو فراموش ہو چلی مگر انیس کی [illegible] ہے جو آگے [illegible] زبان اردو قائم ہے اس قدرتی شاعر کا نام نامی آفتاب پر روشن رہیگا اور اون کے کلام کی روز بروز ترقی پذیر ہوگی۔

اعتراضات کو جب ہم دیکھتے ہین تو ناسخ کی تحقیق پر بے اختیار دل سے آفرین نکلتی ہے۔ وسعت نظر نکتہ فہمی استعداد علمی کس کس کی داد دیجئے۔ قریب قریب سب اعتراض بجا اور برمحل ہین وہ چار درج ہوتے ہین۔

کلام مرزا دبیر

لوگو سنبھالو دختر شاہ مدینہ کو — غش آگیا ہے لاش چچا پر سکینہ کو

"لاش چچا" بترکیب اضافی غلط ہے۔

یہ آب دم تیغ نہ ٹھہرا کسی تن مین — نشتر کی طرح دوڑ گیا ہر رگ و پے مین

ہر رگ و پے مین دوڑ جانا کام نشتر کا نہین البتہ اثر کرنا ہو سکتا ہے ہان خون کا کام بیشک ہے
اگر یون لکھتے تو اچھا تھا۔ بس خون کی طرح دوڑ گیا ہر رگ و پے مین"

غائب ہوا ہی خم سے فلاطون نکل کر — قارون سے زمین کہتی ہے وہ گنج نکلکر

نہین معلوم فلاطون اور قارون کو کیون تکلیف دی گئی ہے۔ یہ شعر بیت تو پہلوان سے بھی
زیادہ ... معاملات جنگ وغیرہ ... اسکے کچھ مناسب نہین۔

قطرے یہ عرق کے نہین تسبیح بہا ہے — نقش قدم سجدہ گہہ بادصبا ہے

تسبیح بہا کیا شے ہے۔ دوسرا مصرع بالکل مہمل ہے۔

سمجھے سے پرے شفقت مالا یطاق ہین — غیرت کو سب سے رکہدیا تیغون کی طاق مین

پہلا مصرع مہمل ہے۔

رباعی

گھر چھوڑ کے بہر جستجو نکلین سے — گلزار جنان سے متصل ہو نکلین سے
اس چاہ مین گرتے تو ہین یوسف دلو — ہر جب نکلیں گے با آبرو نکلین سے

اس رباعی کا تیسرا مصرع ناموزون ہے۔

رباعی

کہتی تہی سکینہ قتل بابا دیکھا — بھیا علی اصغر کا خون مین لاشا دیکھا
زندان مین پہنسی اور طمانچے کھائے — اس تین برس کے سن مین کیا کیا دیکھا

اس رباعی کا دوسرا مصرع ناموزون ہے۔

بچپن مین حج کعبہ کیئے شہ نے پیادہ — اللہ ری ناتوانی اور اللہ رے ارادہ

اس شعر کا مصرعہ ثانی ناموزون ہے۔ ماسوا اسکے ناتوانی کا مذکور محض بیجا ہے کیونکہ طفلی

کے واسطے ناتوانی مناسب ہین البتہ بیمار اور مریض کے لئے مناسب ہے اسکی سند چاہئے علاوہ برین حج کعبہ بغیر تشدید حرف جیم جسقدر فصیح ہے ظاہر ہے۔

تیغ روان کی طرح جدہر یہ پلٹ گئی	گردن سر کے پہنک کے پیچہے کو ہٹ گئی

یہ شعر خود تیغ کی تعریف مین ہے پھر تیغ روان کیطرح کہنا کیسی تشبیہ ہے۔

کلام میر انیس

یان تیغ جگر بند علی میان سے نکلی	کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی

توابع کا جدا کرنا جایز نہین پس زرق برق کو جدا جدا لکہنا غلط ہے۔

کہلتے ہوئے ہر بین گل امید کو دیکہو	مسند پہ قران مہ و خورشید کو دیکہو

تمام اہل نجوم کا اسپر اتفاق ہے کہ مہر و ماہ کا قران نحوس ہوتا ہے اور اس قران کا نام منجمین کی اصطلاح مین اجتماع اور ہیئت مین محاق ہے۔

ناگاہ بجا فوج عدو مین طبل جنگ	کہلنے لگے ہر صف مین علمہای سیہ رنگ

لفظ طبل بسکون ثانی آیا ہے اس مصرع مین تحریک کس سند سے لکہا گیا معلوم نہین۔

بس اے انیس بس کر دعا کا ہے یہ مقام	ہو مغفرت خلیق کی یارب ذوالکرام

اس شعر مین لفظ ذوالکرام کے کچہہ معنی نہین مہمل ہے کیونکہ کرام "جمع کریم" کی ہے نہ کہ کرم کی ناسخ کے شاگرد آتش کے نام سے ایک رسالہ موسوم بہ طومار اغلاط منسوب ہے۔ اس مین ناسخ آتش وزیر صبا نسیم اور امیر سب کے کلام پر اعتراضات ہین ایک نہین دو نہین بلکہ سیکڑون اور ایسے ہین کہ جنکا جواب مشکل سے دیا جا سکتا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ یہی ناسخ ہی کے لکہے ہین واللہ اعلم۔ مگر جو کچہہ ہو سو ہو

بچتے نہین مواخذہ روز حشر سے	قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

رضا علی وحشت۔ از کلکتہ۔

لکچر مسٹر مہیش چرن سنہا

سفر دنیا سے میرے دل پر کیا اثر ہوا اور کیا کیا خیالات پیدا ہوئے

تمہید

جناب میر مجلس و دیگر ہمرنگ بھائیان وطن۔

مجھے آج اس امر کی خوشی ہے کہ شہر علیگڈھ مین حاضر ہوکر آپ صاحبون کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میری دلی خواہش تو یہ تھی کہ اوسی جوش و خروش سے اور کھلے دل سے میں شرکِ تمام اون جذبات کا ذکر کرتا جو ملایا۔ برما۔ چین ماچین جاپان۔ کناڈا۔ امریکہ۔ انگلستان۔ ہالینڈ۔ بلجیم۔ جرمنی۔ فرانس۔ اٹالی۔ مصر۔ افریقہ۔ عربستان وغیرہ کو دیکھکر وقتاً فوقتاً دل مین پیدا ہوتے رہے اور اون تمام حالات کا ذکر کرتا جو کہ مجھپر اس دور دراز سفر مین گذرے۔ تمنا تھی کہ اوسی صدق دل اور بہبودی قوم کے خیال سے آج مین اس ملک مین گفتگو کرتا جس طرح سے امریکن یا فرنگی سیاح اپنے ملک واپس جاکر اپنے ملک اور قوم کے سامنے اپنے تجربات کا ذکر کرتے ہین اور اپنے معلومات سے ملکی۔ قومی۔ تجارتی۔ فوجی۔ دینی۔ پالیٹکل بیان سنوا لیتے اور گرہتے ہیں۔ لیکن اے ہندوستان کے لوگو یہ گندمی براون اور کالی قوم کی قسمت ہی مین نہین ہے کہ آزادی سے ہر بات کو سچ سچ اپنی قوم والون کے سامنے اپنا دل کھولکر بیان کر سکین۔ یہ براؤن قوم کے لئے ممکن ہی نہین ہے کہ اپنی ہمرنگ اور ہم قوم بھائیون کی بہبودی کے لئے جو کچھ مناسب سمجھین کر گذرین جس غلامی اور مصیبت مین تمام ایشیائی قومین سوائے جاپان قوم کے مبتلا ہین وہ مصیبت اور غلامی اجازت نہین دیتی کہ مین آپکو اس سچی روشنی اور تہذیب کی جھلک دکھاؤن جس کو مینے خاص کر امریکہ اور یورپ مین دیکھا۔

سفید قوم کا کالی اور لال قومون کے ساتھ قابل نفرین برتاؤ اور اسکا سبب

افسوس آج وہ زمانہ ہے کہ ایک گندمی رنگ والا ایک مہتاب ہاتھ مین لئے راستہ بھلا کو ملتا ہے لیکن گندمی قوم کے خود غرض ... کتنا ہے اوس کو اسقدر مجبور کیا ہے کہ وہ

مہتاب کو روشن نہیں کر سکتا اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں لیجانے والا ہے کہ افسوس
یہ گندمی قوم تاریکی میں ٹکرا کر تباہ ہونیوالی ہے اور معدومیت کی سمندر میں غرقاب ہوجائیگی
تجربہ بتلا رہا ہے کہ ریڈ انڈین اور افریکن یعنی لال اور کالی قوموں نے بوجہ اس گناہ کے کہ
اونہوں نے چند خودغرض اور کوتاہ اندیش لوگوں کو اپنے گروہ میں پیدا کیا۔ وہ لوگ
جنہوں نے اپنی قوم کے سچے دوستوں کو اور اصلی بہی خواہوں کو اپنے اون تعلیم یافتہ اور
دوراندیش لیڈروں کو جو اس قابل ہے تھے کہ اپنی قوم اور نسل کو طوفان غارتگری سے بچا لیتے
کوڑیوں کے مول بیچ دیا اور محض چند سکوں کی عوض میں یا ایک کمل یا ایک چمکدار شیشے کے
عوض میں دشمن کے ہاتھ میں پہنسا کر اونکو ہلاک کرایا، اپنی ساری قوم کو ہمیشہ کے لئے
اس دنیا سے معدوم کیا اور باقی ماندہ کو جاوید غلامی میں مبتلا کیا ہے۔ جس غلامی اور
جس مصیبت میں لال اور کالی قوم اپنے چند مطلبی کپوتوں کے کردار سے پہنس گئی ہے
اوسکو یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور دل بھر آتا ہے

گندمی قوم عبرت حاصل کرے اور خودغرضی و قومی دغابازی سے بچے

ان قوموں کی تباہی سے گندمی قوم کو عبرت حاصل کرنا چاہئے اور ایسے کپوتوں سے
اپنے کو نجات بخشنا چاہئے جو دس من غلہ ایک گھوڑا گاڑی چار سوٹ کپڑوں یا چار
سکوں کے عوض میں اپنے قوم کے بہی خواہوں کو دشمن کے ہاتھوں میں پہنسا کر اپنے
سچے عاشقوں کو کتے کی موت قتل کرا دے اور اپنی آیندہ نسل کو غلامی کا طوق پہنا دے
ہیں۔ یاد رہے کہ جو شخص ان ملکی خیرخواہوں کو اور اون دوربین لیڈروں کو جو کہ
آنے والی معصوم نسل کی معاش اور کوچی کے بچانے والے ہیں روپیہ کے لالچ سے
یا ذاتی اور خاندانی تکلیف کے ڈر سے دشمن کے ہاتھ ہلاک کراتا ہے وہ ایسا پاک
خون گراتا ہے جسکا دھبہ ابد تک نہ مٹیگا اور جسکی سزا قانون قدرت کی طرف سے
یہ ملتی ہے کہ مکار خودغرض و دغاباز جاسوس مع اپنے خاندان اور قوم کے غلامی
اور معدومی کے بہنور میں گر جاتا ہے۔ یہی میرا پہلا تجربہ ہے یہی میرا پہلا پیغام
ہے کہ یا تو اور مطلق تو اس گندمی رنگ والے ملک میں ایسے آدمی نہ پیدا کر جو اپنی

خود غرضی جہالت بیوقوفی یا نادانی سے اپنے جان نثاروں کو کوڑیوں کے مول بیچ کر غارت
کریں - برما - ملایا - کوچین - حبشی نیگرو اور ریڈ انڈین قوموں کا تجربہ بتلا رہا ہے
کہ وہ قومیں صرف اسوجہ سے غارت ہوئیں کہ اون کے خاص قوم اور ملک والے
ممبروں نے اپنے ذاتی یا خاندانی فایدہ کے لئے اپنے دیش بھگتوں اور اون لوگوں کو
جنہوں نے آنے والی نسلوں کی معاش بچانیکی کوشش کی دشمنوں کے ہاتھ سے غارت کرایا

قومیں باہمی جھگڑوں سے نہیں بلکہ قومی دغا و فریب سے غارت ہوتی ہیں

کاش کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے اونکا گلا کاٹتے تو تواریخ میں یہ ذکر تو آتا کہ آپس میں لڑ کر بہادری
سے مرے آپس کی لڑائی سے کوئی قوم تباہ نہیں ہوئی بیشک بہادری سے چار ہاتھ
کر لینے سے کل قوم غارت نہیں ہوتی - اسکا ثبوت ہے پیرس کی گلیوں اور ویلز کے
باغوں میں ملتا ہے۔

باہمی لڑائی ملک اور قوم کو غارت نہیں کرتی بلکہ فریب مکر جاسوسی و شرارت بیانی
اور آپس کی دغا فریبی کی تواریخ بتلا رہی ہے کہ پیرس کی گلیوں میں باہمی لڑائی سے باوجودیکہ
ہزاروں کا روز سر کٹتا تھا لیکن فرانسیسی کے ترجیح ہمیشہ جرمنی اور انگلستان کے مقابلہ
میں اسکا میابی رہی برخلاف اسکے تمام بنگال اور کالی قوم اپنے ہی ممبروں کی خود غرضی
اور دغابازی سے شکست - ہندوستان میں پہلے زمانہ میں خوب لڑائی ہوتی تھی لیکن
اس سے قوم مٹی نہیں بلکہ ہر روز نیا بہادر پیدا ہوتا تھا اور دولت کی روز افزوں ترقی ہوتی
تھی - قوم میں معذوری کے آثار ظاہر نہ ہوئے - لیکن اب کیا وجہ ہے کہ غربت روز بروز
پھیلتی جاتی ہے لوگ مرتے جاتے ہیں دولت کافور ہوتی جاتی ہے، تجارت باوجود
سودیشی کے زور شور کے اور بنگالیوں کے جیل خانہ جانے کے ایک قدم آگے نہیں بڑھتی
اب کوئی آپس میں تلوار نہیں چلتی لڑائی نہیں ہوتی پھر کیوں ہندوستان ابتری اور
معذوری کی مصیبت میں مبتلا ہے - اسکی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں میں بوجہ
غلامی کے یہ مادہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے ملک و قوم پر غور نہیں کرتے بلکہ اپنے یا اپنے
خاندان کے فائدہ کی غرض سے غیر کے ہاتھ سے اپنے قوم کا ستیاناس کراتے ہیں اور

اور اپنے آیندہ نسل کو تلف کراتے ہین۔ کاش ہندوستان مین اتنی ہی دوربینی ہوتی کہ لوگ اپنی علاوہ اپنی بچون کے ضروریات پر بھی کبھی غور کرلیتے کہ ان کے بچون کے بچے کیا کرینگے کیا کھاینگے کہان رہینگے اور کس حالت مین رہینگے تو ہندوستان آج سنبھل جاتا۔

آیندہ نسلون کی بہبودی کا خیال اولی تر ہے

مہذب قوم اور غیر مہذب قوم مین فرق یہی ہے کہ مہذب لوگ صرف اپنے ہی معاش اور بہبودی کو نہین سوچتے بلکہ اپنی آیندہ نسلون کی بھی بہبودی سوچکر کام کرتے ہین اور ہمیشہ حال کی بہبودی پر آیندہ کی فلاح کو ترجیح دیتے ہین لیکن غیر مہذب قومین ایسا نہین کرتین وہ یا تو بچون کے آیندہ معاش اور بہبودی کی فکر ہی نہین کرتین اگر کبھی کی بھی تو صرف اپنے موجودہ خاندان کی بہبودی سے زیادہ نہین۔

مثلاً ابھی حال مین ایک انگریزی اخبار نے استعمال نائٹروجن کے سلسلہ مین لکھا تھا کہ انگریزون کو اس دن کے لئے تیار ہونا چاہئے جبکہ ایشیائی اور افریکن ملکون سے غلہ انگلستان نہ جا سکیگا لہذا آیندہ نسل کو بھوک سے بچانے کے لئے ہوا کا نائٹروجن اسطرح لینے کی فکر کرنا چاہئے جس سے کھانے کی چیز بن سکے اور غلہ پر دارومدار نہ رہے یہ ہے مہذب دنیا کا کام کرنیکے دنون آگے کی بات کا تصفیہ ابھی سے سوچتے ہین۔

برخلاف اسکے ہمارے لوگ کہتے ہین کہ آج تو دس روپیہ ملتے ہین کھالین اور لڑکون کو کھلالیں آیندہ کو کیا سوچین لڑکے اپنی فکر آپ کرلینگے۔

آج ایک شخص کہتا ہے کہ اپنے ہمسایہ ہم قوم ہمرنگ کا ایک حصہ مال مجھکو ملجائے اور اسکی تمنا مین وہ اپنی دشمن قوم کے ساتھ ملکر اپنے رشتہ دارون کا سب مال لٹوا دیتا ہے اور وہ رشتہ دار تباہ ہوکر رہجاتے ہین۔ کل وہ غنیم اس شخص کو گھیر لیتا ہے اور اس کا آدھا مال ضبط کرتا ہے اور اسیطرح یقیناً آہستہ آہستہ اسکل مال لیگا پھر بتلائیے کہ اس کوتاہ اندیش کے لڑکے آیندہ اپنی فکر آپ کسطرح سے کرینگے۔ جب باپ نے غنیم کو سوگز کی چھری دیدی اور لڑکے کے لئے ایک گز کی چھری چھوڑی تو یہ کیسے امید ہو کہ لڑکا اپنی فکر آپ کرکے سو گز کا مقابلہ کرلیگا۔ یہ خیال محال ہے اغلب یہ ہے کہ وہ

ایک گھڑی بھی چین نہ کر غنیم اسپر پورا پورا قابو پا جائیگا۔

آپ کہینگے کہ اس تمام تمہید کا مطلب کیا ہے ہم تو تعلیم کے طریقہ پر مضمون سننے آئے تھے بھائیو میں نے اوپر کی تمہید میں ممالک غیر کی تعلیم کا نچوڑ رکھ دیا ہے جاپان امریکہ، جرمنی اور اور انگلستان کی تعلیم کا اصول منتر یہی ہے کہ دیش کی محبت کرو۔ اپنی زبان اپنی تہذیب، اپنے اخلاق اور تمدن میں ترقی کرو جس تعلیم سے قومی جذبات نہ ابھریں وہ تعلیم جھوٹی ہے۔

"غلط است آنچہ مدعی گوید" کا اصول

وہ تعلیم جھوٹی ہے جو اہل وطن کے دلپر یہ سبق اچھی طرح منقش نہیں کر سکتی کہ ہر ایک محب وطن کا فرض ہے کہ غیر ملک والوں کے سامنے اپنے دیش نواسیوں کا ساتھ ہر موقع پر دے خواہ اپنے ملک والے غلط راستہ پر ہوں یا صحیح راہ پر۔ میں نے جاپان میں لنڈن ٹائمز کے کارسپانڈنٹ سے دو دن تک گفتگو کی وہ شخص ہندوستان کے معاملات مجھسے پوچھتا جاتا تھا میں نے ہر بات کو کہہ سنایا اوس نے میرے کہنے پر بڑی ہمدردی ظاہر کی اور کہا کہ جو ظلم ہندوستانیوں پر ہوتا ہے وہ بیجا ہے اور ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ اس ظلم کو دور کرے لیکن جب میں نے پوچھا کہ کیا آپ خود کسی بات میں ہندوستان کو مدد دے سکتے ہیں تو بولا اپنا کچھ نہیں کر سکتا میں تو ہر حال میں انگلستان کا ساتھ دونگا اور جو بات چار انگریز پسند کرینگے وہ کرونگا خواہ وہ غلط ہو یا صحیح۔ یہ کیفیت سنکر مجھکو بڑا تعجب ہوا کہ دیکھو یہ کیسا اندھیر ہے کہ یہ شخص حق کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ قوم کا ساتھ دیتا ہے میں اوسوقت لڑکا نہ تھا تھا اور میری ہندوستانی تعلیم نے مجھکو یہ سکھلایا تھا کہ دھرم کا ساتھ دینا چاہئے ملک اور قوم اگر غلطی کرے تو اونکے ساتھ نہ جانا چاہئے۔ لیکن بہت عرصہ تک اسکا غم رہا اور میں اس مسئلہ پر غور کرتا رہا کہ یہ کہانتک ٹھیک ہے کہ انسان اپنے ملک کے فائدہ اور اپنے ہمرنگ بھائیوں کے فائدہ کے واسطے جب کبھی دوسرے ملک اور دوسرے رنگ والے لوگوں کا مقابلہ ہو اسوقت صحیح کام کو چھوڑ کر بھی دیش بھکتی سے کام لے۔ جاپان والوں سے بھی یہی سنا کہ ملک اور ہمرنگ قوم کے واسطے جو کچھ کیا جائے مناسب ہے اونکا ساتھ ہر معاملہ میں دینا چاہئے خواہ غلط راستہ ہو یا صحیح میں جب امریکہ گیا تو وہاں بھی یہی سنا کہ باوجود تہذیب تعلیم اور فلاسفی کے بیشتر لوگ صاف

کہدیتے تھے کہ واجب ہو یا نا واجب ہم بہرحال اپنی قوم اور ملک کی ہی کہینگے پھر جب انگلستان گیا تو وہان بہی یہی پایا کہ لوگ باوجودیکہ سب کچہ سُننے اور جاننے کے یہی جواب دیتے تھے کہ ہم تو اپنی قوم اور رنگ والون ہی کی بات مانینگے خواہ غلط ہو یا صحیح۔

پس ایک بہت بڑی بات جو کہ ممالک غیر کی تعلیم کا حصہ ہی وہ یہ ہی کہ تیرا ملک میرا ملک ہی مین اسکی بہر حال مدد کرونگا اور اوسکی لیی لڑونگا۔ نیز اپنی قوم اور رنگ کا اقتدار قایم رکہنی کی مقابلہ مین دیگر تمام اصولون آدرخیالونکو بالای طاق رکہدونگا اور بعد بہت غور اور خوض کی مین نی اسی اصول کو عمل پایا اور اب سیکہ ماننی والاہون اور شیخ سعدی کا مسئلہ غلط است اگرچہ مدعی گوید اب سمجہا ہون۔

یہانتک چند اصول کی باتین تہین جنکو کہ مین قابل بیان سمجہتا تہا اب چند عملی مسئلون پر میری جو رای قایم ہوئی ہی اوسکو بیان کرونگا۔

آزادی و تعلیم نسوان کی ضرورت

اول یہ کہ دنیا مین جو جو ملک اور قومین مینے دیکہین اون سب مین یہ بات پائی کہ جس ملک مین جس حدتک عورتین آزاد اور تعلیم یافتہ ہین اوسی حدتک وہ ملک آزاد خودمختار اور خوش خرم ہی اور جہان عورتین مظلوم پردہ نشین اور ذلیل ہین وہان مرد بہی ایسی ہی نکمی بزدل اور ذلیل ہین۔

دنیا مین سب سے زیادہ ذہین تعلیم یافتہ خودمختار بے باک خوبصورت اور دنیا کی بہلائی چاہنے والی امریکن عورتین ہین خوش مزاج بہولی بہالی۔ پیار کرنیوالی محنتی اور محب وطن عورتین جاپانی ہین۔

سب سے زیادہ آزاد اور بااختیار عورتین برما کی ہین لیکن وے تعلیم یافتہ نہین ہین۔ محنت کرنیوالی خاموش خاوند کو راضی رکہنے والی عورتین چین کی ہین۔

بے غرضی دکہلانیوالی خوددار اور منتظم انگریزی عورتین ہین۔ پوشاک پہننے والی آراستگی پسند منچلی اور سلیقہ دار عورتین فرانس کی ہین محنت کرنیوالی کہانا پکانے والی خانہ داری کو سمجہنے والی۔ قوی ہیکل عورتین جرمنی کی ہین۔ لیکن افسوس ڈرپوک لڑکا پیدا کرنے والی ملک پر قربانی کرنے سے مٹنے والی زمین پر پسکڑا مار کر بیٹہنے والی منہ ڈہانپ کر گہری اوسے خاوند کے پیچہے پیچہے چلنے والی۔ لڑکون کو لال بگہر موت سے ڈرانے والی اور جاسوس کو گود مین کہلانے والی عورتین ہندوستان مین ہوتی ہین۔

رسم پردہ کی مضرت

لیکن یہ قصور سارا مردوں کا ہے۔ مردوں کی خود غرضی ہے کہ عورتوں کو تعلیم دینے سے انکار کیا ہے اور انکو عصمت کے بہانے پردہ کی قید خانہ میں بند کر رکھا ہے مزہ یہ ہے کہ جب کوئی اعتراض کرتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ پردہ کا طریقہ اچھا ہے اس سے "موریلٹی" قایم رہتی ہے کیسی اولٹی مت ہے اپنے منہ میاں مٹھو بننا اسکو کہتے ہیں بھلا انکی عورتوں سے امریکن اور انگریز عورتیں کس معنی میں کم ہیں۔ کیا دنیا بھر میں آپ ہی بڑے پارسا ہیں۔ دیکھیے آپکی اولٹی پردہ میں رکھکر عورت کو بیکار بنا دیا۔ کل راولپنڈی میں ۱۲ برس کی لڑکی کی عصمت لیگئی اور وہ اپنے کو نہ بچا سکی کیا کبھی کوئی امریکن اور انگلستانی لڑکی بھی زبردستی بے عصمت ہو جاتی ہے ہرگز نہیں وہ لڑکیاں اپنی عصمت کو بچا سکتی ہیں یا اپنی جان دیتی اور دشمن کی جان لیتی ہیں اگر زبردستی ظلم کیا جائے لیکن ہندوستان میں برخلاف اسکے ہندی عورتوں پر روز ایسے ایسے حملوں ہوتے رہتے ہیں اور پردہ کی موراللٹی کچھ کام نہیں دیتی۔ ہزار بار بہتر ہے کہ عورت خود اپنی عصمت کو بچا سکے اور آزاد رہے بہ نسبت اسکے کہ پردہ میں عصمت کے بہانہ سے کمزور کیجائے اور اوسکی عصمت ہر جگہ خطرے میں ڈالی جائے اگر یہ کہا جائے کہ عورتوں کو مثل اور مال کے قفل میں بند رکھنا چاہیے تو یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ دیکھو انگریز لوگ ہوٹل کوارٹر میں کھلے دروازے سویا کرتے ہیں کبھی چوری نہیں ہوتی اور ہندوستانی بیس زنجیریں بند کر دیتے ہیں پھر بھی چوری ہوتی ہے اسکی وجہ کیا ہے۔ یہی کہ انگریزوں کے پاس بندوق ہے چور جاتے ڈرتے ہیں ہندوستانی نہتے ہیں چوروں سے نہیں ڈرتا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ مردوں میں ایسی طاقت لاؤ کہ وہ عورتوں کو بچا سکیں نہ یہ کہ عورتوں کو چور کے ڈر سے بند کرکے رکھو۔

سخت ضرورت ہے کہ عورتوں کو مثل امریکہ کے تعلیم دیجائے اور اونکی عزت کیجائے۔ کتنے لوگ ہیں حال میں ایسے ہیں جو خود ریل گاڑی پر عورتوں کو پہلے جگہ دینگے اور آپ پیچھے بیٹھینگے یاد رہے کہ امریکہ میں دستور ہے کہ عورتوں کی خاطر پہلے ہر جگہ

صفائی کی ضرورت

اول ضرورت ملک کی عورتوں کو تعلیم دینے۔ عزت دینے۔ اور قید سے رہائی دینے کی ہے بعد اسکے ملک کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہمکو صفائی سکھائی جائے۔ ہندوستان سے بڑھکر کہیں کے لوگ گندے اور میلے کچیلے نہیں ہیں۔ مجھے جتنی شرم ہندوستانیوں کی گندگی اور ننگے پن سے آتی ہے اتنی شرم اور کسی بات سے نہیں آتی۔ جدہر دیکھو اودہر کیچڑ پہنے کہیں تو لوگ ردی پگڑی یا ٹوپی دیئے چلے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سارا ملک مہتروں اور میلوں کا ہے۔ حلوائی کی گندی دوکان پر مکھیاں بھنکتی ہیں افریقہ میں ہندوستانیوں کو قلیوں کی قوم کہتے ہیں پہلے سنکر تو غصہ آتا تھا لیکن اب افسوس آتا ہے کہ سچ ہے میں نے تو

انگریزوں اور امریکیوں دوستوں سے ملنا چھوڑ دیا مگر اس وجہ سے کہ جب وہ گفتگو میں ہماری گندگی کا ذکر کرینگے تو ہم جواب کیا دینگے۔ ایک طرف امریکہ اور یورپ کی صفائی دوسری طرف ہماری غلاظت کا خیال کرکے مجھکو تو منہ چھپانا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔

کیا اچھا ہوتا کہ بالعموم طور طالب علموں کو دقیانوسی عربی فارسی پڑہانیکے ہر گاؤں اور ہر محلہ کے لوگوں کو یہ پڑہایا جاتا کہ بیماری کیونکر پیدا ہوتی ہے اور گندگی سے کیا نقصان ہے۔ امریکہ میں عورتونکو جو دستکاری پڑہائی جاتی کاش ہندوستان میں عورتونکو پڑہائی جاتی کہ خوبصورتی کیا چیز ہے اور خوبصورتی اور صفائی سے روح اور دل پر کیا اثر پڑتا ہے۔

رسم و رواج کو چھوڑ دو اور گو تم ایسے ہی ڈرتے رہو پر اسکو لوگ تمہارے سر پر سوار ہیں وہ تمہاری گندگی کو دیکھکر تمکو کمینہ خیال کرتے ہیں اور تمکو جانور سے بدتر سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی امریکن یا غیر ملکی سیاح تمہارا ظاہری حبشانی تہذیب سے خوش نہیں ہوتا اور دنیا تمکو افریقہ کے حبشیوں میں شمار کریگی۔ کاغذ لکھنا اور صفائی رکھنا ہمارے لئے ایک خاص معنی رکھتا ہے۔ ہمکو یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ اس مضمون پر تمام لکھنے اور بولنے والونکو متوجہ ہونا چاہیے۔ کل کی بات ہے کہ ترکیوں میں ہماری طرح کہا کرتے تھے کہ گھر سے باہر نگاہ نہیں جانا چاہیے لیکن آجکی یہ حالت ہے کہ دیکھو عورتیں گھر سے باہر نکلنا فخر سمجھتا تھا آج ۱۵ برس بعد وہ عورتیں زیادہ تر لوگ انگلینڈ پر بگڑ بیٹھی ہیں وہ انگریزی تعلیم پاتا اور ترقی کرتی ہیں آجکل کی ماشاء اللہ بیسیوں لڑکیوں پولیٹیکل جلسوں میں جا کر تقریر کرتی ہیں الغرض ہمکو تہذیب صفائی کو شائستگی وغیرہ ہر سال میں ایک دفعہ ہی نہیں۔

یکسانی وضع بھی ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں ہر ملک اور ہر قوم اس کوشش میں ہے کہ وہ سب باشندے ایک سی پوشاک پہنیں تاکہ انکا امتیاز ایک ہو سکے۔ وقت ہے کہ لیکن ہندوستانیوں میں اسکی کوشش نہیں کیجاتی ہے ہمارے لوگوں کو لازم ہے کہ سب ایک پوشاک پہنیں۔ غیر ملک کے سیاح تو یہ بتاتے ہیں کہ انکی پوشاکیں سخت پریشان کرتی ہیں اور اسکی انکا ہونا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کیونکہ اختلاف وضع ہی اختلاف کی نشانی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ ہم منتشر و ذلیل قوم کی دنیا میں کیا عزت ہو سکتی ہے۔

چھوت چھات اور ذات پات کے جھگڑے سخت مضر ہیں۔

اس بات کو سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اگر قیود ذات کے مسئلہ کو غور کیا جائے تو یہ کہ ان کا پایا جانا ہے دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ذات پات کا ایسا لحاظ ہو جیسا یہاں حقیقت میں ہندوستان کی بربادی کا ایسا سبب ہوا ہو اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا چھوت چھات کا بھوت ہندوؤں کے سر پر ایسا سوار ہے کہ انکو جیتا جیلا کر مردہ کر دیا ہے اور قوموں کا جکڑ کر ہندوؤں کی زندگی کا ستیاناس کر دیا ہے قیود ذات دونوں کو دوری سمجھنا چاہیے لیکن اب میری قلمی رائے ہے کہ یہ جتنی جلد دور ہوں اتنا ہی بہتر ہے۔

ان عیوب کو دور کرکے قومیت کی بنیاد رکھنا چاہیے

لوگ کہتے ہیں کہ آجکل ہندوستان میں در روپے اور بہت جلد ہندوستانی قوم پیدا ہونیوالی ہے جس سے ہونیوالی نوجوانوں کو خوش قسمت کہیں لیکن یہ امر غلط ہے کہ دنیا میں جب کہ ہندوستان ابھی تک ہو رہی ہے وہ اینٹ بھی کچھ بھی کام نہیں دے سکتی اور اسکی کرنے اور مسئلہ میں کچھی جو اینٹ بالکل کچا ہو وہ بنیاد دور تک کام نہ دیگی اسیطرح وہ قوم جس میں انکا ہیں کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ بنیاد جو

ہندوستان کے تین جانی دشمن

اب عام طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ ہماری موجودہ عادات، رسمیات اور تمدنی حالت ایسی گری ہوئی ہے کہ ان مہلک اسباب کی موجودگی میں ہمارا پنپنا قرین قیاس نہیں ہماری بے اصول سوسائٹی کی بے ترتیبی نے ہمارے گرد لیے دشمنوں کے پرے جما دیئے ہیں جنکی مجموعی کوششوں نے ہماری ہمت کے قدم توڑ ڈالے ہیں اور ہماری ترقی کے ناکے بند کر دیئے ہیں۔ جو کام ہم شروع کرتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کام کی تکمیل سے ہماری بہبودی ہوگی اُس میں بے شمار دشمنوں کا طوفان بے تمیزی امنڈ کر کوئی نہ کوئی بگاڑ کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ اسوقت جو دشمن ہندوستان کو ناقابل برداشت نقصان پہنچا رہے ہیں وہ تین ہیں:-

(۱) بہت سے کاموں کو ایک ہی وقت میں شروع کرنا۔

(۲) افلاس۔

(۳) غیر مناسب شادی۔

ہمیں کامل یقین ہے کہ ان تینوں باتوں کے مضرت رساں نتائج خلائق عامہ پر عیاں ہیں کچھ محتاج بیان نہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان تینوں باتوں کیطرف عام طور پر ایسی کم توجہی کیجاتی ہے کہ اب اُنکے مضرت رساں نتائج کا فوٹو کھینچکر دکھانا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ ملک کے بہی خواہ حضرات سب سے پہلے ان تینوں دشمنوں کو پسپا کرنیکی کوشش کرینگے۔ اور اُن کی مخالفانہ طبیعتوں میں کچھ ایسی اصلاح کرینگے جس سے وہ ہمارے دوست اور معاون بنجائیں۔ کیونکہ جبتک یہ ہمارے سد راہ ہیں ملکی بہبودی کی کوئی تدبیر بھی کارگر نہیں ہوسکتی۔

(۱) بہت سے کاموں کو ایک ہی وقت میں شروع کرنا

ہم عموماً یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ بہت سے کام ایک ہی وقت میں شروع کر دیتے ہیں اور

اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ کوئی سا کام ہی ختم نہیں ہوتا۔ اور حسب دلخواہ نتائج نہیں پیدا کرتا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر کام خواہ ہنر ہو یا دستکاری یا خاص علم پڑھنے کے متعلق ہو وہ اسی وقت عملی طور پر کارآمد ہو سکتا ہے جبکہ اوسمیں کامل دستگاہ اور کمال حاصل کیا جاوے۔ لیکن جب بہت سے علوم و فنون ایک ہی وقت میں ہمیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں گے تو یہ امر دشوار ہے کہ یکساں توجہ ہر علم اور ہر فن کیطرف مبذول کی جاوے۔ بہت سے علوم اور بہت سے فنون میں ایک ہی وقت کمال حاصل کرنے کی کوشش ایسی ہی لغو ہے جیسے کوئی شخص ایک ہی وقت میں بہت سی شادیاں کرکے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تمنا رکھے۔ کئی بیویوں میں آپس میں حسد اور رنج و فساد ہونا لازمی امر ہے۔ اسی طرح کئی علوم و فنون کا ایک ہی وقت میں تحصیل کرنا ہمارے استقلال اور صبر کے پاؤں توڑ ڈالتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارے آبا و اجداد فارسی اور عربی زبان اور ادب میں نہایت ہی فاضل ہوئے ہیں؟ اونکی لیاقت کے تذکرے سن سنکر ہمیں حیرت ہوتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ انسان تھے یا فرشتے؟ ذرا غور کرکے دیکھا جاوے تو یہ بات صاف طور سے ظاہر ہو جاوے گی کہ نہ تو اونمیں ہمارے عقل سے غیر معمولی عقل تھی اور نہ وہ فرشتے تھے بلکہ ایسے ہی انسان تھے جیسے کہ ہم ہیں۔ صرف ہم میں اور اونمیں فرق یہ ہے کہ اونہوں نے اپنی تمام زندگی ایک یا دو زبانوں کی تحصیل میں صرف کی اور ہمیں فی زمانہ بیشمار علوم ایک ہی وقت میں پڑھنا پڑھتے ہیں۔ آجکل مدرسوں اور کالجوں کے نصاب تعلیم میں انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ اردو۔ سنسکرت۔ علم جغرافیہ۔ علم تواریخ۔ علم کیمیا۔ علم طبیعات۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ علم ہندسہ وغیرہ علوم شامل ہیں۔ جن میں فرداً فرداً کمال حاصل کیا جاوے تو انسان کی عمر خضر کی عمر سے کم نہونا چاہئے۔ اسی سلئے آجکل کے تعلیم یافتہ حضرات کی قابلیت ناقص رہجاتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ علوم پڑھائے جاتے ہیں کہ جن سے آیندہ زندگی میں کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

جب طالبعلم آدہی سے زیادہ عمر ان علوم کے اکتساب میں صرف کر چکتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اب بھی وہ کسی محکمہ میں داخل ہونے یا کسی پیشہ کے اختیار کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اگر گورنمنٹ کی طرف سے اسبات کی سعی کیجاوے کہ ہمارے نوجوانوں کو

دستکاری اور سائنس میں بہت کم روپیہ صرف کرنے سے کمال حاصل ہو جائے تو کوئی بڑی وقت طلب بات نہیں - اس لئے ہمارے لیڈروں کا یہ فرض اولیٰ ہے کہ گورنمنٹ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ وہ جابجا دستکاری اور سائنس کی تعلیم دینے کے لئے مدرسے اور کالج کھولے اور فیس یا تو لے ہی نہیں یا لے ہی تو برائے نام - اگر سرکار بڑے پیمانے پر دستکاری اور سائنس کے مدارس اور کالج کھولنا نہ چاہے تو پھر ملک کے دولتمند اصحاب کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اہتمام سے ایسے مدرسوں اور کالجوں کی بنیادیں ڈالیں - اور جاپان اور غیر ممالک سے باکمال پروفیسروں کو بلا کر دستکاری اور سائنس کے مدرسوں اور کالجوں میں معلم مقرر کریں - اس قسم کے انتظام کے بغیر ملک کی ترقی کا خیال محض خیال ہی خیال ہے۔

(۲) افلاس

ہمارا افلاس ہی ہمارے بہت سے نیک اور اعلیٰ مقاصد پر خاک ڈال دیتا ہے - ایک لمحہ کے لئے ذرا اُس غریب فلاکت زدہ شخص کی حالت کا فوٹو اپنے دل میں کھینچو جس کا عزیز اور دلی مقصد تحصیل علوم ہے لیکن اسے کیا کرے اُسکے پاس اس قابل قدر خواہش کو پورا کرنے کے لئے کافی سرمایہ نہیں ہے - لاچار وہ مطالعہ کتب سے کنارہ کش ہوتا ہے اور اپنے تمام جسمانی و دماغی قویٰ سے روپیہ کمانے کی طرف متوجہ ہوتا ہے - اسی طرح بہتیرے خدا کے بندے اس مبارک خطہ خاک پر ایسے موجود ہیں جو اگر اپنا پیچھا کسی طرح افلاس اور حاجتمندی سے چھڑالیں تو بس اور اسی سرزمین پر وہ ایسی ایسی معجز نما قابلیتیں دکھائیں کہ ان کو دیکھکر غیر ولایت کے لوگ حیرت میں آجائیں اسی مقدس سرزمین یعنی ہندوستان میں بہتیرے لال آبدار مفلسی کی سیاہ خاک میں دبے پڑے ہیں اور کس مپرسی کی حالت کیوجہ سے انکی ہستی قریب نیست و نابود کے ہو گئی ہے - یہاں ہم اپنے ایک عزیز دوست کا ذکر کرتے ہیں - وہ آجکل وکیل ہیں لیکن انکا قدرتی میلان طبع سائنس کی طرف تھا مگر چونکہ سائنس کافی روپیہ کمانے کا معقول ذریعہ نہیں ہے اور مفلسی میں سائنس کی تحقیقات نہیں ہو سکتی اسلئے انھوں نے وکالت کا امتحان پاس

کر کے پیشۂ وکالت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ لیکن اپنے گذارے موافق روپیہ پیدا کرنے کے لئے اونکو رات دن محنت کرنا پڑتی تھی اور اس لئے ذرا سا بھی وقت سائنس اور دستکاری میں صرف نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد سائنس کی تحقیقات کا وہ جوش اُنکے دل میں سرد پڑ گیا۔ اور ہمارے ہاتھ سے ایک ہونہار سائنٹفک آدمی جاتا رہا۔

علم موجودات کا ماہر ڈاکٹر کارپنٹر نامی ابتدا میں نہایت ہی مفلس و قلاش تھا۔ اس لئے اوسکو اپنے وقت کا نو دسواں حصہ بیس برس تک عام پسند کتابیں تصنیف کرنے اور لیکچر دینے میں صرف کرنا پڑا۔ وہ اپنے وقت کا صرف ۱/۱۰ حصہ وقت کا سائنس کے مطالعہ میں لگایا کرتا تھا۔ وہ دماغی محنت کی زیادتی کیوجہ سے نہایت ہی لاغر اور مضمحل ہوگیا تھا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ بیس برس کی متواتر محنت کے بعد اوسکو خوش قسمتی سے ایک ایسی ملازمت ملگئی جسمیں وہ اپنے وقت کا بڑا حصہ سائنس کے مطالعہ میں صرف کر سکتا تھا۔ اور اس سبب سے وہ اپنے وقت کا ایک نہایت ہی مشہور اور جلیل القدر عالم علم موجودات کا ہوگیا اور اس علم میں اپنے تمام معاصرین سے گوے سبقت لیگیا۔ اب ذرا غور کرو کہ اگر اوسکے ارادے میں ایسی تقویت نہوتی یا ازدیاد محنت کیوجہ سے اوسکی عمر وفا نہ کرتی تو دنیا کے لوگ اوسکی تحقیقات سے محروم رہجاتے۔

فرنیز ویپکی جو شرقی زبانوں کا جاننے والا اور اعلیٰ درجہ کا مہندس تھا اپنے ارادوں میں اسوجہ سے پورا اترا کہ اُسکا اٹالیہ کے شاہزادہ کی طرف سے ایک معتدبہ وظیفہ مقرر ہوگیا تھا اور اس طرح وہ اپنا بیش قرار وقت تحصیل علم میں صرف کر سکتا تھا۔

اب مسٹر ہسکن کے سے مالدار شخص کا مقابلہ ایک نہایت ہی غریب شخص کے ساتھ کرو۔ یہ شخص انگریزی کا ایک نہایت ہی عظیم الشان مصنف گذرا ہے اور اوسنے اپنی تصنیفات کے لئے ایسا قیمتی مواد اکٹھا کیا تھا کہ معمولی حیثیت کے آدمی کو ساری عمر نصیب نہیں ہوسکتا۔ اور خاص اسی وجہ سے اپنے ارادوں میں قرار واقعی طور پر کامیاب ہوا۔

فرانسیسی واعظ بوسوئٹ لکھتا ہے کہ "مجھے روپیہ سے ذرا بھی محبت نہیں ہے لیکن میں اپنے پاس اپنی ضرورت کے موافق کافی روپیہ اسلئے رکھنا چاہتا ہوں کہ اگر کبھی مجھے فلاکت کی مصیبت نازل ہونے کا ذرا گمان بھی ہوجاتا ہے تو میری آدھی سے زیادہ قابلیت

اور لیاقت خوف کے مارے کافور ہوجاتی ہے اور اگر کہیں خدانخواستہ افلاس کا حملہ ہو تو اپنی ساری قابلیت کو خیرباد کہوں"۔ انگریزی مشہور معروف شاعر ورڈز ورتھ کی بابت ذکر ہے کہ اُسنے لندن میں ایک اخبار جاری کرنے کی سخت کوشش کی لیکن وہ ناکامیاب رہا۔ انہی دنوں میں ایک نوجوان ریزلی کیلورٹ نامی سے اُسے نو سو پونڈ ورثہ میں ملے اس روپیہ سے اُسنے اپنی تصانیف کو شایع کیا۔ اور اپنے ہر ارادہ میں نہایت ہی کامیاب ہوا۔ مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ گورا ہو یا کالا۔ ہندوستانی ہو یا فرنگی۔ سب کے افلاس میں ہوش حواس جاتے رہتے ہیں۔ اور کوئی بھی کام ترقی اور ملک کی بہبودی کا افلاس کی حالت میں نہیں ہو سکتا۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ اول صنعتی اور سائنس کی تعلیم دینے والے مدارس اور کالج جابجا قایم ہونے چاہئیں تاکہ ہم ایسا اعلیٰ درجہ کا مال بنا سکیں جو غیر ولایت کے مال سے زیادہ اچھا اور سستا ہو۔ اگرچہ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ سودیشی مال بدیشی مال سے زیادہ پائدار اور مضبوط ہوتا ہے لیکن عام طور پر اس افلاس کی حالت میں رونا اس بات کا ہے کہ سودیشی چیزیں ارزاں نہیں ہوتیں۔ ملک میں اتنی وسعت نہیں کہ گراں مال خرید سکے۔ مال ارزاں اُسیوقت ہو سکتا ہے جبکہ ہماری صنعتی تعلیم اعلیٰ درجہ کی ہو اور سرکار عالیہ بھی ازراہ عنایت ٹیکس وغیرہ سے معاف رکھے

(۳) غیر مناسب شادی

ابتک ہندوستان میں جہالت کی تاریکی ایسی چھائی ہوئی ہے کہ یہاں کی بعض اقوام میں صغر سنی کی شادی کا رواج ہوگیا ہے۔ اور ان اقوام نے اس رسم قبیحہ کو مذہبی پابندی کی زنجیر میں جکڑ کر قوم کے ہر ایک ممبر کو اسباب پر مجبور کر رکھا ہے کہ لڑکوں لڑکیوں کی جبکہ وہ ناسمجھ اور بچے ہوں باہم شادی کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ہوش سنبھالتے ہی بیوی اور خاوند بننے کی تعلیم دیجاتی ہے۔ اسوقت شوہر اپنا فرض سمجھتا ہے کہ بیوی کی ہر طرح سے خاطر مدارات کرے اور تحصیل علوم کے وہ پختہ ارادے جنکو وہ اپنے جسم کی روح سمجھتا تھا اور وہ پہلے سے جوش و خروش سب یکدم جاتے رہتے ہیں۔ نہ اُس کو کتاب دیکھنے کی فرصت ہوتی ہے اور نہ کسی عالم کے

ساتھ گفتگو کرنے کی تمنا۔ غرضکہ ذات کے جملہ مشاغل "دفتر بے معنی" کی طرح "غرق مے ناب" ہو جاتے ہیں۔

بہتیرے لوگ ایسے ہیں جنکو شادی کرتے ہی تلاش معاش کی فکر پڑتی ہے اور انکے بہت سے نیک ارادے روپیہ پیدا کرنے کی عوض میں بک جاتے ہیں۔ جو حد انہوں نے اپنی تعلیم کی سوچ رکھی تھی اس تک پہنچنے بھی نہیں پاتے کہ ایک نئی فکر دامنگیر ہوتی ہے اور اپنے سارے اعلیٰ مقاصد کو بالائے طاق رکھکر بس روپیہ پیدا کرنے کے سر ہو رہتے ہیں۔ لیکن وہ بیچارے کریں کیا؟ جب یہ دیکھتے ہیں کہ بیوی بچوں کا تنگی ترشی سے بسر اوقات کرتے کرتے ناک میں دم آگیا ہے تو یہ بھی حمیت کے خلاف ہے کہ ان کو خستہ حال بیٹھا دیکھا کریں لیکن خود اپنے عزیز شغل میں مصروف رہیں۔ اور آخر کار ان اشعار کے مصداق بنیں ؎

ببیں آن بے حمیت را کہ ہرگز　　نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را　　زن و فرزند بگزارد بہ سختی

ہمارے خیال میں کوئی عزت دار شخص بھی ایسی خود غرضانہ زندگی بسر کرنا پسند نہ کریگا پھر بھلا سوچو تو سہی کہ جب یہ مرحلے اور ایسی ایسی دقتیں ان اصحاب کی کامیابی کے راستے میں واقع ہو جائیں تو پھر وہ کسطرح اپنے دل کو اپنے مشغلوں پر قائم رکھ سکتے ہیں

بڑا بھاری نقصان ملک کو اس سبب سے پہنچ رہا ہے کہ شادی کے جوڑے میں تعلیم یافتہ خاوند اور ناخواندہ بیوی کو جوت دیتے ہیں۔ نتیجہ اس کا دراصل اولاد کے لئے برا ہوتا ہے بیوی چاہتی ہے کہ اولاد میری ہمخیال بنے اور شوہر اس کوشش میں سرگرداں رہتا ہے کہ لڑکے اس کی طرح تربیت یافتہ ہوں۔ چونکہ اولاد پر ماں کا اثر زیادہ پڑتا ہے اسلئے شروع ہی سے دو کم درجے کے خیالات لڑکوں کے دل میں گھس جاتے ہیں جو بڑی عمر تک کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری بات ہے کہ تعلیم یافتہ مرد کو بیوی بھی تعلیم یافتہ ہی ملے۔ ورنہ اگر بیوی کو تعلیم سے کچھ سروکار نہ ہو اور شوہر ہوں علم کے دلدادہ تو پھر بھلا ع

سہنے کیونکر کرے سب کار الٹ

بیوی یہ بات ہرگز گوارا نہ کرسکے گی کہ خاوند گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا کتاب سے باتیں کیا کرے۔ اُس کے نزدیک یہی بہترین شغل اور یہی دنیاوی فلاح کا سب سے عمدہ طریقہ ہے۔ یہاں ہمیں فرانسیسی مصنف جارج سینڈ یا میڈم ڈوڈوی وینٹ کے ناول کا قصہ یاد آگیا۔ اس ناول کا ہیرو ویلویڈ تحصیل علوم کا بڑا بھاری شوقین تھا۔ برخلاف اسکے اسکی بیوی کو علم کے نام تک سے نفرت تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہیرو کو سائنس کے متعلق چند تحقیقات کرنیکے واسطے اپنی سائیش گاہ سے کچھ فاصلہ پر جانا تھا۔ وہ بیوی سے جانیکی اجازت مانگنے کو آیا۔ بیوی صاحبہ نے فرمایا "تمہیں ایسی جلدی کیا ہے وقت بہت بڑا ہے دل کھولکر تحقیقات وغیرہ کرلینا" ہیرو نے جواب دیا "ہاں وقت تو بہت سے بشرطیکہ میں وقت کی قدر کروں اور بیہودہ باتوں میں فضول ضایع نہ کروں" اس پر بیوی بولی "ہاں! ہاں!! اب میری سمجھ میں آگیا کہ تم مجھ سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہو اور ناقابل گزار طبقات میں تنہا جاکر رہنا پسند کرتے ہو۔ بس میں تاڑگئی جو تمہارا اصلی مطلب ہے۔ خاوند نے بہتیرا ہی سمجھایا کہ تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے لیکن اُس خدا کی بندی کے خاک سمجھ میں نہ آیا۔ توجہ کیا تھی کہ مطالعۂ کتب کے ساتھ اسکو ایک خاص قسم کی رقابت تھی اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ رقیب سے ہر شخص کو نفرت ہوتی ہے۔

اس کے کچھ دن کے بعد ویلویڈر نے اپنی بیوی سے کہا "تمہارا خالی بیٹھے بیٹھے جی نہ لگتا ہوگا اس لئے بہتر ہے کہ کچھ پڑھنا لکھنا ہی شروع کردو"۔ اس پر بیوی صاحبہ نے فرمایا "واہ کیا نکاح کی شرط میں یہ بات بھی داخل تھی کہ مجھے شادی کرنے کے بعد الف۔ بے۔ تے۔ بھی پڑھنا پڑے گا۔ بھلا مجھے پڑھنے لکھنے سے واسطہ؟ کیا مجھے سرکار دربار میں جانا ہے؟ میں تو عورت ذات ہوں اور میرا فرض تو یہی ہے کہ میاں کے ساتھ محبت کروں اور بچوں کی پرورش کیا کروں۔ مجھے یک گونہ تعجب ہوتا ہے کہ میرا میاں سب مجھے پڑھنے کی ہدایت کرتا ہے"

ہندوستان کی عورتوں کے خیالات بھی اس فرانسیسی عورت کے خیالات

کے ساتھ بہت کچھ مناسبت رکھتے ہیں - ان کا بھی عام طور پر یہی خیال ہے کہ عورتوں کو پڑھ لکھکر کیا کرنا ہے نوکری چاکری تو کرنے سے رہیں پھر پڑھنے سے فائدہ ؟ بہتیرے مردوں کا بھی یہی خیال ہے کہ عورتوں کو پڑھانا سخت معیوب ہے - بلکہ ان کا منشا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جیسی سیدھی سادی بھولی بھالی اگھڑ کندہ ناتراش ہیں ویسی ہی بنی رہیں - جن کی حالت میں کسی طرح ترقی نہونے پاوے ! بھلا کوئی ان سے یہ تو پوچھے کہ کیا ان خیالات سے ہندوستان کی گری ہوئی حالت سدھر سکتی ہے ؟ ہندوستان حضیض تباہی سے نکلکر اوج اقبال پر اُسی وقت اُٹھسکتا ہے جبکہ یہاں کی عورتیں اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ اور بلند خیال بنائی جائیں اور اُن کی طرز معاشرت اور تمدن میں ایک نمایاں ترقی پیدا کر دی جاوے - کیونکہ تعلیم یافتہ عورتوں کے بچے بھی روشن دماغ اور بلند خیال ہونگے - چنانچہ تعلیم یافتہ اور سائنس داں نوجوانوں کو واجب ہے کہ تعلیم یافتہ عورت کے ساتھ شادی کریں ورنہ اُن کا بہت سا وقت فضول ضایع ہوا کریگا اور منافقانہ مذاق ہونے کی وجہ سے کچھ بھی لطف زندگی حاصل نہ ہوگا - اور ان منافقانہ خیالات کا ضرر رساں اثر نسلاً بعد نسل اولاد پر پڑتا رہے گا - اور عورتوں کی تنگ خیالی کا ایک بڑا آفت خیز اثر بچوں پر یہ پڑتا ہے کہ وہ ابتدا ہی سے ہندو مسلمان میں امتیاز کرنے لگتے ہیں جو جوان ہوکر تعصب کی صورت اختیار کر لیتا ہے - ان دونوں اقوام کی متعصبانہ خیالات سے آجکل جو تباہی ملک پر نازل ہو رہی ہے اظہر من الشمس ہے کچھ محتاج بیان نہیں -

راقم

ڈپٹی لال نگم - بی - اے

دہلوی

وفائیؔ تخلّص

نامش ابراہیم عادل شاہ است، کہ ممدوحِ ملّا نورالدّین، ظہوری، ترشیزی باشد۔ پدرش اسمٰعیل عادل شاہ است۔ و جدّش یوسف عادل شاہ، پسرِ متبنّاے محمود گاوان (وزیر۔ بہمن شاہیہ) بود۔

بہ اسبابِ مختلف و گوناگوں (کہ تفصیلِ آں بہ خوبترین وجہے، در کتبِ تواریخ، مندرج است) چوں دولتِ بہمنیہ را زوال آمد، تمامی سلطنتِ احمد آباد۔ بید* ررا پنج صوبہ داران، علٰحدہ علٰحدہ، قابض و متصرف شدند۔ و ہر یکے از ایشاں، بہ جاے خود، بادشاہِ مستقل گشت۔

یکے از ایشاں، یوسف عادل شاہ بود، کہ اضلاعِ جنوب و مغرب را بہ قبض و تصرفِ خود درآورد و بناے حکومتِ عادل شاہیہ نہاد۔

یوسف، نخست، حکومتِ دولت آباد داشت و چوں پادشاہِ خود سر شد، بیجاپور را پاے تختِ خود گردانید۔

او پادشاہے بود کہ در مملکتِ خود، مذہبِ اہلِ تشیع را، بہ توغّلِ تام، رواج داد۔ و اسمارِ سامی ائمۂ اثنا عشر را داخلِ خطبہ کردہ، گرامی نامہاے اصحابِ ثلثہ را (رضی اللہ عنہم) (کہ از قدیم الایام داخلِ خطبہ بود) بینداخت۔

صلح پسند و امن جو، ابراہیم عادل شاہ (کہ حالش زیرِ بیان ست) چوں بر سریرِ فرمان دہی جاگزید۔ نامہاے بدر کردہ را باز داخل نمود و اسماءِ داخل شدہ را ہمچناں بہ حالتِ خود گذاشت۔ سخن با سلاست متانت و فصاحت بر میگذارد۔ چنانچہ

---

* بید، پیشتر، دار الخلافۃ شاہانِ بہمنیہ، بلدہ گلبرگہ بود۔ احمد شاہ بہمنی، احمد آباد را در سنہ ۱۴۳۲ء بنا کرد و آنرا مستقرِ خلافۃ خود گردانید (مارش مین)

ایں غزلہا (کہ پیشکش ارباب نکتہ سنج کردہ میشود) از نتائج طبع سلیم و مذاق مستقیم اویند۔

شب ہجر جز گریہ کارے ندارم
بجز دیدۂ اشکبارے ندارم

شبے نگذرد کز فراق تو چوں شمع
پر از اشک حسرت کنارے ندارم

من ز عشق و رندی و کوے ملامت
براہِ سلامت گذارے ندارم

ازاں باغمش خو گرفتم وفائی!
کہ غیر از غمش غمگسارے ندارم

دیگر

دل بزلفش حکایتے دارد
وز شب غم شکایتے دارد

تا کے آزار اہل دل طلبی
بیوفائی نہایتے دارد

خون دل می خورم زغصہ کہ یار
بارقیباں عنایتے دارد

دل سختش زآہ من شد نرم
آہ عاشق سرایتے دارد

اے وفائی! منال از ستمش
کہ ستم نیز غایتے دارد

(تاریخ فرشتہ)

خاکسار۔ دیانت حسین عفی عنہ وظیفہ خوار۔
دولت انگلشیہ مقام سنڈا ضلع پٹنہ

صنعت وحرفت کے متعلق

گورمنٹ کو مشورہ

۱۹ر مئی کو نینی تال میں جو انڈسٹریل کانفرنس منعقد ہوئی اور اسکی سب کمیٹیوں نے جن امور پر غور وبحث کی اگر اس سے بیس برس قبل ایسا ہوا ہوتا جب سے کہ اعلیٰ

حکام نے اسپر توجہ شروع کی تھی تو آج ہم لوگ تاریخ کے بہت قریب ہوتے۔ اس لئے کہ اب جن تجاویز پر غور ہو رہا ہے انہیں عملی حیثیت تک آنے میں بھی شاید اسیقدر زمانہ گذرے گا۔

ابتدا سنہ ۱۸۹۰ء میں گورنمنٹ ہند نے لوکل گورنمنٹ کو ایما کیا تھا کہ اس صوبہ میں جو مقامی صنعتیں جاری ہیں انکی تحقیقات کی جائے۔ اس تجویز پر سنہ ۱۸۹۰ء میں غور کیا گیا اور قرار پایا کہ ایسی کارروائیاں ضروری نہیں ہیں۔ حالانکہ عوام کی ایسی خواہش اسکے قبل سے تھی۔

ہمارے موجودہ لفٹنٹ گورنر نے (جسوقت وہ وائسریگل کونسل میں تھے) تو اپنے مالی بیان پر تقریر کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اس بارے میں دوسری گورنمنٹوں کو بھی گورنمنٹ مدراس کی تقلید کرنی چاہیے۔ آپنے اس خیال کو اپنے دل ہی میں نہ رکھا بلکہ جب صوبجات متحدہ کی زمام حکومت ہاتھ میں لی تو سب سے پہلے مسٹر اے۔ سی چیٹرجی کو صوبہ کی صنعت وحرفت کی تحقیقات پر مامور کیا اور مسٹر چیٹرجی نے جسقدر معلومات فراہم کی تھی اُسے ایک کتاب کی صورت میں جمع کردیا۔ اسکے بعد ترقی کا دوسرا قدم نینی تال والی کانفرنس ہے جسپر بحث کرنیکے لئے پبلک کے واسطے میدان کشادہ ہے۔

اس تحریک کے متعلق ہمارے غور و فکر کے لئے بہت سی باتیں موجود ہیں۔ گورنمنٹ ہند نے اب سے تین سال قبل جو رزولیوشن صنعتی تعلیم کی کمیٹی کی رپورٹ پر شائع کیا تھا اُسکے ضمن میں یہ فقرہ درج ہے کہ "صنعتی کاروبار کی توسیع اور چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کی متعلق جو تجویز کی گئی ہے گورنر جنرل باجلاس کونسل کی رائے میں اس کا انحصار خاص طور پر رنج کے انتظام سے ہو سکتا ہے" بیشک اسمیں بہت کچھ ذاتی مساعی کا دخل ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ ایسی مہتم بالشان تجویز بغیر گورنمنٹ کے عاقلانہ مشورت اور مہربانی آمیز شرکت کے ایک قدم کبھی آگے بڑھ سکے۔ یہ امر ضرور ناپسندیدہ ہے کہ ہر بات میں گورنمنٹ کا منہ دیکھا جائے۔ بنگال کی مجوزہ سائنٹفک وصنعتی کالج کی نوعیت اور اسکے مفاد پر ہم اسوقت کوئی خیال ظاہر نہیں کرسکتے مگر اس امر کی ضرورت

نہایت شدت سے محسوس ہو رہی ہے کہ کم ازکم ہر صوبے میں ایک صنعتی کالج اور تمام ہندوستان میں ایک عظیم الشان میکانک درسگاہ اور ایک سائنٹفک دارالعلوم تحقیقات بغیر کسی تاخیر کے قایم کردئے جائیں جہاں آیندہ ترقی کے لئے گریجویٹ اصحاب کو بہت بڑا موقع ہوگا۔ اسطرح ایک بہت بڑا بیکار اور ناراض گروہ دماغ اور ہاتھ کی محنت میں مصروف ہوجائیگا۔ لیکن اس تحریک کو اعلی تعلیم پر ہرگز موثر ہونا چاہیے گو یہ ناممکن ہے کہ سکنڈری تعلیم تک درسی تعلیم اور صنعتی تعلیم کے مبادیات کا ساتھ نہ ہو۔ اسطرح موجودہ نظام یونیورسٹی میں ایک بہت بڑا مگر مفید مطلب انقلاب ہوگا جس کا کہ ہز آنر نے بھی اشارہ کیا ہے۔ یعنی اپنی نینی تال والی تقریر میں آپنے کہا ہے کہ میں ارادہ رکھتا ہوں کہ اسکول فائنل میں بلاتاخیر مزید ایسی حیثیت پیدا کردوں جو عملی طریقہ کی ہو اور جس سے اس بات کا اطمینان ہوجائے کہ اس امتحان کے پاس کرنے کا سرٹیفکٹ اسکول چھوڑنے کے بعد طالب علم کو معقول فائدہ پہونچا سکیگا۔

یہ صحیح ہے کہ اب تک یونیورسٹی نے صرف اپنی ضرورت کا لحاظ رکھا ہے لیکن جو لوگ یونیورسٹی امتحانات میں داخل ہوئے بغیر اسکول چھوڑدیں اُن کا کوئی خیال نہیں کیا سر انتنی مکڈانل نے بھی (جب وہ گورنمنٹ ہند کے ہوم سکرٹری تھے) اپنے مجموعہ تجاویز میں ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے۔ ہز آنر نے کانفرنس میں اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابتدائی تعلیم میں مندرجہ ذیل چیزیں داخل کی جائیں یعنی پڑھنا۔ حساب۔ مبادی سائنس۔ نقشہ کشی۔ اور مڈل کی تعلیم ختم ہونے پر طلبا کو صنعتی اسکول میں جانا چاہیے یا ہائی اسکول میں جاکر موجودہ نصاب تعلیم اختیار کرنا چاہیے۔ مگر میرے خیال جس ڈھب پر ابتدائی تعلیم کو قایم کرنا منظور ہے وہ بغیر اسکے ممکن نہیں ہے کہ پہلے طلباء پر جو کتابوں کے انبار کا بوجھ ہے وہ ہلکا کیا جائے یعنی غیر ضروری اور اختیاری مضامین چھانٹ کر نکالدئے جائیں اور اُن کے جگہ وہ مضامین داخل کئے جائیں جن کا ہز آنر نے ذکر کیا ہے یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی تعلیمی درسگاہیں اُس فرسودہ دستور اور طریقوں پر چل رہی ہیں جو کچھ عرصہ پیشتر انگلستان میں رائج تھے لیکن جن کو ناقص پاکر وہاں موجودہ اصلاح

کی گئی ہے۔ اگر ہز آنر تھوڑا سا تامل کے ساتھ غور کرینگے تو یہ صاف معلوم ہو جائیگا کہ موجودہ ابتدائی تعلیم کو تبدیل کرنے میں اگر جرمنی کے ابتدائی مدارس کی نقل بلحاظ حالت خصوصیات ملک اُتاری جائے تو زیادہ مفید اور اُن کی کوششوں کی کامیابی کا باعث ہوگی۔ اس طرح ابتدا ہی سے آنکھ اور ہاتھ کام کرنیکے خوگر ہو سکینگے۔ اُس کانفرنس یا اسکی کسی سب کمیٹی میں اگر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد بھی شریک کئے جائیں جنہوں نے ممالک یورپ میں فن تعلیم پر بہت بڑا عبور حاصل کیا ہے تو ابتدائی مدارس کے انتظام میں ان سے عمدہ مشورہ و مدد ملنے کی توقع ہے۔ بہرکیف تعلیم کی ابتدا بچوں میں "کنڈر گارٹن" طریق سے کرائی جائے اور مڈل تک ہز آنر کے مجوزہ مضامین بھی شامل رہیں۔ لیکن اگر ابتدائی اسکولوں کے کریکولم میں آبجکٹ لیسن (سبق اشیا) کافی وسعت کے ساتھ۔ مصوری۔ اور ابتدائی دستکاری میں لوہے اور لکڑی کا کچھ کام بھی داخل کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا اور اگر ایسا نصاب قایم کرنے میں ڈاکٹر طامسن والگر نڈر (متعلقہ سائنس کالج پونا) کے مجوزہ نصابوں سے بھی مدد لی جائے تو زیادہ مناسب اور مکمل نصاب تیار ہو سکتا ہے بغیر اسکے یہاں کی تعلیم جہانتک کہ اُسکو صنعت و حرفت سے تعلق ہی مناسب بنیاد پر قایم نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ دو نصاب قایم کئے جائیں ایک یونیورسٹی تعلیم کا دوسرا صنعتی۔ اسلئے کہ پیشہ میں مشغول ہونے کا شوق لڑکوں کے آیندہ حالات اور بہت کچھ رجحان طبیعت پر منحصر ہے۔

مسٹر چیٹر جی نے لوکل دستکاریوں کی جو تحقیقات کی ہے اور کانفرنس میں ان کی جو سفارشیں پیش ہوئیں اسکے علاوہ اسکی بھی ضرورت ہے کہ مختلف حصص ہند کی خاص خاص دستکاریوں کی جن ذرایع سے ممکن ہو تحقیقات کی جائے۔ اس لئے کہ یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ کون چیز کس حصہ ملک میں تیار ہوتی ہے اور کیسے ہوتی ہے۔ اور اُسمیں کسقدر آدمی مصروف ہیں۔ اور اُسکو کس حد تک وسعت دینی ممکن ہے۔ اگر اوسکی توسیع ممکن ہے اور یہاں یا دوسرے حصوں میں اُسکی مانگ ہے تو آیا صوبجات متحدہ کی حالت ایسے ہیں اور یہاں اُسکا سامان اسقدر دستیاب ہو سکتا ہے کہ اُسکی یہاں بھی نقل و

اثار تی ہو ۔۔ اسلئے کہ بہت سی دستکاریاں ایسی ہیں جو اگر کثرت کے ساتھ کی جائیں تو فروغ ممکن ہے ۔ گو ہندوستانی اشیا کے حدود استعمال بہت کم ہیں مگر اُسکے متعلق جس قدر زیادہ معلومات جمع کی جائے غرض مطلوبہ کے حق میں فائدہ ہوگا ۔

اسوقت صوبہ بمبئی میں دو صنعتی درسگاہیں کالج کے درجہ کی ہیں ایک وکٹوریہ جوبلی انسٹیٹیوٹ دوسرا سائنس کالج پونا ۔ پہلی درسگاہ میں میکانیکل اور برقی انجنیری کی تعلیم کا سامان کیا گیا ہے مزید براں احمد آباد ۔ سورت اور شولاپور میں بھی صنعتی درسگاہیں ہیں ۔ جہاں ابتدائی اور سکنڈری تعلیم دیجاتی ہے ۔ بڑودہ کا کالابھون بھی اس موقع پر قابل ذکر ہے ۔ جہاں میکانیکل انجنیری کی دستکاریاں سکھلائی جاتی ہیں ۔ صوبہ برار میں بھی بہت جلد وکٹوریہ موریل ٹکنیکل انسٹیٹوٹ کے قایم ہونے کی خبر تہوڑا عرصہ ہوا ملی تھی ۔ جہاں میکانیکل انجنیری ۔ نجاری ۔ لوہاری اور کلوں کے پرزے جمانے کا کام سکھایا جاتا تھا ۔ امراوتی میں برار کی تعلیمی سوسیٹی نے کچھ عرصہ قبل جو ایک پرائیویٹ سکنڈری اسکول کھولا تھا اسمیں پارچہ بافی سکھانیکا ایک کلاس کھول دیا گیا ہے دوسری دستکاریوں کا بھی انتظام ہے مگر ہمارا صوبہ ان تمام باتوں سے خالی رہا ۔

گو یہ مان لیا جاسے کہ ہمارے صوبہ کے وسایل محدود ہیں تاہم وہ ایسے بھی نہیں کہ بالکل کچھ نہ ہو سکے ۔ بہرکیف جو کچھ بھی ہے وہ بہت ہے اور اُس سے مناسب کام لینا چاہیے ۔ اس لیے کہ صوبہ کے بہت کچھ حالات موافق ہیں ۔

سر انٹنی مکڈانل کا خیال تھا کہ ہر قسمت یا ضلع میں ایک صنعتی اسکول یا صنعتی اسکول کا صیغہ قایم کیا جاسے اور صوبہ کی تعلیم میں مذکورہ بالا تعلیم بطور جزو لاینفک داخل ہو ۔ ان کا اصول خلاصہ کے طور پر یہ تھا کہ خاص خاص لوکل حرفتوں یا پیشوں کا حوصلہ دلایا جائے اور ان اسکولوں کو تعلیمی ہونا چاہیے نہ کہ تجارتی ۔ اور مضافات میں اس غرض سے اسکول قایم کئے جائیں کہ منفرد چیزوں کے بنانے اور ترقی دینے کی تعلیم دیجاسے اور شہروں کے اسکول میں پیداوار خام سے تجارتی اشیا کے تیار کرنے کی تعلیم دیجاسے ۔ ایک ہی جگہہ چند حرفتیں سکھلائی جائیں اور صرف وہ طلبا داخل کئے جائیں

جو پیشہ کو اختیار کرنا چاہتے ہوں اور حرفتی اسکول ایک مرکزی تعلیم گاہ سے وابستہ ہوں جہاں اسکول سے متعلق حرفت کی اسے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دیجائے ۔"

جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ اسکیم اپنی صورت میں بہت مکمل اور جامع ہے اور اگر بمبئی کی درسگاہ کے نمونہ پر کوئی انسٹیٹیوٹ قایم کیا جائے تو سردست قریباً نو لاکھ روپیہ درکار ہوگا اور سالانہ اخراجات بھی پچاس ہزار ہونگے ۔ اور اگر اول ایسی درسگاہ بنائی جائے جو اضلاع میں ہو اور جسمیں اسقدر تعلیم ہو کہ اعلیٰ درجوں میں میکانیکل انجنیری تک اور ادنیٰ درجوں میں نجاری، آہنگری اور کلوں کے پرزوں کے جمانیکا کام سکھایا جائے تو اسکے لئے ایک لاکھ اور سالانہ مصارف کے لئے چودہ پندرہ ہزار درکار ہوگا ۔ پس ایک ایسی مکمل درسگاہ کے لئے جسمیں برقی ۔ میکانیکل انجنیری اور سعنیات وغیرہ کے علاوہ تحقیقاتی ذرائع بھی ہوں بیس لاکھ سے کم درکار نہوگا ۔ اور ضرورت کے دیکھتے ہوئے یہ کوئی بہت بڑی رقم نہیں معلوم ہوتی ۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صنعتی درسگاہوں کا تعلق سررشتہ تعلیم سے ہوگا یا اسکی نگرانی کے لئے کوئی علحدہ بورڈ قایم ہوگا جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں اور جیساکہ مختصراً اوپر اشارہ کرچکے ہیں مڈل تعلیم تک تو اسے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کی ماتحت ہی رکھنا مناسب ہے لیکن صنعتی ہائی اسکول سے لیکر اعلیٰ تعلیم گاہ تک کا انتظام براہ راست ایک جداگانہ بورڈ کے زیر اختیار رکھا جائے ۔ ٹائپ رائٹنگ ۔ شارٹ ہینڈ رائٹنگ اور بک کیپنگ وغیرہ کو صنعتی ہائی اسکول ہی میں ختم کردینا چاہئے اور کالج میں صرف صنعت کے اعلیٰ ترین شاخوں کی تعلیم دیجائے ۔ اور صنعتی ہائی اسکول سے جو طلبا آگے نہ بڑھنا چاہیں اُن کے لئے کالج میں آزمایشی کارخانہ وسیع پیمانہ پر موجود ہو جسمیں وہ ایک یا چند پیشوں کی مشق ایک مختصر میعاد میں کرسکیں یعنی اُن کی حالت ایسی ہوجائے کہ صنعتی اسکول چھوڑنے کے ساتھہ ہی کوئی معزز پیشہ شروع کرسکیں ۔

لوکل دستکاریاں جو جا بجا کسی حالت میں موجود ہیں ان کی نسبت یہ امر قابل لحاظ ہے کہ آخر ان کی ترقی کے کیا وسایل ہونگے ۔ اگر پیشہ ور کاریگروں کے لڑکوں

کے لئے آبائی دستکاریوں کی تعلیم کا انتظام کیا گیا تو ابتدائی اور صنعتی ہائی اسکولوں میں یہ کاروبار بہت وسعت کے ساتھ بڑھانا پڑیگا اور اسکے لئے سوائے اسکے چارہ نہ ہوگا کہ ہائی اسکولوں کے ساتھ کارخانے بھی جاری کئے جائیں پارچہ بافی کی شاخ میں سوتی اونی ریشمی اور زرکار کپڑے کی بنائی ۔ سوت اور کپڑے کی رنگائی ۔ دری ۔ قالین اور کمل بُننا ۔ خیاطی ۔ وغیرہ داخل کی جائے ۔ نجاری کی شاخ میں کندہ کاری اور ہاتھی دانت کا کام بھی شامل ہو ۔ آہنگری میں ۔ دہاتوں کو گلانا ۔ صاف کرنا ۔ ڈہلنا اور نقشی و نمونہ کا کام شریک ہو ۔ و باغت کی شاخ میں علاوہ دباغی کے مختلف کاموں کے چمڑے تیار کرنا ۔ چمڑا رنگنا ۔ بوٹ بنانا اور مختلف ضرورتوں کی چھوٹی چھوٹی چیزیں تیار کرنا ۔ شیشہ سازی میں گلانا ۔ ڈہلنا ۔ آرائشی سامان ۔ بوتل اور شیشیاں اور چوڑیاں وغیرہ بنانا متفرقات لاکھ کا کام تانبے پیتل اور ایلومنم کے ظروف اور آرائشی چیزیں بنانا ۔ رنگ سازی ۔ لیس بنانا ظروف اور آئینوں پر قلعی چڑہانا ۔ ٹین کی چیزیں اور کھلونے بنانا وغیرہ ضروریات زندگی کی روزانہ چیزیں داخل کیجائیں

لیکن غور طلب یہ ہے کہ ایسے کاریگروں کے لئے جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں ترقی یافتہ آلات اور کاروبار کا ضروری سرمایہ کیونکر بہم پہونچیگا اسکی نسبت میرا خیال ہے کہ جسطرح کاشتکاروں کی امداد زراعتی بنکوں کے ذریعہ سے کی جاتی ہے اور زراعت پیشوں کو جو سہولت ڈسٹرکٹ بنکوں اور مفصلات کی امداد باہمی سوسائٹیوں سے زیر اہتمام ایک رجسٹرار کے حاصل ہے اسیطرح ایک رجسٹرار حرفتی بنکوں کا مقرر کیا جائے جسکے ماتحت اضلاع اور مفصلات میں حرفتی امدادی سوسائٹیاں اور بنک قایم کئے جائیں ۔ اسلئے کہ جب تک کاریگروں کی سرمایہ اور آلات سے مدد نہ کیجائے گی مردہ اور نیم مردہ صنعتوں کا از سر نو قایم ہونا محال ہے زراعتی بنکوں نے جو باہمی امداد کے اصول پر چل رہے ہیں ۔ خاص کامیابی اور ہر دلعزیزی حاصل کر لی جائے اسیطرح حرفتی بنکوں کو بھی ترقی ممکن ہے جب تک

کہ ان ہاتھ سے کام کرنیوالوں کی مدد نہ کیجائیگی صرف بڑے بڑے کاموں سے جن میں مشینری کا استعمال ہوتا ہے صوبہ یا ملک کی صنعتی ترقی موہوم ہے۔ محکمہ زراعت نے جس طرح آزمایشی مزرعے قایم کئے ہیں اسیطرح صوبہ کے صدر مقام یا ہر قسمت کے صدر میں ایک ایک کارخانہ جاری کیا جائے جہاں ہر طرح کے آلات اور کام کے نمونے اور کسی ایک کام کی ہر نوبت پر جو کارروائی تدریجاً ہوتی ہے اُس کی نمائش کی جائے۔

اسیطرح پر کاریگروں کا تعلق ایک مرکز سے ہوگا۔ ان کو ایسی نمایشوں میں شریک ہونے اور آلات و اشیا کے نمونے پیش کرنیکا ہر ایک موقع اور سہولت دیجائے۔ تاکہ وہ باہم تبادلہ خیالات کرسکیں۔ ہندوستان میں مجموعی مقدار تجارت کی ہر سال ضرور بڑھتی جاتی ہے لیکن اصل صورت یہ ہے کہ یہاں کی قدرتی پیداوار کا یورپ کی مصنوعات سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔ یہ امر ہر طرح افسوسناک ہی کہ اس قدر خام پیداوار یہاں سے غیر ممالک کو سال بسال تجارتی چیزیں بنانے کو روانہ کیجاتی ہی جن سے اس ملک میں مال تیار ہو سکتا ہے حالانکہ وہی خام پیداوار جو یہاں سے دوسرے ممالک کو جاتی ہے تجارتی صورت میں پھر یہاں واپس آکر کئی گونہ زیادہ قیمت حاصل کرتی ہے۔ اگر اسطرح پر انتظام کیا جائے جیسا میں نے اوپر بیان کیا ہے تو خام پیداوار سے یہیں چیزیں تیار ہوں اور غیر ملک کی ساختہ اشیا کی نسبت کہیں ارزاں پڑیں اور بے شمار لوگ کام پر لگ جائیں۔

مسٹر چیٹرجی یہاں کے کاریگروں بالخصوص پارچہ بافوں میں دماغی قابلیت کی کمی کی شکایت کرتے ہیں اور انہیں ابتدائی تعلیم کے جاری کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ مگر یہ امر اُسوقت تک نہ ہوگا جبتک تمام ملک میں ابتدائی تعلیم لازمی اور مفت اُنہیں طریقوں پر نہ کردیجائے جنکی کہ مسٹر گوکھلے نے وایسریگل کونسل میں سفارش کی تھی۔ اسلئے کہ محض کاریگروں کے لئے علحدہ انتظام تعلیم ناممکن ہے اور بغیر جبر کے اُن کو حصول تعلیم پر مستعد کرنا ناممکن العمل ہے۔

لئے ایک لاکھ کی ضرورت ہے پس گورنمنٹ وہاں کے با اثر اور دولتمند اشخاص کو ترغیب دلائے کہ اگر اُس مقام کے لوگ پچاس ہزار روپیہ مشترکہ سرمایہ کے طور پر معین حصص میں جمع کرلیں تو اسیقدر رقم گورنمنٹ اپنے خزانہ سے دیگی۔ اور ایسے کارخانہ کا منافع عموماً دس روپیہ فیصدی حصہ داروں کو تقسیم ہو، تو گورنمنٹ صرف اسقدر رعایت کرے کہ اور حصہ دار تو منافع وصول کریں اور نصف سرکاری سرمایہ پر جو رقم منافع کی واجب الادا ہو اُسے گورنمنٹ اپنے اصل میں محسوب کرکے وضع کرلی جائے۔ اسطرح سرمایہ بآسانی جمع ہوجائیگا۔ سرکاری شرکت سے لوگوں کی حوصلے کو تقویت ہوگی۔ گورنمنٹ کے خزانے پر بھی بار نہیں پڑیگا اسلئے کہ اصل رقم (بغیر کسی سود کے) سالانہ یا ششماہی قسط سے وصول ہوتی رہیگی۔ خواہ تعداد اقساط قلیل ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کتنی ہی طویل مدت میں کل رقم بیباق ہو لیکن اگر گورنمنٹ علاً ترقی صنعت وحرفت میں عوام کی بیکاری اور افلاس زدگی رفع کرنا چاہتی ہے تو اس سے بہتر اور آسان صورت قرار دینا مشکل کیا بلکہ ناممکن ہے۔ فقط

(حکیم برہم گورکھپور)

عہد اکبر میں ہندوستان کی حالت

اب یہ امر مسلم ہوگیا ہے کہ ہندوستان کے مورخین تاریخ نویسی کے فن سے ناآشنا تھے۔ ہندو تو ہندو اکثر مسلمان مورخین بھی جو یونان سے سبق لیکر آئے تھے، شاہی مہمات و فتوحات کے تذکرے کرنا ہی تاریخ کی علت غائی سمجھتے تھے۔ گو عہد اکبری کی متعدد تاریخیں معتبر و مستند موجود ہیں مگر اُن کے مطالعہ سے جمہور انام کے طرز تمدن۔ طرز معاشرت و روشن خیالی پر بہت دھندلی روشنی پڑتی ہے۔ البتہ چونکہ آئین سلطنت و طرز تمدن میں بہت مضبوط تعلق ہے، ہم اُن کے مطالعہ سے ملک کی حالت کا کافی اندازہ کرسکتے ہیں۔

ہندوؤں کے مذہبی خیالات۔ چونکہ مذہب قومی زندگی کا رکن اعظم ہے۔ ہم اُسکا

ذکر سب سے پہلے کرتے ہیں۔ اکبر کے عہد سے کچھ پیشتر ہی ہندو ریفارمیشن (جس سے خدائے واحد کی عبادت و مراسم ظاہری سے کنارہ کشی مراد ہے) شروع ہو گیا تھا۔ سوامی رامانج رامانند۔ کبیر۔ چیتن اور بلبھ سوامی جیسے جیسے باکمال۔ روشن ضمیر۔ معرفت پسند بزرگوں نے جاہلانہ بت پرستی۔ و مراسم ظاہری کی غلامانہ تقلید کے خلاف بلند آوازوں میں اعلان کر دیا تھا۔ تاہم عہد اکبر میں غالباً ان موحدانہ خیالات کا اثر اُس سے بھی کم تھا جو آج کل آریہ سماج یا برہمو سماج کا پبلک پر ہے۔ کبیر کے بھجن اور ساکھیاں جو اُس زمانہ کی عامیانہ بول چال میں کہی گئی ہیں اُسوقت بھی مقبول عام ہو چکی تھیں اور اکثر گائی جاتی تھیں۔ مگر عوام اُن سے اسیقدر موثر ہوتے تھے جسقدر آج کل ہوتے ہیں۔ کیونکہ گو ان بھجنوں اور گیتوں سے روح کو ایک حسرتناک مزہ محسوس ہوتا ہے مگر اُسکا اثر اتنا پُرزور نہیں ہوتا کہ اُس باطل پرستی کو مٹا دے، جو مدتوں سے جاری رہنے کے باعث ہمارا خمیر ہو گئی ہے۔ واضح رہے کہ ہر مہذب ملک میں خواص و عوام کے مذاہب میں جُدا جُدا رنگ پایا جاتا ہے۔ خواص کے عقیدے فلسفیانہ خیالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور عوام محض باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کو مذہب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ باوجود اسکے کہ اکبر کے دربار میں آزادی خیال کے چرچے برابر رہتے تھے، اکبر نے ہندوؤں سے رشتہ یگانگی جوڑنے کے لئے جو روش اختیار کی اُس سے مستنبط ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں عوام پر برہمنوں کا زور اُس سے بدرجہا زیادہ تھا جو آج کل ہے۔ اُس نے داڑھی منڈا لی تھی اور اُسکے درباری اُمرا بھی اکثر بلا داڑھی کے رہنا پسند کرتے تھے۔ وہ برہمنوں کی تعظیم کرتا تھا ہندو علما کو سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ ہندوؤں کے لئے اعلیٰ ترین مناصب کھلے ہوئے تھے۔ سورج کی پوجا کرتا تھا۔ آگ کے سامنے سجدہ کرتا تھا۔ گائے مارنے کی ممانعت کر دی تھی۔ خود گوشت نہ کھاتا تھا۔ کوئی مہم سر کرنے جاتا تو برہمنوں سے ساعت بچروالیتا۔ بشن بھگوان نے جن جن جانوروں کے قالب میں اوتار لیا تھا وہ پاک سمجھے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ سور بھی پاک تھا۔ تُلادان ہوتا تھا۔ یگیہ کئے جاتے تھے۔ ہون ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ سادھوؤں اور جوگیوں کو

اپنے برابر بٹھا لیا کرتا تھا۔

مسلمانوں کی مذہبی حالت علما و مشائخ کا طوطی بولتا تھا۔ بادشاہ بھی اُن کے خلاف یوں نہ کر سکتا تھا کہ کہیں اُس پر ہی کفر و ارتداد کا فتویٰ نہ صادر ہو جائے۔ ہر ایک امر میں خواہ ملکی ہو یا تمدنی انہیں مجتہد و محدثین کی اطاعت کیجاتی تھی۔ عدالت کے معاملات سب انہیں کے ہاتھ میں تھے۔ شیعہ و سُنی حنفی و شافعی اکثر مباحثے و مناظرے کیا کرتے تھے۔ جنمیں اُن کی کج فہمی اور ناحق پسندی کا بیطرح اظہار ہوتا تھا۔ آخر جب بادشاہ اُن کی بے عنوانیوں سے بیزار ہو گیا تو رفتہ رفتہ اُن کو دربار سے نا بچ کرنا شروع کیا۔ جسپر مُلاؤں نے بادشاہ کو کافر بنایا اور صوبہ بنگالہ میں بغاوت پھیلادی۔ اُس زمانہ کے ملاؤں کی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی جو حضرت آزاد دہلوی کی بے بہا تصنیف دربار اکبری کے ایک لُطیفہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

ایک جلسہ میں کوئی مُلانے صاحب بھی آ گئے۔ گفتگو یہ تھی کہ مولویوں میں سیاق کی لیاقت کم ہوتی ہے۔ مُلا نے صاحب نے اُلجھ پڑے۔ ایک شخص نے کہا اچھا بتاؤ دو اور دو کے ؟ مُلا گھبرا کر بولے چار روٹیاں!

پناہ بخدا! یہ مسجدوں کے فرمانروا۔ دن کا کھانا دوپہر ڈھلے اور رات کا کھانا آدھی بجے کھاتے ہیں کہ شاید کوئی اچھی چیز آجائے۔ اور شاید کوئی بلانے ہی آجائے۔ رات کی گھڑیاں گنتے ہیں اور بیٹھے رہتے ہیں۔ ہوا سے کنڈی ہلی اور دروازہ کو دیکھنے لگے کہ کوئی کچھ لایا۔ مسجد میں بلی کی آہٹ ہوئی اور ہو گئے ہوئے کو دیکھیں کیا آیا۔ ایسے لوگ مصالح سلطنت کو کیا سمجھیں۔ اُنھیں تو تلنے حلوے سے مانڈے سے کام ہے۔ گو حضرت آزاد نے ظرافت آمیز مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مگر اسمیں کچھ بھی شک نہیں کہ اُس زمانہ کے پیشوایان دین کی حالت اس سے کچھ ہی بہتر تھی اور وہی ملک کے فرمانروا تھے۔ بادشاہ اور اُسکے اُمرا ہتھیلی پر جان لیکر رہتے تھے۔ اور فرمانروائی کے مزے مُلانے اُٹھاتے تھے۔ آخر اکبر نے اُنکی رگیں ڈھیلی کردیں۔

دربار کے بلند خیال اُمرا، غیر متعصب اراکین سلطنت اور ہی رنگ میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ صلح کل اُنکا روتیہ معلوم ہوتا ہے۔ اس فرقہ کا پیشوا اکبر ہے۔ تاہم اُسکا اثر دربار کی چہار دیواری

کے اندر محدود ہے۔

ہندوؤں کا طرز تمدن اصلاح تمدن کے لئے اکبر نے جو آئین وضع کئے اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں تمام سوشل قبایح موجود تھے جنکی بیخکنی کے لئے آج ایسی جد و جہد کی جاری ہے۔ ستی کا رواج عام تہا۔ گو اکثر نارضامند عورتیں جبراً ستی ہونے کے لئے مجبور کیجاتی تھیں۔ ہر فرقہ میں عموماً صغرسنی میں شادیاں ہوجایا کرتی تھیں۔ دولہا دولہن شادی کے قبل ایک دوسرے سے بالکل ناواقف رہتے تھے۔ یہ وہی عیوب ہیں جو آج بہی ہمکو ساری مہذب دُنیا میں بدنام کررہے ہیں۔ گو اکبر نے اُن کی انسداد کی قانوناً کوشش کی مگر غالباً اسکا اثر بہت کم پڑا۔

کاشتکاروں کی حالت ہندوستان خاص الخاص زراعتی ملک ہے۔ اور اہل زراعت کی حالت کے جانچنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ اُسوقت کے زرعی قوانین پر ایک سرسری نظر ڈالی جاے اکبر کے عہد سے پہلے زراعت کی حالت نہایت نازک تہی نہ لگان کی کوئی مقررہ تعداد تہی۔ نہ اُسکے وصول کرنیکا کوئی خاص وقت تہا۔ عہد اکبری میں یہ سب بے عنوانیاں دور کردی گئیں۔ زمین کی پیمایش کی گئی۔ اسکو پیداوار کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا اور اوسط نکالکر ہر خطہ زمین پر لگان کی مستقل رقم قایم کی گئی۔ مقدم ویکے توسل سے وصولیاں ہوتی تھیں۔ ادکہہ اور ایسے دیگر اجناس پر جنہیں زیادہ محنت درکار ہے لگان کا اوسط پیداوار کی قیمت کا پانچواں چھٹا یا ساتواں حصہ مقرر کیا گیا۔ باقی ربیع و خریف کی دیگر اجناس پر بادشاہی حق ایک چوتہائی سے زیادہ نہ تہا۔ جابجا کنوئیں ہوادئے گئے۔ قحط کے زمانہ میں کسانوں کی مدد کرنیکا اہتمام کیا گیا۔ کاشتکار کو اختیار تہا کہ چاہی لگان جنس کی صورت میں ادا کرے یا نقد۔ جب ان قوانین کا ہم آجکل کے قوانین سے مقابلہ کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے کاشتکاروں کی حالت ایسی خراب نہ تہی خصوصاً اسوجہ سے کہ اُن کی ضرورتیں مقابلتہً بہت محدود تہیں۔ اور وہ بہی بہت آسانی سے رفع ہوجاتی تہیں۔ کیونکہ چیزیں آج کی بہ نسبت کہیں سستی تہیں۔

عدالت جسوقت اکبر نے تاج شاہی سر پر رکہا اُسکا سن تیرہ سال سے زائد نہ تہا۔

سلطنت کا سیاہ وسفید بیرم خان (خان خانخان) کے ہاتھ نہیں تھا وہ ملک گیری کی قابلیتیں رکھتا تھا مگر ملک داری کے اصولوں سے اسیقدر مانوس تہا جسقدر اُسکے پیشتر اُسنے ہرام میں شاہان سابق کی تقلید کی عدالت کے کل معاملات قاضیوں اور مفتیوں کے ہاتھ میں تھے یہ جسکو چاہتے بناتے جسکو چاہتے بگاڑتے اُن کی اپیل کہیں نہ ہوسکتی تہی۔ سندوؤں کے مقدمات بہی اُنہیں کے دربار میں فیصل ہوتے تہے۔ اور اُن کے معاملات میں بہی حدیث وفقہ کی پیروی کی جاتی تہی۔ اکبر مشائخین کے وہ مظالم جو ہندوؤں پر روا رکہے جاتے تہے۔ دیکھتا تہا اور دانت پیسکر رہجاتا تہا۔ آخر جب بیرم خانی دور پر زوال آیا اور اکبر نے ہاتھ پاؤں سنبہالے تو اُسنے علمائے دین کی خوب کرکری کی کتنے ہی حضرات کو جلا وطن کر دیا۔ کتنوں کو قید خانے میں بہجوا دیا اور ہندوؤں کے مقدمات کے فیصلے برہمن علما کے ہاتھوں میں دیدئے تاکہ شاستر کے احکام کے مطابق عمل کریں۔

طرز سیاست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت مجرموں کے ساتھ بڑی سختی کی جاتی تہی۔ آج کل بید مارنا معیوب سمجھتے ہیں۔ اُس زمانے میں حلف کا یہ دستور تہا کہ جلتی توی پر ہاتھ رکہا جاتا تہا۔ اور بعض قصوروں کی سزا یہ تہی کہ ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ یا ناک یا کان۔ مگر اُس زمانہ میں قریب قریب ایسے ہی سخت تعزیریں ہر ملک میں رائج تہیں۔ حتیٰ کہ اسی ملک میں آج سے تقریباً ایک صدی پہلے بہت سے جرائم کی سزا اکثر موت تہی۔

ملازمت اور نوکری - شرفائے گذارے کی اُن دنوں میں دو صورتیں تہیں ایک مدد معاش دوسری نوکری۔ مدد معاش جاگیر تہی کہ علما و مشائخ اور آئمہ مساجد کے لئے ہوتی تہی۔ اس میں خدمت معاف تہی۔ نوکری میں خدمت بہی ہوتی تہی یہ دہ باشی سے لیکر پنجہزاری تک جو ملازم ہوتے تہے سب اہل سیف ہوتے تہے۔ دہ باشی کو ۱۰۔ بیستی کو ۲۰ وغیرہ وغیرہ سپاہی رکہنے ہوتے تہے۔ اسیطرح دوبیستی۔ پنجہ باشی۔ سہ بیستی۔ چار بیستی۔ یوزباشی وغیرہ وغیرہ پنجہزاری تک۔ تنخواہ کی صورت یہ تہی کہ حساب کے بموجب اُتنی زمین کا قطعہ یا دیہہ یا دیہات یا علاقہ یا ملک ملجاتا تہا جسکے محاصل سے وہ اپنے ذمہ واجب کی فوج رکہیں۔ اور اپنی حیثیت اور عزت و امارت کو درست رکہیں ملازمان مذکور میں سے جسکو

جیسی لیاقت دیکھتے ویسا کام اہل قلم میں بھی دیتے رہتے ۔ لڑائی کا موقع آتا تو جن جن کے نام تجویز میں آتے ۔ کیا اہل سیف کیا اہل قلم انکے نام حکم پہونچتے ۔ دہ باشی سے لیکر صدی دوصدی وغیرہ وغیرہ تک کل منصب دار اپنے اپنے ذمہ کی فوج پوشاک ۔ ہتیار ۔ اور سامان سے درست کرتے اور حاضر ہوتے ۔

بدنیت منصب داروں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ سپاہی طیار کرکے مہم پر جاتے ۔ جب پھر کر آتے تو چند آدمی اپنی ضرورت کے بموجب رکھ لیتے ۔ باقی موقوف ۔ اُن کی تنخواہیں آپ ہضم ۔ روپے سے بہاریں اُڑاتے یا گھر بھرتے ۔ جب پھر مہم پیش آتی اور یہ اس بھروسے پر بلائے جاتے کہ آراستہ فوجیں ۔ جنگی سپاہی لیکر حاضر ہونگے وہ کچھ اپنے دستر خوانوں کے پلاؤ ۔ کچھ کنجڑے ۔ بھٹیارے ۔ دُھنے ۔ جولاہے ۔ کچھ جنگلی مغل ۔ پٹھان ۔ ترک ۔ کہ ہزاروں بازاروں میں پھرتے تھے اور سراؤں میں پڑے رہتے تھے ۔ اُن ہی کو پکڑ لاتے تھے ۔ کچھ اپنے خدمتگار ۔ کچھ سائیس ۔ شاگرد پیشہ وغیرہ لیتے ۔ گھسیاروں کے گھوڑے ۔ بھٹیاروں کے ٹٹوؤں پر بٹھاتے ۔ کرائے کے ہتھیار ۔ مانگے تانگے کے کپڑوں سے لفافہ چڑھاتے اور حاضر ہوتے ۔ لیکن توپ تلوار کے مُنہ پر ان لوگوں سے کیا ہوتا تھا ۔ عین لڑائی کے وقت بڑی خرابی ہوتی تھی ۔"

کیسا سچا فوٹو ہے اُسوقت کے جاگیرداروں کا ! اور یہ بد دیانتیاں کچھ ہندوستان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں ۔ یوروپ میں بھی پہلے فوجوں کے رکھنے کا یہی طریقہ تھا اور ایسی ہی دھوکہ بازیاں ہوتی تھیں ۔ اکبر نے ان کے انسداد کے لئے آئین داغ جاری کیا ۔ اہل یوروپ نے اسکا زیادہ صحت بخش علاج کیا ۔ انہوں نے جاگیروں کا رواج ہی اُٹھا دیا اور مستقل فوجیں رکھنے لگے ۔ اکبر اُسوقت چاہتا بھی تو ایسا نہ کرسکتا کیونکہ بغاوت ہو جانے کا اندیشہ تھا ۔

جاگیروں کے دینے کا رواج چاہے مطلق العنان بادشاہوں کی ذمہ داریوں کو کم کرتا ہو مگر رعایا کے حق میں نہایت مضر تھا کیونکہ جب کسی کو جاگیر ملتی تو صرف اُسکی

تیغ آزمائی و جنگجوئی کے خیال سے۔ اور ایسے لوگ جب جاگیروں پر جاتے تو نچلے نہ بیٹھتے ہمیشہ اودھم مچایا کرتے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ہر شخص میں تیغ آزمائی کے ساتھ فرمانروائی کی قابلیتیں بھی پائی جاویں۔ ایسی مثالیں چاہے معدوم نہوں۔ مگر شاذ ضرور ہیں۔

یہ لوگ بسا اوقات جاگیروں کی طرف رُخ ہی نکرتے تھے۔ صرف معتمدوں کے بھروسے پر حکمرانی کرتے تھے۔ جیسے آقا۔ ویسے ہی اُن کے نوکر۔ بلکہ اُن سے بھی دو انگل اوپنچے یہ کارندے رعایا کو ستاتے اور اپنے گھر بھرتے تھے۔

مشاغل علمی | بھلا جس زمانہ میں فیضی جیسا جادو بیان شاعر اور ابو الفضل جیسا معجز نگار منشی ہو اُس زمانہ کی علمی ترقیوں کا کیا پوچھنا۔ صرف اکبر نامہ ایک ایسی بے نظیر کتاب ہے جو کیا بہ لحاظ حسنِ عبارت کیا بلحاظ نفسِ مطلب دنیا کے نہایت مشہور تصانیف کے پہلو بہ پہلو رکھی جانیکے قابل ہے۔

اکبر خود تو اُمّی تھا مگر علم و فضیلت کی قدر جیسا اُسنے کی ویسی بہت کم ہی نے کی ہوگی اور جتنی تصنیفیں اور تالیفیں اُسکے عہد میں ہوئیں اُتنی شاید ہی کسی بادشاہ کے وقت میں ہوئی ہوں۔ ملکہ الزبتھ کا زمانہ انگریزی تواریخ میں علمی ترقیوں کے لحاظ سے یادگار سمجھا جاتا ہے۔ مگر وہاں جو تصنیفیں ہوئیں وہ روشن مذاق اور عام قدردانی کا نتیجہ تھیں نہ کہ الزبتھ کی کوششوں کا۔ برعکس اسکے عہد اکبری میں جتنی کتابیں لکھی گئیں سب اُسکی قدردانیوں و حوصلہ افزائیوں کا ثمرہ تھیں۔ جتنے اہل تصنیف تھے سب مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے۔ اگر اس دور کی سب کتابیں جمع کیجائیں تو ایک خاصا کتب خانہ سج جائے۔ ان میں زیادہ تر سنسکرت کتابوں کے فارسی ترجمے ہیں سنگھاسن بتیسی۔ اتھربن بید۔ رامائن۔ مہابھارت۔ نل دمن۔ لیلاوتی عیار دانش خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اور آجتک شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ ان ترجموں کے علاوہ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے کشمیر کی مشہور و مستند سنسکرت تاریخ راج ترنگنی کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ حکیم ہمام۔ مُلّا شیری اور عبدالرحیم خان خانخانان بھی نامور مصنفوں میں ہیں۔ عبدالرحیم خان

تو سنسکرت میں اچھی استعداد رکھتا تھا اور اکثر ہندی بھاشا میں طبع آزمائی کیا کرتا تھا۔ اُسکے لکھے ہوئے دوہرے ابتک بھاشا میں بہت مقبول ہیں۔ نکتہ سنجوں کا خیال ہے کہ وہ تلسی داس کے دوہروں سے لگا کھاتے ہیں۔

فنون لطیفہ (معماری سنگتراشی) یہ صنعتیں اکبر کے عہد میں درجہ کمال کو پہونچگئی تھیں۔ اکبر کا قلعہ۔ فتحپور سیکری کی عمارتیں اور ہمایوں کا مقبرہ وہ لاثانی تعمیرات ہیں جن کے دیکھنے والوں کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں مگر نگاہیں نہیں تھکتیں۔ سافران عالم کہتے ہیں کہ ایسی عمارتیں دنیا میں کم ہیں۔ انہیں صناعوں کی اولادوں نے دہلی کی وہ عمارتیں بنائیں جو آجتک اس فن کا کامل اور بے عیب نمونہ تصور کی جاتی ہیں۔

مصوری اس عہد میں شبیہ کشی بھی درجہ کمال کو پہونچی ہوئی تھی۔ تصویر کشی کے مسائل پر بہت غور کیا جاتا تھا۔ رنگ آمیزی و صفائی میں بھی ترقی ہوگئی تھی۔ میر سید علی تبریزی اور عبدالصمد شیریں قلم شیرازی اور دسونتھ ہندی بڑے باکمال صاحب فن تھے۔ جن لوگوں نے اکبر اور اُسکے دربار کی تصویریں جو انہیں مصوروں نے کھینچی تھیں دیکھی ہیں وہ معترف ہیں کہ وہ اپنے رنگ میں نرالی ہیں۔ اس زمانہ کے اُمرا و شرفا اس فن کو سیکھنا تکمیل تعلیم کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اکبر خود کہتا ہے "جو لوگ مصوری کے پیشہ کی بُرائی کرتے ہیں اُن کو میرا دل نہیں پسند کرتا۔ میرے نزدیک خدا شناسی میں بہت آدمیوں سے مصور بہتر ہوتا ہے۔"

بینواؤں کی دستگیری عہد اکبری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بے کس و بے روزگار لوگوں کی مدد کی جاتی تھی تاکہ یہ لوگ ضروریات سے مجبور ہوکر کسب معاش کے مذموم طریقے نہ اختیار کرلیں۔ علاوہ اسکے ذیل کے چار قسم کے لوگ امداد ضروری کے مستحق جانے جاتے تھے۔

(۱) وہ لوگ جو اپنا وقت تصنیف و تالیف میں صرف کریں۔

(۲) جو لوگ تارک الدنیا ہوکر تزکیہ نفس و عبادت الٰہی میں مشغول ہوں۔

(۳) جو لوگ عسیر الحال ہوں مگر محنت کرنیکے ناقابل۔

(۴) جو لوگ رگوں میں شرافت کا خون رکھتے ہوں مگر بے علمی یا ناقابلیت کی وجہ سے معاش نہ حاصل کر سکتے ہوں۔

جو گورنمنٹ ایسی فیاض ہو اسکی رعایا کی آسودگی۔ و خوشحالی میں کیا کلام ہو سکتا ہے بعض اصحاب کا خیال ہے کہ اکبر کے زمانہ میں رعایا کو چاہے کیسا ہی سکھہ چین کیوں نہ ہو مگر انگریزی راج کا اس سے کیا مقابلہ! شاید ایسا ہی ہو مگر فرق صرف اتنا ہے کہ کہ اکبری رعایا کے دلوں میں بادشاہ کی جانب سے خوش اعتقادی پیدا ہو گئی تھی - وہ اسکو اپنا بادشاہ سمجھتے تھے - برعکس اسکے انگریزی بادشاہت چاہے کتنا ہی آرام و آسائش کیوں نہ پہونچائے - ابھی تک ایک اجنبی بادشاہت خیال کی جاتی ہے - کیونکہ وہ رعایا سے یگانگی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتی -

تعلیم | پرانے زمانے میں نہ کوئی یونیورسٹی تھی نہ آج کل کے سے مدرسے اور کالج - علما طلبا کو اپنے مکانوں پر یا مسجدوں میں بیٹھکر پڑھاتے تھے - اکبر نے تعلیم کی جانب بھی اپنا خیال رجوع کیا - اسکے حکم سے ایسا طریقہ تعلیم جاری ہوا کہ لڑکے تھوڑے ہی دنوں میں لکھنا پڑھنا سیکھنے لگے - مگر حق یہ ہے کہ تعلیم نئے زمانہ کے بلند خیالیوں کی برکت ہے - کہ آج اکثر بادشاہتیں اپنی کل آمدنی کا ساتواں یا آٹھواں حصہ اس کار خیر میں صرف کر دینا بھی فضول خرچی نہیں خیال کرتیں -

عہد اکبری کے ابتدا میں سیاق ہندی میں رائج تھا - ٹوڈرمل نے بجائے ہندی کے فارسی میں رائج کیا - پہلے تو ہندو اصحاب کو یہ تبدیلی ناگوار ہوئی مگر بہت جلد اسکا اچھا اثر ظاہر ہوا کیونکہ ہندوؤں کو فارسی پڑھنے کی ضرورت ہوئی - اور صاحب علم ہو کر مسلمانوں کے ساتھ بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز ہونے لگے -

عوام کے مشغلے | چونکہ اُس زمانہ میں اکثر کشت و خون کی گرم بازاری رہتی تھی عوام کے دلچسپ مشغلے بھی اسی قسم کے ہوتے تھے - کہیں چیتے سے ہاتھی لڑ رہا ہے - کہیں بھینسے لڑائی جا رہے ہیں - کہیں مینڈھوں کے جوڑ چھوٹے ہوئے ہیں - امرا ہاتھیوں کی لڑائیوں و اُن کی ریل پیل میں مزے لیتے تھے - ہاتھیوں - شیر دل - چیتوں - بندیلا

ہرنوں کے پھنسانے کی عجیب غریب حکمتیں نکالی تھیں۔ مرغابیوں کے شکار کی حکمت ایسی انوکھی ہے کہ ہم اُسکو بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ پہلے کہ ایک کالبد بناتے۔ اُسپر مرغابی کا پوست چڑھاتے جسمیں پر و منقار و دُم لگی تھی۔ اسمیں دو سوراخ رکھتے تھے جس سے شکاری دیکھتا تھا۔ کالبد اندر سے ہوتا تھا۔ شکاری اُسمیں سر رکھتا۔ پانی میں گلے تک غرق ہو جاتا۔ اور مُرغابیوں کے پاس ہوشیاری سے جا کر ایک ایک کو پکڑتا جاتا۔ خوب۔

چوگان بازی بھی اس زمانہ میں امرا کا پیارا شغلہ تھا۔ بعض اوقات پلاس لکڑی کے گیند بنا کر اُن کو جلاتے اور رات کو چوگان بازی کے لطف اٹھاتے تھے۔ کبوتر بازی۔ چوپڑ۔ گنجفہ کا بھی عام رواج تھا۔ تاش نئے زمانہ کی ایجاد ہے۔

ایک انگریزی سیاح کے سفرنامے کا انتخاب

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ملک کے مورخین جب اسکی تاریخ لکھتے ہیں تو روزمرہ کی معمولی امور کو معمولی سمجھ کر فروگذاشت کر جاتے ہیں۔ مگر جو سیاح اجنبی ملکوں میں آتے ہیں وہ ہر ایک امر وہ کیسا ہی خفیف کیوں نہ ہو قلمبند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ملک کے طرز معاشرت کا حال جاننے کے لئے ہمکو وہاں کے سیاحوں کے سفرناموں کی ضرورت پڑتی ہے۔ عہد اکبری میں چند انگریز سیاح ملکہ الزبتھ کے سفارشی خطوط لیکر تجارت کرنے کے لئے ہندوستان میں آئے تھے۔ اُن میں سے ایک نے ایک مختصر سا سفرنامہ لکھا ہے۔ ہم اُس کتاب سے حسب ضرورت تھوڑا سا انتخاب کرتے ہیں۔

یہ تاجر ۱۳ فروری سنہ ۱۵۸۳ء کو انگلستان سے روانہ ہوئے اور پانچ ہفتہ میں ملک شام میں مقام طرابلس پر اُترے۔ کولمبس نئی دنیا دریافت کر چکا تھا مگر اُسوقت تک کیپ آف گڈ ہوپ ہوکر آنیکا راستہ کسی کو معلوم نہوا تھا۔ طرابلس سے یہ لوگ پیادہ بصرہ ہوتے ہوئے خلیج فارس کے بندرگاہ ہرمز آئے۔ اُسوقت یہاں پرتگالی سوداگروں نے تجارت شروع کی تھی۔ وہ کسی یورپین کو دیکھتے خوف رقابت سے فوراً گرفتار کر لیتے اور طرح طرح کی

پہونچ جاتے - ان سیاحوں پر بھی انہوں نے جاسوس ہونیکا الزام لگایا اور قید کرلیا - ایک ماہ تک قید رکھنے کے بعد انہیں گوآ کو روانہ کردیا۔

گوآ اسوقت بھی پرتگالیوں کے قبضہ میں تھا اور چار صدیوں کے بعد بھی آج انکا قبضہ وہاں موجود ہے - اس مقام پر ان سیاحوں کی جانچ پرتال کی گئی - اور آخر بہزار دقت و پریشانی اُن کو رہائی ملی - انمیں سے تین آدمیوں نے کپڑے اور جواہرات کی سوداگری شروع کی - مگر جب انکا کاروبار چمکا تو پرتگالی گھبرائے - اور پھر انہیں ہاتھ بڑھانے کی راہیں ڈھونڈنے لگے - آخر یہ لوگ خائف ہوکر بھاگے اور بیجاپور و گولکنڈہ کی سیر کرتے ہوئے برہانپور پہونچے - اس شہر کو اقبال اکبری نے چند ہی دنوں پہلے اپنے ممالک محروسہ میں ملحق کرلیا تھا - اس مقام تک کے حالات کچھ اکھڑے اکھڑے سے ہیں لیکن یہاں سے آگے کے حالات مسلسل ہیں - ان یادگاروں کے پڑھنے سے ہمکو عہد اکبری کی دولت و عظمت - تجارت و حرفت اور معاشرت کی کیفیتیں معلوم ہو جاویگی -

"برہانپور سے ہم اُمنڈی ہوئی ندیوں کو عبور کرتے آگرہ پہونچے - راستہ میں بڑی تکلیف ہوئی - بہ اوقات چھوٹی ندیوں پر کوئی پل نہوتا تھا اسوقت ہم مجبوراً تیر کر پار ہوتے تھے - آگرہ بڑا آباد اور وسیع شہر ہے مکان عموماً صاف ستھرے ہیں اور گلیاں بھی پاک و صاف اور وسیع - شہر کے بیچوں بیچ میں ایک دریا بہتا ہے جو خلیج بنگال میں گرتا ہے (جمنا) یہاں ایک خوبصورت قلعہ ہے جسکے چاروں طرف گہری خندق بہ رہی ہوئی ہے - یہاں مسلمان بہت کثرت سے آباد ہیں اور بادشاہ کا نام جلال الدین اکبر ہے - اسکو لوگ مغل اعظم بھی کہتے ہیں - یہاں سے ہم فتحپور سیکری پہونچے جہاں بادشاہ دربار کرتا ہے - شہر آگرہ سے بڑا ہے مگر گلیاں اور مکانات ایسے خوبصورت وصاف نہیں ہیں - یہاں بھی مسلمان بہ کثرت بسے ہوئے ہیں - لوگ کہتے ہیں کہ یہاں پر بادشاہ نے ایک ہزار ہاتھی - بیس ہزار گھوڑے - بارہ سو پالتو ہرن رکھے ہیں اور مرغوں - بازوں اور دوسری شکاری چڑیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے - حرم سرا میں آٹھ سو بیگمات ہیں - بادشاہ کا دربار بڑا رفیع الشان

ہے - اُسکو دارخانہ کہتے ہیں - آگرہ اور فتحپور دونوں شہر لندن سے بہت بڑے ہیں - اوران دونوں شہروں کے درمیان بارہ میل کا فاصلہ ہے - مگر یہ تمام درمیانی راستہ ماکولات اور دوسرے اجناس کے بازاروں سے ایسا آباد ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر ہی کا سلسلہ ہے اور آدمی ایسی کثرت سے جاتے آتے رہتے ہیں کہ گویا بازار ہے۔ یہاں رؤسا کی سواری کی چھوٹی چھوٹی بہلیاں ہوتی ہیں جن پر سنہرے نقش و نگار بنے ہوتے ہیں - اسمیں دو پہیے ہوتے ہیں - اور دو بیل جوتے جاتے ہیں - جو انگلستان کے بڑے کتوں کے قد کے ہوتے ہیں - اور ایسے تیز ہوتے ہیں کہ گھوڑوں سے شرط باندھکر دوڑ سکتے ہیں - اسمیں دو یا تین آدمی سوار ہوتے ہیں یہ سواریاں ریشم اور نفیس کپڑوں سے آراستہ ہوتی ہیں - اس شہر میں فارس اور تبت اور سارے ہندوستان اور دیگر ممالک کے سوداگر ہزاروں کی تعداد سے جمع ہوتے ہیں - اور ریشم کپڑے - قیمتی جواہرات مثل ہیرے - موتی - لال وغیرہ کی خوب خرید و فروخت ہوتی ہے - دونوں شہروں کا یہ مختصر تذکرہ کرنے کے بعد مصنف بادشاہ کے ملبوسات فاخرہ کا ذکر کرتا ہے - جسکا ذکر کرنا فضول ہے -

یہ تینوں تاجر کچھ عرصے تک یہاں مقیم رہے - بعدازاں ایک تو ولایت کو گیا - ایک نے دربار شاہی میں ملازمت کرلی - اور تیسرا جسکا نام فنچ تھا چند ہندوستانی تاجروں کے ساتھ ہولیا جو اسی کشتیاں لیکر بنگال کو جارہے تھے ان کشتیوں میں نمک - ہینگ - کیسر - افیون - سیسہ - قالین وغیرہ چیزیں لدی ہوئی تھیں - بنگال کے شہروں کا تذکرہ قابل دید ہے - فنچ لکھتا ہے :-

"پٹنہ سے میں ٹانڈہ کو گیا - جو پہلے خود ایک راج تھا - مگر اب جلال الدین اکبر کے ممالک محروسہ میں شامل ہے - یہاں روئی اور روئی کے کپڑے کی بھاری منڈی ہے - عوام ایک پتلی سی چھٹ کمر میں باندھے برہنہ تن ادھر اُدھر گھوما کرتے ہیں - یہاں چیتے - جنگلی بھینسے - اور جنگلی چڑیاں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہیں - لوگ بڑے بُت پرست ہیں - آگرہ سے یہاں تک آنے میں پانچ ماہ لگے - مگر اس سے کم

...ت میں یہ سفر ہو سکتا ہے۔

بنگال سے ہم کوچ بہار کی طرف چلے یہ مقام ٹانڈہ سے پچیس میل پر واقع ہے سُننے
... آیا کہ لڑائی کے دنوں میں لوگ دار بانس کی میخیں زمین میں گاڑ کر پانی سے بھر دیتے
... تاکہ کوئی آدمی یا گھوڑا اُدھر سے گذر نہ سکے۔ جب دشمن چڑھ آتا ہے تو یہ لوگ
...ؤں میں زہر ملا دیا کرتے ہیں۔ یہاں ریشم اور روئی کی بڑی بہتات ہے۔ یہاں
لوگ... کبھی جانور کو نہیں مارتے۔ اور بھیڑ۔ بکری۔ کتے بلی۔ چڑیوں اور دیگر جانوروں
... لئے دواخانے اور خیرات خانے بنے ہوئے ہیں۔ جب یہ جانور بوڑھے یا
... ے ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں خیرات خانوں میں کھانا پاتے ہیں لوگ چینٹیوں
کو ... اک باٹنے پہرتے ہیں۔ میر شکار جب کوئی چڑیا یا جانور پھنسا کر لاتا ہے
لو... اُسکو کھانا دیکر چھڑا لیتے ہیں اور تو ان اسپتالوں میں رکھتے ہیں یا اُڑا دیتے

... سے میں ہگلی کو گیا۔ اس شہر میں پرتگالی لوگ مقیم ہیں۔ ہمنے عام راستہ
... تھا۔ کیونکہ ڈاکوؤں کا خوف تھا۔ راستے میں گانوں بہت کم تھے اور جنگلی سور
ا... اور چیتے بڑی بڑی گھاسوں میں ٹہل رہتے تھے۔

... یہاں ہگلی سے دوسرے مقامات کو گیا اور ٹیپہ کا حال یوں لکھتا ہے۔
... نول بہت افراط سے ہوتا ہے اور ایک قسم کی گھاس پیدا ہوتی ہے جو ریشم
... بہ ہوتی ہے اس سے نفیس کپڑے بناتے ہیں اس بندرگاہ میں ہندوستان
... ملایا ملاکا۔ سماترا اور دوسرے مقامات سے بیشمار جہاز آتے ہیں اور چانول۔ اون
... ری شکر۔ لال مرچ۔ مکھن اور دیگر اجناس لاد کر لے جاتے ہیں۔

... میں ہر روز کہیں نہ کہیں پینٹھ لگتی ہے جسکو چاندو کہتے ہیں۔ لوگوں کے پاس
... کشتیاں ہوتی ہیں۔ جن پر سوار ہو کر ادھر اُدھر خرید و فروخت کرتے پھرتے
... ں ہندو گنگا کے پانی کی بڑی عزت کرتے ہیں اور اگر کنوئیں کا پانی قریب ہو
... سے گنگا کا پانی لاتے ہیں۔ اگر وہ پینے بھر کو کافی نہ ہو تو اُس کے

چند قطرے چھڑک کر گھر وغیرہ پاک کیا کرتے ہیں۔

"اڑیسہ سے میں بالکل (یا قریب) کو گیا۔ یہاں ہندو راجہ ہے اور ہندوق۔ کے شکار سے
بہت شوق رکھتا ہے۔ یہ ملک وسیع اور زرخیز ہے۔ یہاں چاول روئی اور ہر قسم کے
کپڑے بہت بنتے ہیں۔ مکان بڑے اور اونچے ہوتے ہیں۔ گلیاں وسیع گرعموماً تمام پختہ
ہوتے ہیں۔ گھر میں صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ عورتیں گلے اور بازو میں چاندی کے زیور
پہنتی ہیں پیر ... چاندی کا ہے۔ ہاتھی دانت کے کڑے ہوتے ہیں۔ یہاں سے
فتح سری پور کو گیا وہ لکھتا ہے کہ اس جگہ ... روئی کے کپڑے بہت بنتے ہیں۔ سری پور
سے سری رام پور کو آیا اور کہتا ہے کہ یہاں ہندوستان میں سب ... چنانچہ ... بادشاہ افغان ہے۔ مکان عام طور پر چھوٹے ہوتے ہیں۔ ... لوگ ... گوشت
نہیں کھاتے۔ یہاں سے روئی کا کپڑا، چاول اور ... کثرت سے ہندوستان
... ... کرتا ہے۔"

اس سیاح کے ... ... ہوتے ہیں ... سے
ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان ... کی ... بازاری ... جزائر ملاکا ... سے
... چین ... کابل وغیرہ سے تجارتی رشتے قائم تھے۔ ریشم اور
اور روئی کے کپڑے اطراف و اکناف کو بھیجے جاتے تھے ... بار برداری
کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ گوشت کا استعمال کم تھا۔ اور عموماً ... تھے۔

نواب اسے

انتخاب بیاض مولوی ابوالحسن صاحب

حافظ شیراز

تو شمع انجمنی یک زبان و یک دل شو — خیال و کوشش پروانہ بین و خندان باش
خموش حافظ و از جور یار نالہ مکن — ترا کہ گفت کہ در روی خوب حیران باش

لا اعلم

وہ چہ شود اگر شبے برلبِ ما نہی لبے تا بلب تو بسپرم جاں بلب رسیدہ را

انتخاب بیاض مولوی سید اکبر حسن صاحب ضامن ملونی

مولانا کمال الدین چشتیؒ

شبہاے دگر دارم تب غم بیشتر امشب وصیت میکنم باشید از من باخبر امشب

رباعی مولانا حسین کاشانی

آن شوخ کشادہ تیغ کین میگذرد وز عاشق خویش خشمگین میگذرد
بر جان من این عتاب امروز نیست دیریست کہ عمر من چنین میگذرد

ضمیری

بامیدے کہ پرسد یار در حال خویشتن گویم روم چون سایہ پیش او با خود زیر لب سخن گویم

امیر معزی

اے کرد مرا والہ و دیوانہ خویش زاں یک نظر از دو چشم مستانہ خویش
آنکس کہ گذر کرد بکوئیت روزے گم کرد ہمہ عمر رہ خانہ خویش

انتخاب بیاض سید شاہ عزیز حسین صاحب ضامن مست نوآبادی

حضرت میرزا مظہر جانجاناںؒ

در چشم من کہ بے تو دلم را قرار نیست آتش بلند گشتہ ز گلشن بہار نیست

ولہ

ہیچ گلبرگے برنگ اشک خوں آلود نیست ہیچ آہنگے بذوق آہ درد اندود نیست
ضبط اشک و آہ از ما تو گرفتاراں مخواہ آتش این خام سوزاں بے شرار و دود نیست

باجفا و جور و با مهر و وفائیم نیست کار   هیچ جز درد و الم از عاشقی مقصود نیست

ولہ

ما خستۂ جفائیم وفا امید اند   بندۂ عشق بتانیم خدا امید اند

مذہب عقل جدا مشرب عشاق جدا است

درد را مظہر دیوانہ دوا امید اند

حضرت شمس تبریز علیہ الرحمۃ

معشوقه بسامان شد تا باد چنین بادا   کفرش همه ایمان شد تا باد چنین بادا

غم رفت و فتوح آمد شب رفت و صبوح آمد   خورشید درخشان شد تا باد چنین بادا

قهرش همه رحمت شد زهرش همه شربت شد   عقرب شکرافشان شد تا باد چنین بادا

زان خشم دروغینش زان شیوۂ شیرینش   عالم شکرستان شد تا باد چنین بادا

آن باد چو تابان شد کونین گلستان شد   اشخاص همه جان شد تا باد چنین بادا

بر روح برافزودی تا بود چنین بودی   ز تو فراوان شد تا باد چنین بادا

شمس الحق تبریزی از بسکه در آمیزی

عالم شکرستان شد تا باد چنین بادا

لارڈ ڈلہوزی

لختے بر واز دل گذر ہر کہ بہ پیشم

من قماش فروش دل صد پارۂ خویشم

ہندوستان میں اب تک جتنے والیسرائے اور گورنر جنرل آئے ہیں اونمیں لارڈ ڈلہوزی اور لارڈ کرزن سب سے زیادہ غیر ہر دلعزیز تھے۔ اونھوں نے اپنی قوم اور تاج برطانیہ کے فوائد کتنے ہی مدنظر کیوں نہ رکھے ہوں مگر ہم باشندگان ہند کے دلوں میں تو ان کی عظمت ذرہ برابر بھی نہیں۔ گو پچھلے دنوں لارڈ کرزن کی پالسی نے ہندوستان کے ہر طبقہ میں

سی پیدا کر دی تھی لیکن میں اسے لارڈ ڈلہوزی کو نقشہ شاہی خیال کرتا ہوں۔

لارڈ ڈلہوزی سنہ ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ ہارو سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور سنہ ۔ میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری پائی۔ اسکے بعد پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور اپنے فرض کو عمدگی کے ساتھ دو سال تک انجام دیتے رہے۔ سنہ ۱۸۴۸ء میں پارلیمنٹ کے بعد ہندوستان کے گورنر جنرل ہو کر آئے۔ ان کی ابتدائی کارروائیوں میں سب سے زیادہ نمودار کارروائی یہ تھی کہ جو ہندوستانی ریاستیں نقشہ میں زرد رنگ سے دکھائی جاتی تھیں انہیں سرخ رنگ سے بنانیکا حکم دیا۔

سنہ ۱۸۴۹ء میں گورنمنٹ ہند نے ستارا کی ریاست آپا صاحب کو جو دو لاکھ روپیہ کا علاقہ سپرد کر کے ستارہ کا حاکم بنا دیا۔ انہوں نے اپنے لاولد ہونے کے باعث گورنمنٹ سے کسی لڑکے کے متبنیٰ کرنے کی اجازت چاہی مگر گورنمنٹ نے اُن کی درخواست پر مطلق توجہ نہ کی۔ ناچار ہو کر انہوں نے ایک لڑکے کو متبنیٰ کر لیا۔ اس کے بعد وہ بہت دنوں تک زندہ نہ رہے۔ ان کی ریاست گورنمنٹ نے قلمرو برطانیہ میں شامل کر لی اور متبنیٰ کو ریاست اور حکومت سے محروم کر دیا۔

... راجہ رنجیت سنگھ کے بعض سرداروں نے اندرون ملک میں فساد کرنا چاہا اس لئے ... فوج کشی کرنی پڑی۔ فوج کشی کا سب سے بہتر طریقہ یہ تھا کہ اُن سرداروں کو ... مگر لارڈ ڈلہوزی کی غیر معمولی پالیسی نے راجہ صاحب کو پانچ لاکھ سالانہ وظیفہ دے کر ان سے سلطنت کا دعویٰ لکھا لیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کمسنی کی حالت میں قانون بین الاقوام کی رو سے یہ تحریر کہاں تک مستند خیال کی جا سکتی ہے۔ غرض سنہ ۱۸۴۹ء میں پنجاب انگریزی حکومت میں شریک ہو گیا۔

سنہ ۱۸۲۶ء میں گورنمنٹ برطانیہ اور گورنمنٹ برما کے درمیان ایک عہدنامہ ہوا تھا۔ مگر کسی وجہ سے راجہ صاحب اس پر عمل درآمد نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۵۲ء میں اُن کے ملک کا جنوبی حصہ انگریزی عملداری میں شامل ہو گیا۔ راجہ گنگادھر راؤ والی جھانسی نے جب انتقال

گیا تھا اُن کے کوئی اولاد نہ تھی مگر انہوں نے اپنی زندگی میں ایک لڑکے کو متبنیٰ کر لیا تھا۔ لیکن گورنمنٹ نے یہ عذر کر کے کہ اس کے متعلق اجازت نہیں لی گئی ولیعہد کو تبنیت سے محروم کیا۔ اور باوجود رانی صاحبہ کی مخالفت کی کوشش کے لاٹ صاحب نے ۱۸۵۴ء میں جھانسی کا علاقہ لے لیا۔

ناگپور کے آخری حکمران راگھوجی بھونسلا کی ریاست اس وجہ سے قلمرو برطانیہ میں شریک کر لی گئی کہ ان کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ انہوں نے [illegible] ریاست کے انتظام کرنے کا [illegible] تھا۔ [illegible] چھوٹے سے [illegible] خیال نہیں ہوا کہ راجہ صاحب ناگپور کے خاندان میں کوئی ایک [illegible] حکمرانی کر سکتا۔ شاید انہیں نجوم میں بھی کسی [illegible] تھا کہ پہلے [illegible] ۱۸۵۴ء میں ریاست ناگپور کا بھی خاتمہ ہوا۔

باجی راؤ پیشوا نے ۱۸۵۱ء میں وفات پائی [illegible] کے متبنّیٰ فرزند نانا صاحب نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ میرے باپ [illegible] کو جو پنشن ملتی تھی وہ مجھے ملا کرے۔ مگر لاٹ صاحب نے جواب [illegible] تمہارے لئے اٹھائیس لاکھ [illegible] جو [illegible] ہیں اور وہ تمہاری ضروریات کو کافی ہونگے۔ اس لئے تم اس خیال کو دل سے نکال ڈالو۔

شاید ہندوستان میں عموماً اور صوبہ متحدہ [illegible] بہت کم لوگ ایسے ہونگے جو لکھنؤ کے ہر دلعزیز حکمران [illegible] واجد علی شاہ [illegible] نام [illegible] ناآشنا ہوں۔ لارڈ ڈلہوزی نے [illegible] پر بھی ہاتھ صاف کیا اور ۱۸۵۶ء [illegible] ظاہر ہے کہ ہندوستانی رئیسوں [illegible] جو عالم [illegible] زمانہ سے [illegible] نہ تھی جو خواہ مخواہ ضبطی کے قابل خیال کیا [illegible] انہوں نے کوئی خطا بھی نہ کی تھی۔ اور نہ ان کے دل میں برطانیہ کی جانب سے [illegible] عداوت تھی۔ لیکن لاٹ صاحب نے ان کے لئے جو الفاظ استعمال کئے اُن کا خلاصہ [illegible] سے خالی نہیں :-

نواب اودھ اس قدر کم فہم۔ ناکارہ اور بدمزاج ״

" تھا کہ اسکی سلطنت میں انتہا سے زیادہ بدعملی "
" پیدا ہو گئی تھی۔ گورنمنٹ برطانیہ نے اس کے "
" علاقہ میں جو فوج انتظام کے لئے مقرر کی تھی "
" اگر وہ وہاں سے ہٹا دی جاتی تو اسکے علاقہ کی "
" رعایا لکھنو کو نیست و نابود کر دیتی۔ "

سعدی علیہ الرحمۃ نے ایسے ہی موقع کے لئے دیکھے نقصان ما بود دیگر شماتت ہمسایہ کی موزوں فقرے سے اپنی کتاب کو زینت دی ہے۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ لارڈ ڈلہوزی کی ان بیجا کارروائیوں کو مہذب دنیا کبھی ٹھنڈے دل سے قبول نہ کرے گی۔

جس زمانہ میں لارڈ ڈلہوزی کمزور ہندوستانی ریاستوں کو قلمرو برطانیہ میں شریک کر رہے تھے انہیں دنوں راجپوتانہ کی ایک چھوٹی سی ریاست قرولی کے الحاق کی ضرورت بھی محسوس ہوئی مگر انگلستان کے سرداروں اور ہندوستان کے بڑے لاٹ صاحب نے یہ کہکر معاملہ کو رفت گذشت کر دیا کہ راجپوتوں کی آبائی ریاستوں میں گورنمنٹ ہند کو کبھی دست انداز نہ ہونا چاہئے۔ خدا کے لئے ناظرین کہیں یہ خیال نہ کرلیں کہ لاٹ صاحب نے قرولی پر نظر عنایت مبذول فرما کر اسے چھوڑ دیا بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ گو قرولی ایک چھوٹی سی ریاست تھی مگر اس نے راجپوتانہ کی دوسری ریاستوں کے زیر سایہ ترقی کی تھی اور اس وقت اس ملک میں مجموعی قوت موجود تھی اسلئے گورنمنٹ اس پر ہاتھ نہ ڈال سکی۔

لارڈ ڈلہوزی کی ان سب بے عنوانیوں کا یہ اثر ہوا کہ عام طور پر گورنمنٹ کی جانب سے ملک میں بدامنی پیدا ہوئی اور بدامنی کا وہ نتیجہ ہوا جو دنیا نے ۱۸۵۷ء کے غدر کی صورت میں دیکھا۔ غدر کے متعلق کوئی کسی کو بدنام کرتا ہے اور کوئی کسی کا نام لیتا ہے مگر میں بلا خوف تردید اس بات کو کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں جو آگ بری طرح مشتعل ہوئی وہ ڈلہوزی کی سلگائی ہوئی تھی۔ اور گو غدر سے تھوڑے عرصہ پہلے وہ ہندوستان سے چل دیئے تھے مگر خود ان کی قوم نے انکی کارروائیوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا۔ فقط راقم۔ ایس۔ ایم۔ علی

دُکھیا کی داستان

کلیجہ تھام لوگے جب سنو گے
نہ سنوائے خدا شیون کسی کا

بہت دنوں کا ذکر ہے۔ میں ٹھیک ٹھیک تو نہیں بتا سکتی لیکن کچھ بھی کیا ہو سات برس سے تو کم نہ ہوئے ہوں گے میں اچھی خاصی گیارہ بارہ برس کی ہو گی میرے ابا کی (خدا انہیں جنت نصیب کرے) چوک میں کپڑوں کی دکان تھی۔ اماں (اللہ بخشے) کا سایہ تو بچپنے ہی سے سر سے اٹھ گیا تھا۔ میں نے اپنی سوتیلی ماں کی گود میں ہوش سنبھالا۔ لیکن وہ سوتیلی ماں ایسی تھیں جنہیں سگی مائیں صدقے کی تھیں۔ مجھے بھی احمد (سوتیلا بھائی) کی طرح چاہتی تھیں۔ مجھ سے اور احمد سے ہمیشہ مار کٹائی ہوا کرتی تھی۔ لیکن وہ اسی کو گھڑک دیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ بڑی بہن کا کچھ لحاظ پاس نہیں کرتا۔ یہ جو میں خدا رسول کو پہچانتی ہوں سب انہیں کی بدولت ہے۔ جتنا ان کو آتا تھا مجھے انہوں نے سیکھے دل سے بتایا۔ دوسری استانیوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر پٹ پٹ کرنے کی انہیں عادت نہ تھی۔ غرض ہم بڑے مزے میں دال روٹی سے خوش اپنی زندگی کے دن بسر کرتے تھے۔ کہ اتنے میں صبر پڑ گئی۔

دوپہر کا وقت ہو گا ہم سب کے سب (سب کے سب کون۔ میں، اماں اور ماماں وفاتن، احمد تو مدرسے گیا ہوا تھا اور ابا دوکان پر تھے) بیٹھے انگنائی میں کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں دروازہ کھلا، دیکھتی کیا ہوں کہ دو گورے اور تین چار کالے بھیل مردوئے خدا جانے ہندو تھے یا مسلمان گھر میں گھسے چلے آتے ہیں۔ وفاتن نے غل مچانا شروع کیا اور میں بھاگ کے کوٹھری میں ہو گئی۔ جلدی میں اماں کا بھی خیال نہ رہا۔ میں نے اندر سے زنجیر چڑھا لی۔

اماں کا تو کیا جانے کیا حشر ہوا۔ کیونکہ جب میں کوٹھری سے نکلی تو اماں کا تو پتہ نہ پایا۔ البتہ وفاتن انگنائی میں تخت کے نیچے مردہ ملی۔ انگنائی میں خون کا نالہ بہہ رہا تھا۔ وفاتن کے پیٹ میں چکو (چاقو) بھونک دیا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے تو چکر آ گیا۔ سر پکڑ کے وہیں تخت پر بیٹھ گئی۔

آیتیں تو قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں گرتی پڑتی اٹھی۔ باورچی خانے میں جو گئی تو دیکھتی کیا ہوں کہ اناج کی مٹکوریاں سب ٹوٹی پڑی ہیں۔ چاول ادھر بکھرے پڑے ہیں۔ دال ادھر بکھری پڑی ہے۔ اس وقت نہ تو آٹا تھا جس سے ایک آدھ کچی پکی روٹی الٹ لیتی۔ نہ کوئی پاس پڑوس میں تھا جس سے کچھ مانگتی۔ خوف کے مارے جان نکلی جاتی تھی۔ لیکن کم بخت بھوک بھی کیا بری بلا ہے۔ اتنے میں مجھے یاد آیا کہ ہم انگنائی میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جاؤں دیکھوں شاید کوئی ٹکڑا پڑا رہ گیا ہو۔ اسی سے ظالم پیٹ کو دھارس دوں۔ یہ خیال کر کے انگنائی میں آئی۔ مگر وہاں خاک بھی نہ تھا۔ شاید وہی مربھکے لے گئے۔ [illegible] کے [illegible] جو جھکتی ہوں تو ایک روٹی نانا کے خون سے لتھڑی پڑی ہے۔ بھوک سے مر رہی تھی لیکن میرے جی نے یہ بات گوارا نہ کی کہ خون بھری روٹی کھاؤں۔ دل میں گو بہت سی [illegible] اور [illegible] تھوڑی دیر میں گھڑونچی پاس گئی کٹورا بھر کے پانی خوب ڈگڈگا کے پیا۔ لیکن بھلا پانی سے کیا ہوتا ہے تھوڑی ہی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا کہ جیسے کوئی پیٹ کو کھرچے ڈالتا ہے پھر اٹھ کے باورچی خانہ میں گئی اور یہ چاول جو بکھرے پڑے تھے انہیں کو مرغیوں کی طرح چبانے لگی۔ جب ذرا ہوش ٹھکانے ہوئے تو اماں ابا یاد آیا اور حمد کا خیال آیا۔ [illegible] کہتے ہیں کہ انہوں نے [illegible] خیال آیا کرتے ہیں میں بھی [illegible] سوچنے لگی کہ اسے [illegible] خدا نخواستہ کسی نے مار تو نہ ڈالا ہو۔ ابا پر نہ جانے کیا بیتی۔ اماں کا نہ جانے کیا حشر ہوا ....

....

رات ہوگئی وفاتن کی لاش سے وحشت برس رہی تھی۔ سنا کرتی تھی کہ جہاں [illegible] نہیں ہوتی۔ وہاں مردوں کی روحیں آیا کرتی ہیں۔ اور ان کے ڈرانے کو دیکھ کر تو رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے۔ رات اندھیری! ہُو کا عالم!! نہ کوئی پاس نہ پڑوس!!! کبھی تو یہ خیال آتا تھا کہ ان کا گھر لپیٹ نہ جائے اور کبھی یہ خیال کرتی تھی کہ پھر وہی نہ آ جائیں ....

رات زیادہ آچکی تھی اب تو مجھے نیند آنے لگی لیکن رو رہ کے انہیں سپاہیوں اور گوروں کا خیال آرہا تھا...... مگر نیند تو سولی پر بھی آتی ہے میں بھی کوٹھری میں جا اور کنڈی بند کرکے سو رہی۔ صبح سویرے نماز کے وقت آنکھ کھلی۔ نماز پڑھ کے جب فراغت پائی تو پھر وہی اماں ابا اور بھائی کا خیال آیا۔ انہیں یاد کرکے رونے لگی۔ اسوقت بھی انہیں کچھے بالوں پر گزارا کیا۔ کوئی بارہ بجے ہونگے کسی نے کنڈی کھٹکھٹائی۔ میں نے اور دم سادھ لیا۔ اتنے میں پھر آواز آئی۔ میں نے آواز پہچانی اور دروازہ کھول دیا۔ دیکھوں کیا کہ چچا سامنے کھڑے چلے آتے ہیں۔ میں ان کی صورت دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی وہ کہنے لگے کہ رونے دھونے کا وقت نہیں ہے بس میرے ساتھ چل چلو کہاں کا پردہ اور کس کی ڈولی میں ایک چادر اوڑھ کر ان کے پیچھے ہولی۔ ان کے گھر پہنچکر کیا دیکھتی ہوں کہ چچی اور حشمت (میری چچیری بہن) گٹھری بقچی باندھے بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور ہم نے لکھنئو کو خیرباد کہا۔ وہاں سے ہم بھوپال گئے رستے میں جو جو مصیبتیں سہیں انکا تو ذکر ہی کیا کروں کلیجہ منہ کو آتا ہے یہاں ہم کوئی دس برس رہے اور میں چچا چچی دونوں کو قبر میں توپ چکی حشمت کے چچا نے اپنی زندگی ہی میں دو بول کر دیے تھے۔ اب رہی میں جلم جلی۔ تم دیکھتی ہی ہو جن حالوں ہوں یہیں میری ماماگیری کرتی ہوں اور اپنا پیٹ پالتی ہوں۔ اللہ جانے ابھی اور کیا کیا نصیبوں میں لکھا ہے۔

محمد یوسف انصاری

ہندو مسلمانوں کے تعلقات

مسٹر رپانند ایم۔ اے، مقیم لندن کا ایک مضمون "ہندو مسلمان اور ان کے پولیٹکل اور مذہبی تعلقات" کے عنوان سے رسالہ آزاد میں شائع ہوا ہے۔ مسٹر رپانند کا شمار تو ان کی ذاتی لیاقت اور علمی فضیلت کے علاوہ ملکی خیرخواہی کے لحاظ سے ان

بزرگان قوم میں سے جنہیں ہندوستان کی خاک کو فخر و ناز کرنا چاہیئے ہمارا ایرانی فلاسفر پند
دیوار کی نسبت بھی سے

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

کی نصیحت کر گیا ہے کیا اچھا ہو کہ ہمارے اہل ملک جن کا عمل سے

ستم است غنچۂ این چمن نشود والند بہ صدائے گل

پر ہے اس برمحل آواز پر خوبکیں اور اپنی حالت پر غور کریں اگر افسوس تو یہ ہے کہ اسطرح کی جو امیدیں جو پیدا ہونے لگیں تھیں وہ بھی اب منقطع ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں

مثلاً بنگال کی خانہ جنگیوں میں فساد کی بنیاد خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو بلکہ ہم چند منٹ کے یہ بھی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ اسکا باعث بھی اور محض یہی ہے کہ مفلس مسلمان سودیشی تحریک سے ناراض ہوکر ہندوؤں سے دست و گریبان ہو گئے ہیں جب بھی اس مدت دراز تک اس شورش اور بدامنی کا قایم رہنا جس قدر گورنمنٹ کے حسن انتظام پر دھبہ لگانے والا ہے اس سے بدرجہا زیادہ قومی لیڈروں کے دامن اعتبار کو داغدار کرنے والا ہے ۔ ہندو او مسلمان اگرچہ مذہب کے اعتبار سے جدا جدا ہوں مگر ایک آب و ہوا میں پیدا اور پرورش ہونے اور بڑی حد تک ایک قسم کے رسم و رواج کے پابند ہونے کے باعث سے یوں ہی بمنزلہ ایک قوم کے سمجھے جا سکتے تھے لیکن ایک بادشاہ کی رعایا ہونے اور ایک قانون کے پابند ہونے کیوجہ سے جہانتک اُن کے اغراض باہم مشترک ہیں ان کے ایک قوم ہونے میں کسی طرح کا تامل نہیں ہوسکتا اور ہر صحیح العقل آدمی ان کو پولیٹکل اعتبار سے ضرور ایک قوم سمجھے گا ۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مشترک ہو کے گورنمنٹ سے بغاوت کریں (اگر بفرض محال ہندو باغی ہوں) مگر ہم یہ کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ جہانتک ہمارے اغراض مشترک ہیں اور جائز بھی ہیں وہاں تک یہ ضروری ہے کہ جس طرح ہم ایک گورنمنٹ کی رعایا اور ایک قانون کے پابند ہیں اُسی طرح بحیثیت ایک قوم کے میل ملاپ کے ساتھ رہ کر کام کریں اسی پر ہندوستان کی آیندہ نجات کا دارومدار ہے اسی لئے

ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ناظرین کے سامنے مسٹر پرانند کے مضمون کا اقتباس ' ترجمہ ' کر کے بطور پر پیش کریں اور ساتھ ہی ساتھ جو کچھ بعل پری ہماری ذاتی رائے ہے اسکو بھی ظاہر کر دیں۔

مسٹر پرانند تحریر کرتے ہیں کہ " ہند کی ترقی کا دار و مدار ہندو اور مسلمانوں کی آپس کی ہمدردی اور پہلو بہ پہلو کام کرنے پر ہے " اس رائے میں شاید ہی کسی سمجھدار آدمی کو کلام ہو۔ ملک کے تمام بہی خواہ ہندو مسلمانوں کے اتفاق کی ضرورت کو روز بروز زیادتی کے ساتھ محسوس کرنے جاتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں میں جو باہمی کشیدگی، مخالفت یا عداوت بیان کی جاتی ہے وہ کیسی اور کس درجہ کی ہے ؟

ہمارے خیال میں اس قسم کے بیانات بڑی حد تک مبالغے پر مبنی ہیں۔ تعلیم یافتہ گروہ کے ایک خاص حصے سے قطع نظر کر کے اگر ہندوستان کی ان دو بڑی قوموں کے تعلقات کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو شہروں میں قدیم وضع و روش کے لوگوں سے ملو، یا دیہاتوں میں جاؤ اور وہاں دونو فریق کے حالات دریافت کرو، اور دیکھو کہ یہ ایک دوسرے کو ملیچھ اور کافر سمجھنے والی مختلف الاصل (اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں کا کثیر حصہ آریہ نسلوں ہی کی اولاد ہے) اور مختلف المذہب قومیں کسطرح باہم مل جلکر رہتی ہیں! اور شادی غمی، عید برات یا تیج تیوہار غرضکہ ہر کام میں کیسی ایک دوسرے کی شریک حال ہیں! یہاں تک کہ ایک دوسرے کے مراسم مذہبی تک ادا کرنے میں تامل نہیں کرتیں! کیا مخالفت اور عداوت اسی کو کہتے ہیں ؟ یہ تو عین یکجہتی کی دلیل ہے۔ اور اس سے بڑھکر دو مختلف المذہب اقوام کی اتفاق کی مثال مل ہی نہیں سکتی۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ یہ دوستانہ تعلقات تاریخ کی لاعلمی کیوجہ سے قایم تھے مگر جب تاریخ نے پچھلے حالات پر روشنی ڈالی تو قدیم مخالفت کا مادہ جو دبا ہوا پڑا تھا وہ ایک ثالث گورنمنٹ کے عہد میں ابھر آیا، تو جو لوگ مطالعہ تاریخ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں وہ اسکو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ اسی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش پنڈت پرانند صاحب نے اپنے مضمون میں کی ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں :-

"محمود اور تیمور کے حملے کسی طرح ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات کے جانچنے کا معیار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے انہیں نظر انداز کر کے اس زمانہ کو لیتا ہوں جب مغلوں کی بادشاہت قائم ہو گئی اور مسلمان اور ہندو اکٹھے مل جل کر رہنے لگے۔ کتنا ہی عجیب کیوں نہ معلوم ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ ڈیڑھ سو سال مغلوں کی بادشاہت کے نیچے ہندو مسلمانوں کا سوال نہیں اٹھا۔ پہلے مغل بادشاہوں کی کشادہ دلی اور پالیسی ایسی معلوم ہوتی ہے، ان کی ہندو رعایا ان سے اتنا ہی پیار کرتی تھی جتنی کہ مسلمان رعایا۔ اگر اکبر نے راجپوتوں پر صرف ان سے برائے نام اطاعت حاصل کرنے کے لئے چڑھائی کی اور پرتاب جیسے بہادروں نے اپنی عزت اور آزادی کیلئے اپنی جان و مال، حکومت اور عزیزوں تک کو قربان کیا تو اس میں ہندو مسلمانوں کے سوال کا ذرہ بھی دخل نہیں پایا جاتا۔ وہ مسلمان راجاؤں کو مطیع کرنے کے لئے بھی چڑھائیاں کرتے رہتے۔ ان بادشاہوں کی رگوں میں آدھے سے زیادہ ہندو خون بہتا تھا اور اسکا اثر یہ بھی ہوا کہ مغل خاندان میں سنت کی رسم بند ہو گئی۔ اورنگ زیب بادشاہ کے عہد میں یہ سوال پیدا ہوا تھا۔ اورنگ زیب جیسے شخص کی دوربینی اور علم سیاست میں ذرا بھی شک نہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی شرع کی پالیسی سے مجبور ہو کر اس نے اس طرف قدم رکھا۔ بات یہ تھی کہ داراشکوہ جو کہ سب سے بڑا بھائی تھا اور جس کا تخت پر حق تھا، اس قدر ہندوؤں کی طرف جھکا ہوا تھا کہ مسلمان ذرا اس کے خلاف ہو گئے اور اورنگ زیب نے داراشکوہ کو کافر ظاہر کر کے مسلمانوں کی امداد سے داراشکوہ کو مجروح کیا۔ اسے یہ بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح اپنی مسلمان رعایا کو خوش کرے۔ اسکے لئے اورنگ زیب نے جزیہ رائج کیا۔ کسی بادشاہ کا اپنی رعایا سے جزیہ کی تھوڑی سی رقم لینا کوئی ظلم نہیں۔ اور نہ یہ کوئی ہندوؤں پر بڑا ظلم تھا مگر یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تمیز دوبارہ جاری کرنا بڑی بے انصافی تھی اور ہندوؤں کے دلوں پر اس امر کی چوٹ لگی کہ یہ ان کے مذہب کی خاطر ان پر یہ بے انصافی ہوئی ہے۔"

اس بیان میں صاف تسلیم کیا گیا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ عام تسلط کے بعد سلاطین مغلیہ نے کوئی فرق و امتیاز حاکم اور محکوم میں نہیں کیا اور دونوں کے حقوق میں مساوات

قائم رکھی۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کا چولی دامن کا ساتھ آجتک زبان زد عام ہے عالمگیر کی نسبت جو کچھ مسٹر پانڈے لکھتے ہیں، اگرچہ بعض سخن پرست حضرات اُس کی تاویلیں کرینگے اور کرتے ہیں، مگر تاریخی واقعات پر خاک نہیں ڈالی جا سکتی۔ حال ہی میں ہمارے محترم استاد مولانا شبلی مدظلہ العالی نے ایک بسیط مضمون اورنگ زیب کے متعلق رسالہ الندوہ میں شایع کیا ہے جسمیں اورنگ زیب کو بالکل معصوم ثابت کرنے اور اوسپر جو تعصب کا الزام لگایا جاتا ہے جسکو مسٹر پانڈے نے شرع کی پالسی سے تعبیر کیا ہے اُسکے دور کرنے کی کوشش کیگئی ہے۔ عام اقوال سے ... اس مضمون کا مقابلہ کرنے سے ایک خاص نتیجہ یہ مرتب ہوتا ہے کہ عالمگیر کی پالسی نہ شرع کی پالسی تھی اور نہ وہ متعصب تھا۔ اسلئے وہ دوسرے مسلمان بادشاہوں کیطرح اسکے عہد میں ہندوؤں کو جہاں جزیہ دینا پڑا وہاں اور بہت سے فوائد بھی حاصل ہوئے البتہ اسکی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہوس جاہ نے جسطرح اسکے لئے گولکنڈہ اور بیجاپور کی اسلامی ریاستوں پر جہاد کرنے کی اجازت دے دی، اسی طرح ہندوؤں پر جزیہ قایم کرکے ایک ذریعہ ترقی آمدنی کا بہم پہونچا دیا جس کا نتیجہ ہوا سلطنت مغلیہ کا زوال۔ اسلئے ہم مجبور ہیں کہ اورنگ زیب کی پالسی کو غلط سیاست پر محمول کریں اگرچہ اورنگ زیب اپنے ہر فعل کے لئے، حتی کہ مراد جیسے اطاعت گزار بھائی کے قتل کے لئے جو سلطنت کا مدعی نہ تھا۔ شرعی حیلہ نکال لیا کرتا تھا، تاہم اُسکی پالسی کو شرع کی پالسی قرار دینے میں پنڈت صاحب سے سقدر غلطی ہوئی ہے، اور یہی غلطی ہے جسنے آجتک ہندوؤں کے دلوں کو یہ حیثیت ایک مسلمان بادشاہ کے اورنگ زیب کی طرف سے صاف نہیں ہونے دیا اور یہ محض اسوجہ سے کہ وہ اپنی ہر دنیاوی غرض پر مذہبی رنگ چڑھا دیا کرتا تھا۔ بہرحال باوجود ان سب حالات کے ہندو مسلمانوں کا اسوقت تک کا طرز عمل اور تاریخ دونوں یہ ثابت کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ ان واقعات میں بجز کشمکش ملک داری کے کوئی پہلو قومی نفاق کا بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ پنڈت صاحب آگے چلکر تحریر فرماتے ہیں:

وہ پنجاب میں بہادر شاہ بانسر سیر کے عہد میں جو سکھوں پر تشدد ہوا وہ اسلئے

نہیں کہ وہ ہندو تھے، بلکہ اسلئے کہ وہ بادشاہت سے باغی ہوکر ہندو بادشاہی شمال میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ گرو گوبند کئی لڑائیاں شاہی قوم کے ساتھ لڑا، اور ان کو کئی موقعوں پر شکست دی۔ گو گرو گوبند کا اپنے ہمراہیوں سمیت جانا اور دہلی میں قتل ہونا ہندوؤں کے لئے درد انگیز ہو، لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ اُنتک ہندو اور مسلمانوں کی کشمکش کی حد ہو چکی تھی۔ تھوڑے عرصے بعد جب سکھوں اور مرہٹوں کی سلطنتیں قائم ہو چکیں تو کہیں ہیں تاریخ نہیں بتلاتی کہ مسلمانوں پر ظلم کیا گیا ہو۔ افضل خان کا سیواجی کے ہاتھ سے قتل ہونا اس قسم کے واقعے ہیں جن سے کسی ملک کی تاریخ خالی نہیں"۔

مذکورہ بالا تحریر میں اگر کسی کو کلام ہو تو ہو، مگر ہم کو لفظاً لفظاً مسٹر پرمانند سے اتفاق ہے۔ یہ ساری کشمکشیں اندرونی اور ملکی تھیں نہ کہ قومی اور اگر ان کو قومی کہئے تو اس سے بڑھ کے کوئی ابلہ فریبی نہیں ہو سکتی اور قوم کے ایک ہونے کے لئے جو لوگ مذہب کا ایک ہونا ضروری سمجھتے ہیں انکا دعویٰ بغیر کسی دلیل کے باطل ہوا جاتا ہے۔ دور کیوں جائیے خود ہندوستان کی تاریخ میں ایسی نظیریں موجود ہیں۔ ابوالحسن تاناشاہ پر (جو مسلمان تھا) عالمگیر کا جہاد کرنا کیسا تھا؟ شیر شاہ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں ہمایوں کو جھیلنی پڑیں کیا قومی و مذہبی اختلاف کیوجہ سے تھیں؟ اکبر اور بنگالے کے پٹھان بادشاہوں میں جو لڑائیاں ہوئیں کیا ان کی وجہ سے اب تک مغلوں اور پٹھانوں میں قومی اختلاف باقی ہے؟ ہمنے تو کبھی کسی مسلمان کے زبان و قلم کو ان واقعات پر قومی و مذہبی رنگ چڑھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر اگر سیواجی نے بھی قطب شاہیوں کا مقابلہ کیا، افضل خان کو مار ڈالا، شایستہ خان کی انگلی کاٹ لی، عالمگیر سے سرو سیکھی لکھوالی اور مرہٹہ سلطنت کی بنیاد ڈال گیا تو کیا گناہ کیا؟ کیا وجہ ہے کہ یہ امور قومی مخالفت پر محمول کئے جائیں اور کیوں یہ سمجھنے میں پس و پیش ہو کہ یہ واقعات ایسے ہیں جو قوم کے اپنے آدمیوں کے درمیان پیش آئے؟ نادر اور تیمور نے بھی ڈاکوؤں کی حیثیت سے ترقی کر کے سلطنتیں قائم کر لی تھیں، پھر جب ان پر فخر کیا جاتا ہے اور وہ اولوالعزم شاہنشاہ سمجھے جاتے

ہیں تو کیوں سیواجی کو بھی وہی عزت نہ دیجائے ؟ اور کیوں بال گنگادھر تلک اسکی برسی قائم کرنے پر مطعون کئے جائیں ؟ ان باتوں کا انجام کیا ہے ؟ مخالفت کی ترقی جسکا لازمی نتیجہ ہند اور اہل ہند کی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

اسکے بعد پنڈت صاحب اپنی اس تحریر کو یوں ختم کرتے ہیں "اس تھوڑی سی ہل چل اور بد انتظامی کے زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کیطرف سے ایک دوسرے پر جو کوئی سختی کی مثالیں واقع ہوئیں انھیں دونوں اطراف کے لوگ اپنے دل میں گانٹھ باندھتے چلے آتے ہیں"

ہم کو پنڈت صاحب کے اس قول سے اتفاق نہیں ہے۔ اس لئے کہ جیسا ہم اوپر ریمارک کر آئے ہیں عام ہندوؤں اور مسلمانوں کے طرز عمل سے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ یہ دونو قومیں ہمیشہ ایک گھر کے دو آدمیوں کی طرح میل ملاپ کے ساتھ رہتی رہیں اور اب بھی رہتی ہیں۔ اگرچہ کبھی کبھی محرم اور بقر عید کے موقعوں پر کشت و خون تک نوبت پہونچ جاتی ہے جو جاہلانہ مذہبی تعصب اور فوری اشتعال طبع کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن اسکا اثر ان اغراض مشترک پر نہ پڑ سکتا ہے اور نہ پڑنا چاہئے جو قومیت کی بنیاد ہوتے ہیں۔ خود مسلمانوں ہی کے مختلف فرقوں کو دیکھو کہ کس طریقے سے آپسمیں جوتی پیزار کرتے رہتے ہیں، لیکن جہاں ہندو مسلمانوں کا جھگڑا ہو تو پھر سب ایک ہو جاتے ہیں، خود مسٹر بپن چندر نے اس قسم کے مذہبی عداوت کی مثالیں فرانس جرمن اور انگلستان کی تاریخوں سے پیش کر کے دکھایا ہے کہ اس تمام کشت و خون اور مذہبی مظالم نے جن سے یورپ کی تاریخ نفرت انگیز طور پر بھری پڑی ہے قومی اتحاد کو بال برابر بھی نقصان نہیں پہونچایا۔ اور آخر میں غدر کی مثال پیش کر کے تحریر کرتے ہیں کہ "اس سارے غدر میں دونو جماعتوں (ہندو و مسلمان) کی طرف ایک دوسرے کے مذہب کے لئے عجیب پیار پایا جاتا ہے" ان بیانات سے ظاہر ہے کہ اس طرح کے اندرونی جزئی اختلافات ہرگز اس یکجہتی اور اتحاد میں خلل انداز نہیں ہو سکتے جن کی شیرازہ بندی ہم وطنی کی حبل المتین سے ہے۔ ہم وطنی اور اغراض مشترک

ہندوستانیوں کو ایک قوم بنانے کے لئے بہت کافی ہیں۔

غرض یہانتک تو ہندو مسلمانوں کے عام سوشیل اور تاریخی تعلقات میں چنداں بے لطفی نہیں پائی جاتی۔ اب رہے زمانۂ حال کے تعلیم یافتہ گروہ کے تعلقات ان میں بیشک باہمی کشیدگی بلکہ بعض اوقات مخالفت بھی پائی جاتی ہے۔ اسکی وجہ مسٹر پرمانند کے الفاظ میں یہ ہے کہ:-

"بچپن سے جو کچھ ہم نے پڑھا اور اپنے بڑوں سے سنا اسکا اثر ہم پر یہ ہوا کہ ہندو مسلمان تو ہمیشہ سے دشمن آئے ہیں۔ دونوں میں سے ہر ایک کا دھرم یہی ہے کہ ایک دوسرے کو نقصان پہونچاوے اور اس سے اسکا فائدہ ہوگا"

مگر وجہ کیا ہے کہ غالباً پنڈت صاحب نے جو کچھ سُنا اور پڑھا وہ ایسے لوگوں سے نہیں پڑھا سنا جن کو خوش قسمتی یا بدقسمتی سے انگریزی کالجوں اور اسکولوں کی ہوا نہیں لگی ہے؛ ورنہ ہمنے تو بارہا یہ سنا ہے کہ ہندو مسلمانوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لئے ہم اُن حضرات کی رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور ہیں جو اس تمام کشیدگی کا ذمہ دار ایک صدی کی انگریزی تعلیم کو قرار دیتے ہیں۔ سب سے پہلا سبق جو اسلامی تاریخ سے پڑھایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مذہب اسلام محض بنی نوع انسان پر ظلم کرنے کے لئے بنا ہے۔ پھر دوسرا سبق بقول مسٹر پرمانند یہ کہ ہندو مسلمان تو ہمیشہ سے دشمن چلے آئے ہیں یا یوں کہئے مسلمان ہمیشہ ہندوں پر ظلم کرتے رہے ہیں چنانچہ آریہ گزٹ کے فاضل اڈیٹر کے قلم سے آخر نکل ہی گیا کہ اکبر جو کہ ہندوستان کے مسلمان سلاطین میں سب سے زیادہ انصاف پسند اور رحمدل تھا اُسنے بھی اتنے دو جنیوں کو قتل کروایا کہ اُن کے جنیئوں سے ۱/۲ ۷ کنوئیں پٹ گئے۔

جس ملک میں سو برس سے ایسی زہریلی ہوا چل رہی ہو اسکے باشندوں پر جو اثر پڑے وہ تھوڑا ہے۔ شکر ہے کہ اب یہ غلط فہمی دور ہوتی جاتی ہے، اور اکثر مآل اندیش لیڈر اس ابلہ فریبی کے افسوں کو توڑنے کی جانب متوجہ ہیں۔ بعض پرجوش اصحاب تو یہاں تک کہ گزرتے ہیں کہ یہ تعلیم بھی ڈیوائڈ اینڈ گورن (پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو)

سکے اصول پر مبنی تھی - مگر ہم اس خیال کو ایک حد تک صداقت سے بعید سمجھتے ہین - البتہ اسکے ذمہ دار وہ متعصب عیسائی مورخین ضرور ہین جو اسلام اور اہل اسلام پر ہر طرح جایز و ناجایز اتہام لگانے کو ثواب دارین سمجھتے ہین - انگریزی لٹریچر مین اسلام کے متعلق اس قسم کے نفرت انگیز مضامین کی ایسی بھتات ہو گئی تھی کہ آخر بعض یورپین محققین بھی اسکی تردید کرنے پر مجبور ہوئے جنکی انصاف پسندی مسلمانون کے شکریے کی مستحق ہے - مگر ہماری یونی ورسٹیون مین ابتک جو ہندوستان کی تاریخین داخل نصاب ہین، وہ وہی ہین جو ہندو اطفال کے دلون مین عداوت کا تخم بونے والی ہین - سب سے مقدم کام ہمارے قومی لیڈرون کا یہ ہونا چاہیے کہ ان تاریخون کو نصاب سے خارج کرائین یہ ایسا اہم کام ہے جو ہر ایک جد وجہد متعلق اتفاق ہنود و مسلمانان، پر مقدم ہے - معلوم نہین کہ بنگال کی نیشنل یونی ورسٹی نے اپنے تاج کے نصاب مین جو تاریخ ہند داخل کی ہے وہ کیسی ہے - خدا کرے کہ ملک کے متعدد فرقون مین اتفاق پھیلانے والی ہو -

پھر اس تعلیم یافتہ گروہ مین آریہ سماجی فرقہ مسلمانون کا سب سے زیادہ مخالف کہا اور سمجھا جاتا ہے - اور یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس سے کوئی انکار نہین کر سکتا، چنانچہ مسٹر پرمانند خود اقرار کرتے ہین کہ :- "مین یہ نہین کہتا کہ یہ الزام بالکل غلط ہے" لیکن وہ یہ بھی فرماتے ہین کہ "ہمین انصاف سے اوسکی تہ تک پہونچنے کی کوشش کرنی چاہیے" ہمارے خیال مین اس مخالفت کے وجوہ جو پرمانند صاحب نے بتائے ہین اون کے تسلیم کرنے مین کسی کو تامل نہ ہونا چاہیے - چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ :- "ہندون کا دستور یہی رہا ہے کہ وہ کسی دوسرے مذہب والے کو اپنے ساتھ شامل نہ کرین - آریہ سماج اس اصول کو غلط قرار دیتا ہے، اور دعوی کرتا ہے کہ دہرم سب کے لئے ہے - اس لئے اگر کوئی ان کے مذہب مین آئے تو وہ اوسے لے لین گے - یہ نئی بات ہندون کی اس جماعت کے اندر پیدا ہوئی یہ قدرتی امر تھا کہ مسلمانون کو یہ برا معلوم ہو - لیکن منصف مزاج آدمی فوراً کہے گا کہ اگر مسلمانون کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے مذہب کی اشاعت کرین - تو آریہ سماج کو بھی یہی حق ہونا چاہیے - کسی دوسرے کو تبدیل مذہب کرنے کے لئے ناجایز وسایل اختیار کرنا دونو گروہون کے لئے

ایک سا ہی بُرا ہے۔ لیکن اس کے متعلق بحث و مباحثہ اور مذہبی تردیدی کتابون کا معاملہ رہا، اسمین آریہ سماج والے یہ کہتے ہین کہ بحث مسلمانون کی طرف سے ہوئی، اور شاید مسلمان آریہ سماج پر یہ الزام لگاتے ہونگے"

اصل یہ ہے کہ مخالفت پیدا ہوجانے کے بعد یہ بتانا، کہ ابتدا اسکی طرف سے ہوئی اور زیادتی کسکی تھی، نہایت دشوار کام ہے۔ ہر شخص اپنے دعوے کا کچھ ثبوت رکھتا ہے، مگر جسقدر ثبوت پیش کئے جاتے ہین انکین حجت الزامی کے بہانون کو زیادہ دخل ہوتا ہے جس سے پیچیدگیان اور بڑھ جاتی ہین۔ ابتدا مسلمانون کی ہو یا آریہ سماجیون کی اسمین شبہ نہین کہ تالی دونون ہاتھون سے بجی، اور جو نہ ہونا تہا وہ ہوا! اس لئے بجائے اس چہان بین کے کہ ابتدا فساد کی کدہر سے ہوئی، گزشتہ را صلواۃ کہکر یہ قول مسٹر پرمانند "ہمین ایک دوسرے کے مذہب اور مذہبی کتابون کو عزت کی نگاہ سے دیکہنا چاہئے، اور اپنے دعوون کے اختلافات کو معقول طور پر اور شستہ زبان مین ظاہر کرنا چاہئے، جس سے کہ ہماری پوزیشن صاف ہو اور دوسرے کا دل بہی نہ دکھے"

پنڈت صاحب کی نصیحت مذکورۂ بالا کے متعلق ہم خوشی کے ساتھ گروکل کے سالانہ جلسہ کی کارروائی سے ذیل کا اقتباس پیش کرتے ہین۔

"جلسہ کی کارروائی کا شاید اہم ترین حصہ یہ تہا کہ حاضرین کو موقعہ دیا گیا کہ وہ پانچ منٹی تقریرون مین اپنے خیالات اس مسئلہ پر ظاہر کرین کہ آریہ سماجیون کا برتاؤ غیر آریہ سماجیون کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ قریباً دس اصحاب نے تقریرین کین جسمین اس بات پر بڑا زور دیا گیا کہ تقریر اور تحریر مین آریہ سماج کا رویہ دیگر مذاہب کی طرف اعتدال اور محبت کا ہونا چاہیئے اور عیسائیون اور مسلمانون کی دل شکنی ترک کرنی چاہئے"

یہ اقتباس پیش کرنے کے بعد ہم اپنے ہم مذہب بہائیون سے بہی وہی استدعا کرنا چاہتے ہین جو پنڈت پرمانند نے آریہ سماجی حضرات سے کی ہے، اور جسکو گروکل کا جلسہ قبل از قبل اُن کے طے کر چکا ہے کہ ؎

دہن خویش بہ دشنام میالا صائب۔ کاین زرِ قلب بہ ہر کس کہ دہی باز دہد

"بہتر طریقہ مذہب کے پہیلانے کا یہ ہے کہ اس کے پیرو اپنی نیکیون سے دوسرون پر اثر پیدا کرین اور اپنی زندگی سے اپنے مذہب کی برتری کا ثبوت دین" یہ ہین وہ الفاظ جو سنجیدہ ناصح کی زبان قلم سے نکلے اور جن پر ہر سمجہدار آدمی کو کاربند ہونا لازم ہے۔

اسکے بعد پنڈت صاحب فرماتے ہین کہ "ایک اور بات جو کسی مسلمان بہائی پیش کرتے ہین وہ یہ ہے کہ ہندو اُن کے ساتہہ کہانے پینے نہین یہ نفرت کا نیجہ ہے" اگرچہ یہ خیال کسی حدتک صحیح ہو مگر بالکلیہ درست نہین۔ عام طور سے یہ سمجہا جاتا ہے کہ ہندون کا دوسرے اقوام ہی کے ساتہہ ہی نہین، بلکہ ایک فرقے کا دوسرے فرقے کے ساتہہ کہانا پینا مذہباً ممنوع ہے۔ اس وجہ سے مسلمانون کو، جو خود مذہبی تعصب مین ڈوبے ہوئے ہین، ہندون سے ایسی بد گمانی کرنے کی کوئی وجہ نہین۔ پہر بہی اگر کچہہ مسلمان اس خیال کے ہین، تو ہم اُن حضرات کو گروکل کے اُسی یکم اپریل والے جلسے کی کارروائی کی جانب متوجہ کرتے ہین جسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے" اور اُن سے عرض کرنا چاہتے ہین کہ اگر فی الحقیقت آپکا یہ خیال ہے، تو فی الحال کل نہین تو ایک گروہ ہندون کا آپ کے ساتہہ کہانے پینے پر آمادہ ہے، اور بالاعلان کہتا ہے کہ جو لوگ گوشت اور شراب کا استعمال نہ کرتے ہون۔ "افسوس ہے کہ جو لوگ مذہباً شراب کو ناجایز نہین سمجہتے ہین وہ گلی گلی ٹمپرنس اسوسی ایشنین قایم کررہے ہین اور مسلمان روز بروز اسکو شیر مادر سمجہتے جاتے ہین۔ بہ قول پروفیسر طباطبائی ع

آگے پاسی چار پیتے تھے۔ مردم بے وقار پیتے تھے۔
ابتو اہل علوم پیتے ہین ماہران رسوم پیتے ہین)

ہم اُنکے ساتہہ بلاتکلف کہانے پینے کو تیار ہین۔

پہر کیا آپ بہی اسپر آمادہ ہین کہ اپنے ان ہندو بہائیون کی خاطر سے گوشت خوری ترک کردین؟ ایسا نہین ہے تو آنچہ برخود میسندی بر دیگران مپسند۔ آپ سے تو وہ بہی شاید نہو سکے گا جسکی نظیر حال ہی مین ایک عالی حوصلہ بادشاہ اسلام نے، جسکو اگرچہ آپ امیرالمومنین نہین سمجہتے مگر اُس کے ضیاءالملۃ والدین، ہونے مین بہی شبہہ نہین کرتے، پیش کی ہے۔

ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خان کا بقر عید کے موقعہ پر گاؤکشی کی اجازت نہ دینا ایسا واقعہ ہے
جو اُن کی سوانح عمری میں آب زر سے لکہا جائے گا، اور جس کی وجہ سے ہندوستان کی اُنیس
کرور رعایا ہمیشہ تخت کابل کی خیر طلب رہے گی۔ وہ چار دن کے لئے مہمان آئے تھے
اور قول فعل سے ثابت کر گئے کہ ہندو مسلمان ہر وقت اور ہر جگہہ اتفاق و اتحاد سے رہ سکتے ہین
آپ کا سابقہ تو ایسا ہے کہ شاید قیامت مین جدائی ہو تو ہو، پھر کیا آپ سے یہ ہو سکتا ہے کہ
بقر عید کے موقعہ پر گاؤکشی اور محرم ہولی و دسہرہ نہ ہونے دین ؟ اگر آپ تہوڑا سا ضبط النفس
کرین تو سوشیل تعلقات بہت کچہہ وسیع ہو سکتے ہین، اور جسقدر سوشیل تعلقات وسیع
ہون گے اُسیقدر قومی یکجہتی کی جڑین مضبوط ہون گی رہا کہانے پینے کا معاملہ اسکی شکایت
(اگر ہو تو) ناواجبی ہوگی۔ ہندوستان کے مسلمان خود عیسائیون اور پارسیون وغیرہ
کے ساتہہ کہانے پینے مین پرہیز کرتے ہین، اور بالکل ہنود کا سا پرہیز مسلمانون کا ایک گروہ
عملاً غیر مسلم کے ہاتہہ کا کہانا جبتک کوئی خاص مجبوری نہ ہو، ناجایز سمجہتا ہے۔ مگر ان سے
اس امر کی شکایت کرنی کہ تم کیون ایسا سمجہتے ہو گویا یہ کہنا ہو گا کہ تم کیون اپنا مذہب نہین
ترک کر دیتے ؟ لیکن اس بات کو کوئی سمجہدار آدمی پسند نہین کرے گا اس لئے کہ جہوٹ
ہون یا سچ، حماقت کی ہون یا عقلمندی کی، جو باتین کسی طور سے بہی قواعد مذہبی پر مبنی
سمجہی جاتی ہین، انہین دست اندازی کرنا، یا اون پر اعتراض اور اون کے ساتہہ استہزا کرنا
دیدہ و دانستہ مخالفت مول لینا ہے جو کسی طرح قرین عقل نہین۔ البتہ اس قسم کے جاہلانہ خیالات
کے اصلاح اُسی مذہب کے ہادیون کا کام ضرور ہے، نہ کہ غیر مذہب والون کا۔

ایک اور بات جس نے دور آخر مین تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمانون کے درمیان
بحر عمیق حایل کر دیا، اور جسکا ذکر پنڈت صاحب نے نہین کیا ہے، وہ نیشنل کانگریس سے
مسلمانون کی علیحدگی کا مسئلہ ہے۔ جسوقت کانگریس نے موجودہ صورت اختیار کی
اوسوقت سر سید مرحوم کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ مسلمانون کو اُسکی شرکت سے باز رکہین
اس کے وجوہ کیا تھے ؟ اس کا جواب جو کچہہ دیا جاتا ہے، یا جو خود مرحوم نے دیا ہے، وہ اس
کے سوا اور کچہہ نہین کہ مسلمانون کی حالت پولیٹکل معاملات مین حصہ لینے کے ناقابل ہے

ہم اس کے لئے تیار نہیں ہین کہ سید صاحب مرحوم کی اس کار روائی کو اُس نظر سے دیکھیں جس نظر سے اُن کے مخالفین دیکھتے ہین - سید صاحب نے ملک کے لئے جو سوشیل اور پولیٹیکل خدمات کی ہین اُنپر خاک ڈالنا انصاف کا خون کرنا ہے - یہی نہین بلکہ اگر مخاصمانہ نفسانیت اور جاہلانہ سخن پروری کو دور کرکے ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو پولیٹیکل آزادی کی جو خواہش آج ایک ہونہار درخت کی صورت مین نظر آرہی ہے اسکا بیج اوسی مرحوم کا بویا ہوا ہے - البتہ یہ ضرور ہے کہ سر سید کے دل پر جو اثر غدر کے واقعات سے ہوا تھا وہ بہت گہرا تھا، اور اوسی کا نتیجہ تھا جو کچھ بعد مین اُن سے ظہور مین آیا اون کی نیک کوشش اُنکی سچی دلسوزی، اور اون کی قومی خدمات کی قدر جیسا جیسا زمانہ گزرتا جائیگا زیادہ ہوتی جائیگی - وہ اگر مسلمانون کے فدائی تھے، تو ہندون کے بھی حقیقی بہی خواہ تھے اونھون نے جو کانگریس سے اختلاف کیا، ہمارے نزدیک، اسکا منشا ہرگز یہ نہ تھا کہ اصول کانگریس قابل مخالفت ہین، یا ہندون کے ساتھ شریک جد و جہد ہونا ناجائز ہے ورنہ خود انہین کا یہ قول بے معنی ہوگا کہ:-

" ہم کو لازم ہے کہ دل و جان سے متحد ہونے کی "
" کوشش کرین - اگر متحد ہین تو ایک "
" دوسرے کی حمایت کر سکتے ہین، اور اگر "
" متحد نہین ہین تو باہمی مخالفت کا اثر "
" فریقین کی تباہی اور زوال کا باعث ہوگا "

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ آج سے بیس برس پہلے مسلمانون مین اتنی صلاحیت بھی نہ تھی جو آج ہے - پس اگر ان کو عام طور پر اس عظیم الشان پولیٹیکل تحریک مین شریک ہونیکی اجازت ہوتی تو بہت ممکن ہے کہ جو صورت پیش آتی وہ ضرور کسیقدر اندیشہ ناک ہوتی - مگر خرابی تو یہ ہوئی کہ ادہر اہالیان کانگریس نے سید صاحب کی علحدگی کو دوسری نظر سے دیکھا، اور ادہر مصلحت سے گزر کے ضد کی شکل پیدا ہوگئی تاآنکہ یہ ہوا کہ ہندوستانی ہندو و مسلمانون مین ایسے منقسم ہوئے کہ پہر ان کے ایک ہونے کی صورت

محال نظر آنے لگی۔

لیکن اب زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے، مسلمان بھی کچھہ آگے بڑھے ہین اور وقت آ گیا ہے کہ دونون دل و جان سے متحد ہونے کی کوشش کرین ورنہ باہمی مخالفت کا اثر دونونکی تباہی کا باعث ہوگا،، اس لئے ضرور ہے کہ صاحب اثر بزرگان قوم مسٹر برانڈکیطرح اون غلط فہمیون کو دور کرنے کی جانب متوجہ ہون جو اس وقت تک پیدا ہو چکی ہین اس کے بعد پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ایک قوم دوسرے فواید کی نگہداشت مین کس حد تک غمخواری کر سکتی ہے۔ فقط

ضامن کنتوری۔

معاویہ ابن ابی سفیان

بانی دولت بنی امیہ

ولادت سنہ ۱۸ قبل ہجرت وفات سنہ ۶۰ھ

نسب کی قبیلہ قریش کی یون تو بہت سی شاخین ہین لیکن بنی ہاشم اور بنی امیہ دو شاخین بہت زیادہ مشہور ہین اور یہ دونون عبد مناف تک جاکر ملجاتی ہین۔ بنی ہاشم مین سے **آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم** پیدا ہوئے جنکا نسب اسطرح پر ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ۔ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف اور یہ فخر اور اعزاز قدرت نے اسی شاخ کے حصے مین عطا فرمایا۔ بنی امیہ مین سے جنکی حکومت کی شان و طمطراق پر ابتک دمشق اور قرطبہ کے کھنڈر گواہی دے رہے ہین امیر معاویہ پیدا ہوئے جو اس شاخ کے گل تر اور اس پر جلال حکومت کے بانی تھے۔ امیر معاویہ کا نسب اسطرح پر ہے۔ معاویہ بن ابو سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اب ہم ذیل مین قریش کے قبیلہ کا ایک مختصر شجرہ درج کرتے ہین۔

قریش

(انکا نام نضر بھی تھا)

مالک

(انکے خاندان میں ابو عبیدہ بن الجراح ہوئے) حارث — فہر

محارب

(ضرار بن خطاب مشہور قریش کا انہیں تک شجرہ ہو پہنچتا ہے) — غالب

لوئی

سامہ - سعد - خزیمہ - کعب - عامر - عوف - حارث

(انہیں کی اولاد میں عمرو بن العاص ہوئے) ہصیص — مرہ — عدی - (انکی نسل میں عمر بن الخطاب ہوئے)

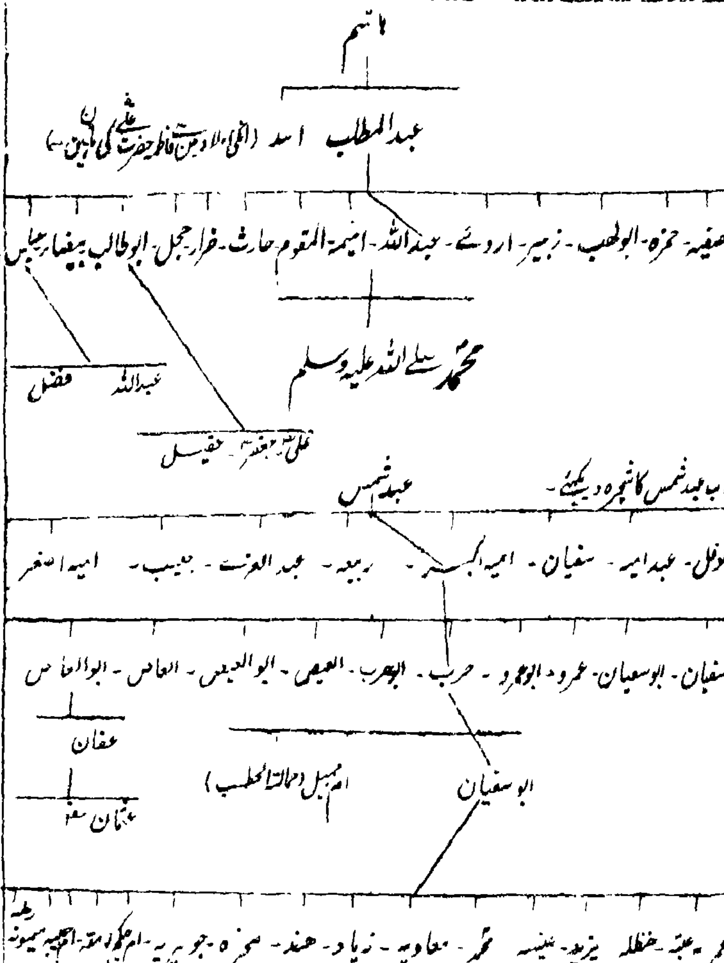
(انہیں کی اولاد میں ابوبکر صدیق ہوئے) تیم — کلاب — یقظہ - (خالد بن ولید انہیں کی اولاد میں ہیں)

(انکی اولاد میں سے عبدالرحمن بن عوف ہیں) زہرہ — قصی

(انکی اولاد میں سے عثمان بن طلحہ ہوئے) عبدالدار — عبد مناف — عبدالعزی (زبیر بن العوام انکی اولاد میں ہوئے)

عبد شمس - ہاشم - مطلب - ابو عمرو - نوفل (انکی اولاد میں جبیر بن مطعم ہیں)

یہیں سے عبد شمس - اور ہاشم کی دو الگ الگ شاخیں ہوتی ہیں جو تواریخ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے نام سے مشہور ہیں - اب ہم ان دونوں شاخوں کی جدا جدا شجرے لکھتے ہیں -



حضرت ابوسفیان امیر معاویہ کے والد قریش کے قبیلہ مین سب سے زیادہ معزز اور ممتاز آدمی تھے۔ اوران کی تجارت نہایت وسیع تہی۔ شام - حوران - اوربلقار کی منڈیون مین انکے اموال تجارت کی خرید فروخت کی نہایت گرم بازاری رہتی تہی اوراکثر شام کے ملک مین وہ جایا آیا کرتے تھے۔ اور وہان کے تمام لوگ اون کی عزت او عظمت کرتے تھے کچھ عجب نہین کہ شام مین اونکے اس رسوخ نے بعد مین امیر معاویہ کی کامیابی مین ایک مخفی طاقت کا کام دیا ہو۔

ابتدائے اسلام مین ابو سفیان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مخالف اور دشمن تھے۔ اور ہمیشہ اونہونے مقابلہ اور جنگ وجدال رکھتے تھے۔ یہانتک کہ سنہ ۸ھ مین جب مکہ فتح ہوا ہے تو وہ اسلام لائے اور اونہین کے ساتھہ اونکا سارا گھر مسلمان ہو گیا۔

ابو سفیان کیون آنحضرت کے مخالف تھے۔ اس سوال کا جواب آسانی سے ملسکتا ہے۔ اسوقت عام طور پر دنیا کے تمام لوگ جن سے اہل عرب مستثنے نہین ہین قدامت پسند نہین بلکہ قدامت پرست تھے۔ اور کسی نئی بات کی مخالفت کرنا اون کے نزدیک لازمی تہا خواہ وہ اچھی ہو یا بری ہو۔ اور اوسکو وہ اپنے آبا و اجداد کے موروثی اعتقادات کی حمایت خیال کرتے تھے۔ اسلام کے بھی ابتدا مین سوائے دو چار شخصون کے سبھی مخالف تھے۔ لیکن جیسی جسکی قوت اور کمزوری تھی ویسی ہی اوسکی مخالفت بھی قوی یا کمزور تھی۔ اشرف عرب مین سب سے زیادہ طاقت ور بحیثیت مال وجاہ اور قبیلے کے ابو سفیان تھے اسلئے انکی مخالفت زیادہ قوی تھی۔

اونکی مخالفت مین سب سے زیادہ جس چیز نے مدد دی وہ اون کے قبیلہ کی شوکت اور بہادری تھی۔ کیونکہ بنی امیہ تمام عرب مین اور نیز قریش مین سب سے زیادہ ذی قوت تھے۔ مگر اس کے علاوہ اس مخالفت کا ایک سبب اور بھی بہت زبردست تہا۔ یعنی خاندانی عداوت قریش کی سرداری عرب مین مسلم تھی لیکن خود بنی ہاشم اور بنی امیہ دونون آپسمین ایسی جوڑ توڑ مین رہتے تھے کہ ہم سر بلند رہین۔ اور اس بنا پر دونون کنبون مین باہم لڑائیان بھی ہو چکی تہین۔ چنانچہ پہلی لڑائی خود امیہ بن عبد شمس اور اونکے چچا ہاشم مین ہوئی تہی۔ اس کا سبب یہ تہا کہ عبد مناف سقایۂ کعبہ کے متولی تھے جو عرب مین سب سے زیادہ معزز خدمت تہی۔ اون کے مرنے کے بعد ہاشم اون کے بیٹے بجائے اون کے متولی ہوئے امیہ کو اون کے اس اعزاز پر رشک آیا۔ اس عہدہ مین یہ بھی ہوتا تہا کہ متولی زائرین کو کہانا کہلایا کرتا تہا۔ اس لئے اس اعزاز حاصل کرنے کے واسطے بڑی آمدنی کی ضرورت تہی کیونکہ تمام اہل عرب حج کے لئے آتے تھے۔ امیہ نے یہ ٹہان لیا کہ ایکے موسم مین خود تمام لوگون کو کہلاؤنگا چنانچہ اونہون اس کا بندوبست بھی کیا لیکن آخر کو تبہ نہ سکا۔ اس پر قریش

اس پر قریش کے بعض لوگون نے اون کی ہنسی اُڑائی - یہ امر اونکو بہت ناگوار گذرا اور اونہون نے ہاشم سے منافرت[1] کرنی چاہی - ہاشم نے گو بہت انکار کیا کہ مین بھتیجے سے کیا منافرت کرون - مگر اونہون نے نہ مانا - اور آخر یہ شرط ٹہری کہ جو ہارے پچاس اونٹ دے اور بیس برس جلا وطن رہے - خزاعی کاہن جو عسفان مین رہتا تہا حکم قرار دیا گیا - اوس نے ہاشم کو فتح دی اور امیہ کے خلاف فیصلہ صادر کیا - امیہ نے حسب شرط پچاس اونٹ دئے جنکو ذبح کرکے ہاشم نے دعوت کہلائی اور خود بیس برس کے لئے جلاوطن ہوکر مکہ سے شام مین جاکر رہنا شروع کیا -

یہ واقعہ بنی ہاشم اور بنی امیہ مین عداوت خاندانی کا سنگ بنیاد تہا - جو بعد مین ... نسلاً بعد نسل چلی آئی - اور یہ اوسی کا اثر تہا کہ ابو سفیان نے آنحضرت کے وجود پاک کی بدولت بنی ہاشم کا عروج ہوتے ہوئے دیکھکر ایسی سختی کے ساتھ مخالفت کی - لیکن آخر جب کوئی راستہ فتح مکہ کے بعد نہ دیکھا اور اسلام کی اشاعت نے ......

اون کے دل مین اوسکی حقانیت کا اثر ڈال دیا تو وہ مسلمان ہوگئے اسلام کے بعد خود اونہون نے اور اون کی معزز اولاد نے اپنی امداد ہمت اور کوشش سے اوس نقصان کی کافی تلافی کردی جو اونکی مخالفتون سے اسلام کو پہونچا تہا -

بچپن معاویہ کی ولادت مکہ مین ہجرت کے ۱۵ سال پیشتر ہوئی انکی تربیت ویسی ہی ہوئی جیسی شرفاء مکہ کے لڑکون کی ہوتی تہی - سپہ گری تیر لگانا تیر بنانا ہی انکو سکھایا گیا تہا - انکی والدہ کا نام ہند تہا جو عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کی بیٹی تہین - یہ اون عورتون مین سے تہین جو اپنی پر جوش طبیعت اور بلند خیالی کی بدولت گہر گہر چرچا جاتی ہین - مکہ مین قریش کی یہ حالت تہی کہ مرد عورتون پر غالب رہتے تھے - اور مجال نہ تہی کہ عورت اون کے سامنے کسی بات پر چون وچرا کر سکے - چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ مین شکایت کرتے تھے کہ ہم ہمیشہ عورتون پر غالب رہے مگر یہان انصار کی دیکھا دیکھی ہماری عورتین بہی اب ہماری بعض بعض

---

[1] منافرت مقدمہ بازی کی ایک جاہلانہ شکل تہی - اسمین خاص شرائط کئے جاتے تھے اور کاہن سے جو اوس زمانہ مین پیغمبر یا ولی اللہ خیال کئے جاتے تھے فیصلہ لیا جاتا تہا جو ہارتا تہا اوسکو شرائط پورے کرنے پڑتے تھے -

باتونکو ٹال دیتے ہین۔ مگر ہند وہ عورت نہین تہین جو باوجود اس کے کہ وہ ایک نہایت بہادر پرجوش عالی حوصلہ اور قریش کے سب سے بڑے سردار ابو سفیان کے قبالہ نکاح مین تہین سب کو اپنی مٹہی مین کر رکہا تہا۔ چنانچہ جسوقت آنحضرت نے مکہ فتح کیا اور حضرت عباسؓ نے آپکو یہ صلاح دی کہ ابو سفیان ایک جاہ طلب شخص ہے اوس کے لئے آپ کوئی امتیاز قایم کرین تو آپ نے یہ اعلان کر دیا کہ "جو شخص ابو سفیان کے احاطہ مین داخل ہو جائے اوسکو ہم نے امان دی" یہ سنکر ابو سفیان خوش خوش منادی کرتے ہوئے اپنے مکان مین داخل ہوئے کہ "محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی باتون کے قبول کئے بغیر اب چارہ نہین ہے۔ پس جو شخص میرے گہر مین داخل ہو اوس کو امان ہے"، ہند نے جو ابتک اپنی جاہلیت کے اعتقادات پر نہایت سختی کے ساتہہ جمی ہوئی تہین جب یہ سنا تو باوجود اسکے کہ انحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انکے داماد تہے اور ام حبیبہؓ سے آپکی شادی ہو چکی تہی مگر پہر بہی وہ ان کی سخت دشمن تہین انحضرت کے ساتہہ ابو سفیان کو ڈانٹا اور اونکی موچہون کو پکڑ کر کہا کہ "تیری صورت نحس قوم کے لئے بدشگونی ہے"، پہر ڈاڑہی پکڑے کہا کہ "یہ احمق بڈہا قتل کے قابل ہے ...... تم کیون نہ لڑے۔ اور کیون نہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر اور قوم سے روکا"۔ اس کا پیرایہ گو کیسا ہی بیجا کیون نہو مگر اس سے اوس جسارت جوش قلبی اور عالی حوصلگی کا پتا ملتا ہے جو فطرت نے عام طور پر عربی عورتوں اور خصوصیت کے ساتہہ ہند کو عطا فرمایا تہا۔ حضرت معاویہ کی رگون مین جو بہادرانہ خون تہا وہ اسی پرجوش ماں سے اونکو ورثہ مین ملا تہا۔ اسی دن ابو سفیان کا گہرانا اسلام لایا۔ اسوقت امیر معاویہ کی عمر چوبیس سال کی تہی اور کہا جاتا ہے کہ وہ بہی اپنے باپ کے ساتہہ ہی اسلام لائے بعض مورخ یہ بہی لکہتے ہین کہ معاویہ اس سے پہلے ہی اسلام لاچکے تہے مگر باپ کے خوف کی وجہہ سے اوس کو چہپاتے تہے۔ اور یہ قرین قیاس بہی ہے۔ کیونکہ انہین کی بہن ام حبیبہ پہلے ہی مسلمان ہو چکی تہین۔ ممکن ہے کہ اون کی وجہہ سے امیر معاویہ پر بہی اسلام کی حقانیت منکشف ہو گئی ہو۔ مگر چونکہ یہ کم عمر تہے اسلئے اظہار نہ کر سکے۔ بہرصورت ان کے اسلام کا ظہور فتح مکہ ہی کے دن ہوا۔

چونکہ یہ لوگ اشراف قوم مین سے تہے اسلئے آنحضرت نے انکو مولفۃ القلوب مین شامل کیا

اور انکے لئے خزانہ سے ایک وظیفہ معین فرما دیا جو آپکی زندگی تک انکو برابر ملتا رہا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بند کر دیا اور کہا کہ اب اس مصرف کی ضرورت نہیں کیونکہ مسلمانون کی کثرت ہوگئی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے اعیان عرب مثلاً حکیم بن حزام اور ابو جہل کے بہائی حارث بن ہشام۔ اور علاء بن حارثہ وغیرہ کا بہی وظیفہ بند ہوگیا۔

جب مکہ فتح ہوگیا اور وہان مسلمانون کا عمل دخل اور تسلط قایم ہوگیا تو معاویہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ مدینہ مین لائے اور وہ رسالت کے مقربین بارگاہ مین سے ہوگئے۔ یہانتک کہ آپ نے وحی کی کتابت اونکے سپرد کردی۔ صاحب سیرۃ الحلبیہ نے لکہا ہے کہ معاویہ بن ابو سفیان اور زید بن ثابت کتابت وحی کے لئے مقرر تھے اس کے سوا دوسرا کام انکا نہین تہا۔

ابتدائی کارنامے

معاویہ مین ابتداہی سے وہ جوہر موجود تھے جو ایک گریٹ مین مین ہوا کرتے ہین۔ حلم۔ متانت۔ بہادری۔ عالی حوصلگی۔ دوربینی۔ اور عقل صحیح ان سب اوصاف مین وہ اپنے تمام افسرون سے ممتاز تھے یزید بن ابو سفیان جو ان کے بڑے بہائی تھے اور جنہون نے دربار نبوت مین نہایت درجہ رسوخ پیدا کیا تہا گو وہ بہی ان اعلے اوصاف سے عاری نہین تھے مگر معاویہ کی عالی حوصلگی نے اونسے بہی زیادہ اپنے کو قابل عزت ثابت کیا اور اوس کام کی تکمیل جسکی امید یزید بن ابو سفیان سے کی جاتی تہین معاویہ ہی نے کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پیشتر ایک چہوٹا سا لشکر تقریباً تین ہزار کی تعداد مین شام مین دعوت اسلام کے لئے بہیجنے کو طیار کیا تہا ابہی وہ لشکر روانہ نہین ہوا تہا کہ باب رسالت بند ہوگیا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے باوجود اون مشکلات مین مبتلا ہونے کے جو مسلمانون کے ارتداد سے پیش آئی تہین کسیطرح یہ مناسب نہ سمجہا کہ آنحضرت کے اوس ارادہ کو ملتوی کرین جس کے لئے قبل وفات کے آپ نے یہ لشکر جمع کیا تہا اس لئے اوس کو بسم اللہ کرکے شام کی طرف بہیجدیا۔ یزید بن ابو سفیان بہی اوس لشکر مین ایک اعلے افسر تھے معاویہ بہی اونہین کے ساتھ لشکر مین شام کو گئے۔ اور اپنے معزز بہائی کے ساتھ مختلف لڑائیون مین وہان کارہائے نمایان انجام دئے۔ لیکن ان دنون مین کوئی خاص شہرت انہون نے حاصل نہین کی۔ کیونکہ جنگ کے لئے فطرت نے انکو اتنا موزون نہین بنایا تہا جس قدر ملکی انی

اور حکومت کے لئے۔ جب دمشق فتح ہو گیا۔ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے وہان سے سواحل کی طرف اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے قدم بڑہایا تو یزید کو دمشق کا والی مقرر کر دیا۔ معاویہ بھی ہمراہ ہو لیے اور پھر انہون نے صیدا۔ عرقہ۔ جبیل۔ اور بیروت وغیرہ فتح کرکے اپنے معزز بھائی کے رقبہ حکومت مین شامل کر دیا۔ اس کے بعد وہان سے چلے آئے۔ پھر جب اہل روم نے ان شہرون پر حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ مین قبضہ کر لیا تو امیر معاویہ نے دوبارہ جاکر اون کو فتح کیا۔

یزید دمشق پر کئی سال تک حکمران رہے یہانتک کہ سنہ ۲۰ھ مین اونکا انتقال ہو گیا جب اون کے وفات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو اونہون نے ابو سفیان سے تقریباً کہا کہ اللہ تمکو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ابو سفیان نے کہا کہ اوس کے بجائے تم نے کسکو مقرر کیا۔ فرمایا معاویہ کو۔ اس پر ابو سفیان بہت خوش ہو گئے۔ اور کہا کہ "امیر المومنین تمنے قرابتمندی کو نباہا" لیکن حقیقت مین ابو سفیان کا یہ خیال غلط تہا کہ حضرت عمرؓ نے اونکو قریشی سمجھکر والی مقرر کیا بلکہ وہ اون کو اسی قابل سمجھتے تھے۔ جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا۔ معاویہ حضرت عمرؓ کے آخری چار سال عہد خلافت مین دمشق کے والی رہے لیکن انکی ولایت کا رقبہ دمشق اور اوسکے کچھ اطراف تک محدود تہا۔ سنہ ۲۳ھ مین جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوے جنکا یہ خاص اصول تہا کہ وہ اپنے قرابتمندونکو عروج دیتے تھے تو امیر معاویہ کا دائرہ اختصاص بہت زیادہ وسیع ہو گیا اور تمام ملک شام انکے ولایت کے تحت مین آگیا۔ سنہ ۲۵ھ مین امیر معاویہ ایشیاے کوچک پر حملہ آور ہوے جو ابتک اہل روما کی حکومت مین تہا۔ اور عموریہ تک بڑھتے ہوے چلے گئے۔ راستہ مین انطاکیہ طرسوس وغیرہ کے قلعے خالی ملے جنمین تہوڑی سی شامی فوجین رکھدین۔ اور کامیاب واپس آئے۔

قتل عثمانؓ شجرہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حضرت عثمانؓ بنی امیہ مین سے تھے۔ جسوقت یہ خلیفہ ہوے تو اونہون نے اپنے ہی خاندان والونکو بڑے بڑے عہدے دینے شروع کئے۔ اور بڑی بڑی تنخواہین اون کی مقرر کین عام مسلمانون نے اس سے ناراضی کا اظہار کیا اور یہ جھگڑا زیادہ بڑہ گیا۔ عبد اللہ ابن سبا خلیفہ کے خلاف شورش اور بغاوت پہیلاتا ہوا تمام

ملکون مین گشت کرتا پہرتا تہا۔ آخر شام کے سوائے کیونکہ یہان معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے قریبی بہائی حکمران تہے باقی کوفہ اور بصرہ کے لوگ سب خلیفہ کے مخالف ہو گئے۔ اور ایک جم غفیر ان تینون مقامات سے مدینہ مین آیا۔ اور حضرت علی۔ طلحہ۔ زبیر رضی اللہ عنہم سے جو ارکان سلطنت اور اہل شوریٰ مین سے تہے نہایت پرزور الفاظ مین خلیفہ کی شکایت کی۔ یہ بدنظمی دیکہکر امیر معاویہ بہی شام سے مدینہ مین تشریف لائے۔ اور حضرت عثمانؓ کو اپنے ارادہ اور رویہ پر قایم اور ثابت رہنے کی تحریص کی۔ اور اون کو یہ کہکر جرأت دلائی کہ یہہ سرکشی کرنے والا گروہ بہت تہوڑا ہے اور ذرا سا مضبوطی اور استقلال دکہانے سے یہ اپنی اصلی حالت پر آجاویگا۔

جب حضرت علیؓ۔ طلحہ۔ زبیر رضی اللہ عنہم حضرت عثمانؓ کے دربار مین آئے کہ لوگون کی شکایتین اونکے سامنے پیش کرین تو امیر معاویہ نے اون لوگون کو مخاطب کرکے حسب ذیل تقریر کی:۔

"حضرات! آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہین۔ اور تمام امت مین آپکا درجہ اور مرتبہ بلند ہے۔ آپ ہی لوگون کے ہاتہہ مین اس امت کی باگ ہے۔ اور آپ ہی لوگ اس کے رہبر پیشوا اور حکمران ہین۔ آپ کے ہوتے ہوے کوئی دوسرا شخص نہ حکومت کا مدعی ہو سکتا ہے نہ اپنے دل مین اسکی طمع لا سکتا ہے۔ خود آپ ہی حضرات نے عثمان (رضی اللہ عنہ) کو بلا جبر اور اکراہ کے اپنی رضا مندی سے خلافت کیلئے منتخب فرمایا ہے۔ اب اون کی عمر کا زیادہ حصہ گذر چکا ہے جس چیز کے آپ خواہشمند ہین اوس کے لئے اگر انکی موت کا انتظار کرین تو کچہہ زیادہ زمانہ نہین ہے۔ اس کے ساتہہ ہی مین اللہ سے امید رکہتا ہون کہ انکو اوس حالت تک وہ نہ پہونچایگا جسکا ان کے ساتہہ ارادہ کیا گیا ہے جس راز کو آپ مخفی سمجہتے ہین وہ فاش ہو گیا ہے۔ اگر اون کے اوپر کسی عتاب کا اظہار کیا گیا تو یہ میرا ہاتہہ اوسکے مقابلہ کے لئے تیار ہے۔ مین آپ سے صاف کہونگا کہ آپ غیرون کو اس حکومت مین دخل دینے کی طمع نہ دلائین۔ واللہ اگر اونکی طمع کا دروازہ کہل گیا تو آپ کے لئے سراسر ادبار اور بدنصیبی ہوگی"

حضرت امیر معاویہ نے اپنی اس تقریر میں در پردہ اس اتہام کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت علیؓ وغیرہ پر لگایا جاتا تھا۔ وہ اس سازش میں ہیں کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کرا کے خود خلیفہ ہو جائیں۔ اسلئے یہ بات حضرت علی کو سخت ناگوار گذری اور انہوں نے بگڑ کر فرمایا "تم اور یہ باتیں!! تمہاری ماں مرجائے" معاویہ نے کہا "میری ماں کا کیا ذکر۔ وہ تمہاری ماؤں سے بری نہیں ہے۔ اسلام لائی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اوس کو چھوڑو اور میری بات کا جواب دو" حضرت علیؓ غصہ میں خاموش رہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"معاویہ نے غلط نہیں کہا۔ میں آپ سے اپنے رویہ کے متعلق کہتا ہوں کہ میرے دونوں دوست (ابوبکر۔ عمرؓ) جو مجھ سے پہلے تھے انہوں نے غلطی کی۔ مگر خیر اون کی نیت اچھی تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی تو اپنے خاندان والوں کو عطا فرماتے تھے۔ میں ایک غریب اور نادار کنبہ رکھتا ہوں اسلئے میں فراخی کے ساتھ اون کو عطیے دئے۔ اگر تم اسکو نامناسب خیال کرتے ہو تو بتاؤ میں وہی کروں"

اس تقریر کے بعد ان لوگوں نے چند عطیوں کی بابت کہا جو حضرت عثمانؓ نے بنی امیہ کے بعض افراد کو دئے تھے جنکو انہوں نے واپس لیلیا اور یہ لوگ راضی ہو کر چلے آئے اون کے چلے جانیکے بعد معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو صلاح دی کہ قبل اس کے کہ لوگ آپ کو کچھ نقصان پہونچائیں آپ شام کے ملک میں تشریف لیچلیں۔ کیونکہ وہ صوبہ مطیع اور فرمانبردار ہے۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ آخر معاویہ اونکو اللہ کی سپرد کر کے رخصت ہوئے۔ جاتے وقت علیؓ و زبیرؓ وغیرہ سے اونہوں نے پھر تاکید کی کہ خلیفہ کی جس قدر ہو سکے آپ لوگ حمایت کریں کیونکہ وہ بالکل بڈھے اور ضعیف ہو گئے ہیں۔

امیر معاویہ کو اپنی خلافت کی امید اسی دن سے ہو گئی تھی جس دن سے حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تھے۔ اور مدبرین کے حلقہ میں اس عنوان پر خفی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ اور مہاجرین یعنی حضرت علی۔ زبیر۔ طلحہ رضی اللہ عنہم اس نئے حریف سے خائف بھی تھے۔ آپ حضرت عثمانؓ کے بڑھاپے کے زمانہ میں انکے وہ امید زیادہ قوی ہو گئی تھی اور اس کشمکش میں اسیلئے وہ مدینہ آئے ہی تھے کہ کسی صورت سے خلیفہ کو دمشق لیچلوں

تاکہ وفات کے وقت وہ میرے لئے خلافت کی وصیت کر جائین۔ مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر سے جدائی حضرت عثمانؓ کو گوارا نہ ہوئی اور وہ تشریف نہ لیگئے۔

اہل مدینہ خلافت کو بنی ہاشم کا حق سمجھتے تھے۔ اور اون کی یہ خواہش تہی کہ حضرت علیؑ خلیفہ ہون۔ اسلئے وہ بہی حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے۔

الغرض یہ جہگڑا رفع نہوا۔ اور آخر اسنے یہانتک طول کہینچا کہ باغیون نے خلیفہ کے مکان کو گہیر لیا۔ اور چالیس دن تک محاصرہ کئے رہے۔ پانی تک بند کر دیا۔ وہ تو آل حزم اپنے لڑکی کے ذریعہ سے مخفی طور پر بہجوا دیا کرتے تھے۔ ورنہ سارا گہر پیاس ہی سے مرجاتا اور چالیس دن کے بعد ۲۸ ذالحجہ ۳۵ھ کو دیوارین توڑ کر گہس پڑے۔ دروازہ جلادیا۔ اسوقت صحابہ کے چند لڑکے باغیون کے روکنے کے واسطے یہان موجود تھے مثلاً حسن بن علیؑ۔ عبد اللہ بن زبیرؓ۔ عبد اللہ بن طلحہؓ وغیرہ مگر اونکا ہجوم دیکہکر وہ بہی ہاتھ جہاڑکے الگ ہوگئے اکیلا مروان بن حکم روکتا رہا۔ لیکن ایک شخص کیا کر سکتا تہا۔ آخر خلیفہ کو جبکہ وہ سورہ طٰہٰ پڑہ رہے تھے ظالمون نے جاکر تلوار ماری نائلہ خلیفہ کی بیوی اون کو بچانے کے لئے اون کے اوپر گر پڑین لیکن اون کے ہاتہہ کی بہی چار انگلیان مع کف دست کے کٹ گئین جس سے وہ بیہوش ہوگئین۔ اور وہ تسلیم و رضا کا بندہ اور رحمۃ اللعالمین کا جانشین اپنے بستر پر قرآن پڑہتا ہوا قتل کر دیا گیا۔ اور کاوس نے آنکہہ اوٹھا کر بہی نہین دیکھا کہ کون آتا ہے کون جاتا ہے وہ مقتدر خلیفہ باغیون کے ہاتہہ سے نہایت بیکسی کے ساتہہ مقتول ہوگیا۔ اور اوس کی نعش کے دفن کفن کا کسی نے خیال تک بہی نہین کیا۔ آخر چہتے دن رات کو چند لڑکے بنی امیہ کے اوسکو کسی نا معلوم جگہہ پر جاکر گاڑ آئے۔

گو انسان کی کوشش کیسی ہی جائز اور نیک ہو مگر حد اعتدال سے تجاوز کر جانے سے اوسکو اس کا خمیازہ بہگتنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب خلیفہ مقتول کا خون آلود پیرہن اور نائلہ کی انگلیان معاویہؓ کے پاس دمشق مین پہونچین تو تمام اہل شام اس واقعہ سے متاثر ہوگئے اور معاویہؓ کو اپنی خلافت کیلئے کوشش کرنیکا ایک نہایت عمدہ موقع ملگیا۔ انہون نے اوس خون آلودہ پیرہن اور انگلیون کو منبر پر رکہدیا۔ اور ایک پرجوش تقریر سے شام کے دو ....

اور اعیان سے جنکا اوسوقت تقریبًا ساٹھ ہزار کا مجمع تھا کہا کہ آپ جانتے ہین کہ یہ کسکی انگلیان ہین اور یہ کسکا پیراہن ہے؟ یہ انگلیان نائلہ بنت الفرافصہ خلیفہ عثمانؓ کی بیوی کی ہین اور یہ خون مین بھری ہوئی قمیص خود خلیفہ کی ہے جسکی اطاعت ہمپر فرض تھی - اور جسکو علی ابن ابی طالبؓ نے قتل کرا دیا ہے۔ یہ سنکر لوگ زار زار رونے لگے - اور اسی ایک جملہ سے امیر معاویہ نے سارے ملک کو حضرت علیؓ سے انتقام لینے کے لئے آمادہ کر دیا۔

ادہر بہت قیل و قال کے بعد لوگون نے حضرت علیؓ کے ہاتھہ پر بیعت کی - اور اونکو خلیفہ تسلیم کیا لیکن یہ خبر جسوقت حضرت عائشہؓ کو پہونچی جو مکہ مین حج کے لئے تشریف لیگئی تھین تو وہ بہی جوش مین آگئین - اور اونکو بھی یہ یقین ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش مین حضرت علیؓ ضرور شریک تھے - چنانچہ انہون نے بہی بالا علان اونسے انتقام لینے کی تیاری کی اور تیس ہزار فوج لیکر بصرہ مین پہونچین - جسکا نتیجہ جنگ جمل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ادہر خلافت کی جانب سے بھی عجلت ہوئی کہ باوجود مغیرہ بن شعبہ - اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ کی بار بار منع کرنے کے بہی حضرت علیؓ نے فورًا امیر معاویہ کو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ سے ابتک برابر دمشق کے والی تھے بر طرف کر دیا - اور عرب کے ان اعلیٰ مدبرین کے مشورہ کو قبول نہین کیا - اور فرمایا کہ مین ایسے (معاویہ) شخص کو ایک لمحہ کے لئے بہی والی نہین رکھ سکتا - اس برطرفی سے معاویہ کو یہ موقع ملگیا کہ انہون نے انکار کر دیا کہ علیؓ کو خلیفہ کیون تسلیم کرتا ہے ملو آخر دونون طرف سے ایک عظیم الشان جنگ کی تیاری شروع ہوئی - اور جنگ جمل کے بعد یہ دونون طاقتین صفین مین آ کے ٹکرا گئین۔

ایک سوال یہان پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہات تھے جنکی وجہ سے حضرت علیؓ ایک لمحہ کے لئے بہی انکا والی رکھنا پسند نہین فرماتے تھے - ہم جہانتک خیال کرتے ہین خلفاء راشدہ کے تمام گورنرون مین کامیاب، زیادہ معقول اور زیادہ معزز امیر معاویہ ہی تھے اسلام کی جو خدمتین انہون نے انجام دی تھین وہ ہرگز فراموش اور نظر انداز کرنے کے قابل نہین - اس کے ساتھہ ہی سچے مسلمان - اور تمام ارکان کے پابند تھے - جسکی اس سے بڑہکر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ آنحضرت نے اون کو کاتب وحی مقرر فرمایا تھا

علاوہ برین ان کی زندگی کے حالات پر نظر ڈالتے ہوئے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جس قسم کے اعلےٰ اوصاف انسان مین پیدا کرنا چاہتا ہے وہ سب بدرجہ اتم ان مین موجود تھے غالبًا اس کا سبب یہ تہا کہ حضرت علیؓ ان کے بلند حوصلگی سے خائف تھے اور اون کو یہ خیال تہا کہ اگر وہ گورنر رہے تو کسی وقت ایک بغاوت عظیم پیدا کرینگے۔ کیونکہ امیر معاویہ کے اکثر کامون سے باوجود تمام اسلامی اوصاف کے ایک دنیاوی شوکت اور جاہ طلبی مفہوم ہوتی تہی۔ اسلئے حضرت علیؓ کی سپاہیانہ طبیعت نے ایسے شخص کو جزو حکومت رکہنا مناسب نہ سمجہا۔

جنگ صفین کا نتیجہ خلافت عثمانؓ کے زمانہ مین عمرو بن العاصؓ فاتح مصر معزول کردیے گئے تھے۔ لیکن اون کے دلمین یہ خواہش تہی کہ کسی صورت سے ہو مصر کی حکومت پہر حاصل کرون۔ اس غرض سے امیر معاویہ کے دربار مین پہونچے اور اونہون نے ان سے وعدہ بہی کر لیا کہ اگر مجکو تسلط حاصل ہو گیا تو مین تمکو مصر کا والی مقرر کرونگا۔ چنانچہ جنگ صفین مین عمرو بن العاص کی کوششون سے امیر معاویہؓ کو شکست ہوتے ہوتے بچ گئی۔ اور خلافت کے فیصلہ کے لئے جو دو شخص ابو موسے اشعری اور عمرو بن العاص مقرر ہوئی انہون نے بالآخر معاویہ کے موافق فیصلہ کر دیا۔ اور آخر تمام اہل شام اور بعض دوسرے لوگون نے بہی حضرت علیؓ کی خلافت سے دست بردار ہو کر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا

یہی وہ منحوس وقت تہا جب اسلامی خلافت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور شام کے مستقل خلیفہ امیر معاویہؓ قرار پائے۔ مصر پر اسوقت حضرت علی کی جانب سے قیس بن سعد والی تھے۔ امیر معاویہ نے اونکو اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن وہ نہین مائل ہوئے مگر ایک جعلی خط کے ذریعہ سے جو قیس بن سعد کی جانب سے امیر معاویہؓ کے نام لکہا گیا تہا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ قیس بہی امیر معاویہ کا طرفدار ہے۔ چنانچہ انہون نے محمد بن ابو بکرؓ کو بجائے اونکے والی مقرر کرکے بہیجدیا۔ اور اون کو معزول کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے سوچا کہ اب بلا مصر فتح کئے ہوئے کام نہ چلیگا۔ چنانچہ انہون نے اپنے وزرا اور عمرو بن العاصؓ وغیرہ سے مشورہ کیا۔ عمرو بن العاص نے صلاح دی کہ ایک عظیم الشان لشکر کسی نہایت دوراندیش

تجربہ کار افسر کی سرکردگی مین وہان بہیجا جائے اور وہان کے امرا اور اعیان کا استمزاج کیا جائے کہ وہ کسکے طرفدار ہین - امیر معاویہ نے یہ رائے پسند کی - اور مخفی طور پرا ون لوگون کو خطوط لکہے گئے جسکے جواب نہایت امید افزا ملے - اور آخر ایک جنگی لشکر عمرو بن العاص کی سرکردگی مین مصر بہیجا گیا - وہان پہونچکر عمرو بن العاص نے محمد بن ابو بکرؓ کے پاس کہلا بہیجا کہ مین یہ نہین چاہتا کہ تمکو میری طرف سے کوئی تکلیف پہونچے اسلئے یہ بہتر ہے کہ تم بلا جنگ کے اس ملک کو چہوڑ دو - مگر انہون نے انکار کیا - اور دربار خلافت مین امداد کی درخواست بہیجی - مگر اتنا وقت کہان تہا عمرو بن العاص نے فوراً مصر کو فتح کرلیا اور محمد بن ابو بکرؓ کو بہت بری طرح قتل کر ڈالا - اب شام اور مصر دونون ملک امیر معاویہؓ کے قلمرو مین آ گئے حضرت علیؓ کو مصر کے فتح ہونیکی خبر اسوقت ملی جب یہ کمک روانہ کرنیکی طیاری مین تھے پھر اونہون نے زیادہ طول دینا فضول خیال کیا - اور خاموش ہوکر بیٹھ رہے -

تکمیل خلافت سنہ ۴۱ ہجری مین امام علیؓ نے زخم کہاکر وفات پائی - اور امام حسنؓ کے ہاتھ پر لوگون نے بیعت کرلی امیر معاویہ جو ہر طرح پر اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے اور اسلامی دنیا کے ایک عظیم الشان حصے نے اون کو خلیفہ تسلیم کرلیا تہا امام حسنؓ سے مقابلہ کرنیکے تیاری کرنے لگے سا اور ایک جرار لشکر شام سے لیکر روانہ ہوئے - امام حسنؓ کے پاس چالیس ہزار فوج تہی وہ اونکو لیکر مداین کی طرف روانہ ہوئے اور وہین دونون لشکرون مین مڈبہیڑ ہو گئی -

امام حسنؓ کی فوج مین کوفہ والے تھے جنسے کبہی وفاداری امید نہین ہوسکتی تہی لشکر مین کسی نے غل مچا دیا کہ امام حسن مقتول ہو گئے - اہل کوفہ پلٹ کر اپنا ہی مال اور اسباب لوٹ کر بہاگنے لگے یہانتک کہ خود امام حسنؓ کا خیمہ اور اوس کی تمام چیزین لوٹ لین وہ جس فرش پر بیٹہے ہوئے تھے اونکو اولٹ کر اوس کو بہی لے بہاگے - مجبوراً امام حسنؓ نے جب دیکہا کہ مجکو لڑنے کی طاقت نہین ہے تو امیر معاویہؓ کے پاس ایک خط لکہا کہ آپ سے صلح کرنا چاہتا ہون - بشرطیکہ فارس کے فلان فلان مقامات کا خراج جو سترہ لاکھ درہم سالانہ ہوتا ہے مجکو دیا جانا منظور کیا جائے - امیر معاویہ نے ایک سادہ قرطاس بہیجے

اپنے دستخط بناکر امام حسنؓ کے پاس بھیجدیا اور کہلا بھیجا کہ جو کچھہ شرائط آپ لکھدینگے سب ہمکو
منظور ہین۔ چنانچہ وہ صلحنامہ مرتب ہوگیا۔ اور اوسمین شرطین لکھی گئین امام حسنؓ نے اوس
رقم کی تعداد کو جو اپنے خط مین لکھا تہا صلحنامہ مین ڈبل کردیا۔ مگر بعد مین امیر معاویہ نے اوسکو
منظور نہین کیا اور کہا کہ وہ خط تو صلح کا دیباچہ تہا اوس کے خلاف کسی شرط کو مین نہین منظور
کرتا۔ اس کے بعد وہ کوفہ مین آئے اور وہان سب لوگون نے اونکے ہاتھہ پر خلافت
کی بیعت کی۔ اور اسوقت سے وہ تمام اسلامی سلطنت کے مسلمہ طور پر خلیفہ ہوگئے
اور خلافت جو دو حصون مین منقسم ہوگئی تہی پہر ایک ہوگئی۔

قسطنطنیہ پر حملہ

سنہ ٦٠ ہجری تک پورے ١٩ سال تک انہون خلافت کی۔
اور اپنے فرائض منصبی کو نہایت بیداری مغزی سے انجام دیا۔ سلطنت اسلامی کا رقبہ برابر وسیع
کرتے چلے گئے فارس کا ملک پورا زیر نگین کرلیا اور یورپ کی طرف بہی قدم بڑہایا اور سنہ ٤٩ھ
مین قسطنطنیہ پر حملہ کیا جسکی شوکت اور عظمت کا غلغلہ چاردانگ عالم مین پہیلا ہوا تہا۔
یہ لشکر سفیان بن عوف ایک بڑے منچلے جنرل کی سرگرمی مین بہیجا گیا تہا۔ اسمین یزید
بن معاویہؓ بہی بحیثیت ایک افسر کے شریک تہا۔ حضرت ابن عباس۔ ابن زبیر۔ ابن عمر اور
ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم بہی اس عسکر کے ساتہہ تھے۔ کچھہ حصہ فوج تری راستہ
سے اور زیادہ تر بحری راستے سے کشتیون مین گیا۔ یہ بیڑہ درہ دانیال سے نکلکر بلا
کسی خرخشہ کے بحر مرمرین پہونچا اور قسطنطنیہ کے مغربی جانب تہہ سے سات میل کے
فاصلہ پر ایک مقام سیح قلاع پر ٹہرا۔ وہان مع سازوسامان کے یہ فوج خشکی مین
اتری۔ اور جہازات سواحل پر چہوڑ دئے گئے۔ اہل قسطنطنیہ اسوقت تک متحد اور طاقتور
تھے اور اون مین بہت سے لوگ شام اور مصر کے بہی شامل ہوگئے تھے جن کو کئے بار
مسلمانون سے لڑنیکا اتفاق ہوچکا تہا۔ اسلئے وہ اچھی طرح انکی لڑائی کے ڈہب سے
واقف تھے اسوجہہ سے اس محاصرہ نے بہت طول کہینچا اہل اسلام روزانہ فصیل کے
اردگرد جمع ہوکر منجنیق اور تیراندازی کرتے تھے۔ مگر کچھہ نہوتا تہا۔ فصیلون پر سے مصنوعی
آتشبازی ہوتی تہی جس سے مسلمانون کے بہت سے خیمے اور اسباب اور ہزارون مسلمان جل

جلکر خاک سیاہ ہوگئے ادہر مسلمانون کا ذخیرہ خوراک بہی ختم ہوگیا۔ اور بڑی دشواری پیش آئی۔ آخر اونہون نے ایشیائے کوچک مین بحر مرمرا کے سواحل پر جزیرہ فزنکیس کو اپنا ہیڈ کواٹر مقرر کرلیا۔ یہ جزیرہ قسطنطنیہ سے اسی میل کے فاصلہ پر تہا اسلامی لشکر جاڑے کے موسم مین معہ اپنے جہاز وغیرہ کے یہین آجاتا تہا۔ اور جب گرمی آتی تو پہر قسطنطنیہ کا آکر محاصرہ کرتا متواتر سات سال تک یہی حال رہا۔ امیر معاویہ برابر کمک بہیجتے رہتے تہے۔ مگر اس محاصرہ مین انکو سراسر نقصان ہی نقصان برداشت کرنا پڑتا تہا۔ اس عرصہ مین تیس ہزار مسلمان قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے مارے جاچکے تہے جنمین حضرت ابو ایوب انصاری بہی تہے جنکے شہید ہوجانے سے اسلامی لشکر کو بہت قلق ہوا۔ کیونکہ یہ بہت بڑے صحابی تہے اور جنگ بدر وغیرہ مین آنحضرتؐ کا انہون نے ساتہہ دیا تہا۔ مسلمانون نے انکے جنازہ کو بڑی دہوم دہام سے اٹہایا اور وہین انکو دفن کردیا بعد مین ان کے مزار کا نام ونشان بہی کسیکو نہین معلوم رہا۔ آخر ۱۴۵۳ع مین سلطان محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو انکی قبر کا کہوج لگایا۔ اور یہان ایک جامع مسجد بنوادی جو اب زیارت گاہ ہے۔ لیکن مسلمان برابر محاصرہ کئے رہے۔ یہانتک کہ اہل روم عاجز آگئے اور اونہون نے امیر معاویہ کے پاس دمشق مین صلح کے لئے ایک سفیر بہیجا۔ امیر معاویہ نے اوسکو نہایت خاطر مدارات کے ساتہہ فروکش کیا۔ اور ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جسمین یہ قرار پایا کہ تیس سال تک دونون دوستون مین صلح رہے گی اور ہم تم سے نہ لڑینگے بشرطیکہ پچاس گہوڑے۔ پچاس غلام۔ اور تین ہزار مثقال سونا دربار خلافت مین بطور جزیہ کے ہر سال بہیجا جایا کرے آخر اسی پر صلح ٹہری اور عہدنامہ لکہا گیا۔

قسطنطنیہ کے علاوہ افریقہ مین عقبہ بن نافع کے ہمراہ امیر معاویہ نے ایک فوج بہیجی انہون نے وہان ایک شہر قیروان آباد کیا اور بہت سا حصہ افریقہ کا فتح کیا۔

وفات } امیر معاویہؓ جیسے عالی ہمت اور کارکن واقع ہوئے تہے اللہ تعالے نے انکو ویسی ہی طویل عمر بہی عنایت فرمائی اور انکو اپنے تمام منصوبے پورے کرنے کا

دانی موقع دیا۔ سنہ ۲۰ ہجری مین جب انکی عمر ۳۴ سال کی تھی وہ دمشق کے والی مقرر ہوئے۔ سنہ ۲۲ھ مین سارا شام کا ملک ان کی ولایت مین دیا گیا سنہ ۴۱ھ مین تمام اسلامی سلطنت کی خلیفہ ہوگئے۔ اور انیس سال تک خلافت کی جسمین اسلام کے رقبہ حکومت کو یورپ۔ ایشیا اور افریقہ تینون براعظم مین انہون نے بہت کچھہ وسیع کر دیا حضرت عثمان رضہ کے قتل سے۔ جھگڑے کے بعد جو تفرقے اسلام مین پیدا ہوگئے تھے اون کا اونہون نے ایک حد تک استیصال کیا۔ اور خلافت کا بکھرے ہوئے اوراق کی پہر شیرازہ بندی کی۔ اور تمام پراگندگی کو دور کرکے جنکی بدولت اسلام کی اون فتوحات اور ترقی کی رو کو جو خلفاء سابقین نے شروع کی تہی ایک صدمہ عظیم پہونچا تہا پہر اونکو اوسی راہ پر لائے اور ایک علم کے نیچے اونکو جمع کرکے پہر وہی قوت قایم کی۔ اور حکومت کی طنابین دور دور تک پہیلا دین۔

مگر ایک گروہ شیعان علی کا در پردہ ابہی تک باقی تہا۔ جو باوجود اوس ترقی کے جو امیر معاویہ کی بدولت اسلام کو حاصل ہوئی ہی اون کی خلافت کا دشمن اور بنی ہاشم کی خلافت کا خواہان تہا۔ امیر معاویہ بہی اس امر کو محسوس کرتے تھے۔ اور اون سے یہ امر مخفی نہین تہا اسی وجہہ سے انہون نے یہ خیال کیا کہ ایسا نہو کہ میرے بعد پھر وہی پراگندگی پیدا ہوجائے اور مسلمان آپس ہی مین جنگ وجدال کرنے لگین۔ چنانچہ اونہون نے اس جھگڑے کو رفع کرنیکو خود یزید کیلئے تمام لوگون سے بیعت لیلی۔ گو ممکن ہے کہ اسمین اوس فطرتی محبت کے اثر نے بہی اونکو اس امر پر آمادہ کیا ہو جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے۔ مگر بڑی وجہ اسکی یہی تہی کہ وہ اپنے بعد بغاوت کے تلوار کو تیز دیکھتے تھے۔ اور ڈرتے تھے کہ اگر اسلامی قوتین آپس ہی مین ٹکرا جائینگی تو پہر سارا عروج خاک مین ملجائیگا اور وہ ترقی جو آنحضرت کے زمانہ سے ابتک اسلام کو نصیب ہوئی ہے اوسمین زوال آجائیگا۔ اسلئے اسکے انسداد کا سوائے اسکے اور کوئی طریقہ ہی نہین ہو سکتا تہا کہ وہ اپنے حین حیات ہی ایک شخص کو خلیفہ مقرر کر جائین۔ جسکے ساتھہ ہی وہ تمام جھگڑے ختم ہو جائین جن کا آیندہ اون کو خوف تہا۔

اسلام نے خلافت جمہوری کا اصول رکہا ہے۔ لیکن اسکے ساتہہ ہی عام رائے سے اگر بادشاہ وقت خود ہی کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگون کے مشورہ سے حضرت عمرؓ کیلئے عہد نامہ لکھدیا کہ وہ میرے بعد خلیفہ ہون اسی طرح امیر معاویہ نے یزید کے لئے لوگون سے بیعت لی اور تمام مقامات کے لوگون نے بیعت کرلی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یزید خلافت کے قابل تہا۔ اگر نہین تہا تو امیر معاویہؓ نے امام حسینؓ کو بلاکر اوسکے لئے کیون نہ وصیت کردی اور وہ کیون نہ خلیفہ کئے گئے۔ ؟

یزید کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نا قابل تہا۔ شراب خوار تہا۔ اوس کا چال چلن اچہا نہین تہا۔ مگر یہ الزامات ایسے ہی ہین جیسے مخالفان علیؓ حضرت علیؓ پر مختلف قسم کے الزام رکہتے تہے۔ الزامات اور وہ بہی شیعون کے الزامات یزید پر یا خارجیون کے علیؓ پر از روئے درایت ہرگز قابل قبول نہین ہین۔

امام حسینؓ بیشک خلافت کیلئے سب سے زیادہ موزون تہے۔ مگر جب اوسکے باپ امیر معاویہ کو ایک لمحہ کے لئے گورنر رکہنا گناہ سمجہتے تہے تو امیر معاویہ اونکے بیٹے کا ہمیشہ کے لئے خلیفہ رہنا کیسے گوارا کرلیتے۔

بہر صورت یزید کی خلافت کیلئے تمام دنیاء اسلامی نے بیعت کرلی۔ اور صرف چار شخص رہ گئے تہے جنہون نے بیعت نہین لی تہی۔ جب امیر معاویہ پر مرض الموت کا زیادہ غلبہ ہوا۔ تو اونہون نے یزید کو بلایا اور یہ وصیت کی۔

"اب جنگ وجدال اور نقل حرکت کی تجہے ضرورت نہ پڑے گی۔ سب کچہ مین کرچکا۔ تمام الجہاوے مینے سلجہا دئے اور تمام دشمنون کو مطیع کردیا۔ سرکش عرب تیرے فرمانبردار ہین اور سلطنت کا خزانہ تیرے لئے معمور ہے۔ دیکہہ اہل حجاز تیری جڑ بنیاد ہین۔ جب وہ تیرے پاس آئین تو اونکا اکرام کر۔ اور اون کی خبر گیری ہر وقت رکہہ اور اہل عراق۔ اگر روز تجہہ سے خواہش کرین کہ ایک عامل کو

برطرف کرے تو روز برطرف کردے۔ کیونکہ ایک عامل کا معزول کرنا بہ نسبت اسکے زیادہ آسان ہے کہ سو ہزار تلوارین تجھہ پر کھنچ جا ئین۔ رہے اہل شام یہ تیری حقیقی خیر خواہ اور مددگار ہین دشمن کے مقابلہ مین اُنہین سے مدد لینا اور جب جنگ ہوچکے تو پھر انکو شام ہی مین واپس کر دینا۔ بلکہ اگر دوسرے ملک مین یہ ٹھیرینگے یا سکونت اختیار کرینگے تو ان کے اخلاق بدل جائینگے۔ مجھکو اب تیرے اوپر کسی کا خوف نہین ہے۔ البتہ چار آدمیون سے مین ڈرتا ہون جنہون نے ابتک بیعت نہین کی ہے۔ ایک عبدالرحمن ابن ابوبکرؓ لیکن وہ کم ہمت اور پست حوصلہ آدمی ہین وہ آسانی سے بیعت کر لینگے۔ دوسرے عبداللہ بن عمرؓ مگر انکا شغل عبادت ہے اور وہ تارک الدنیا ہین اون سے بھی کسی قسم کے جھگڑے کی امید نہین ہے۔ جب لوگون کو بیعت کرتے ہوئے دیکھینگے تو وہ بھی بیعت کر لینگے۔ تیسرے حسینؓ بن علیؓ ہین وہ غصہ ور ہین اور زیادہ دور اندیش نہین ہین۔ اہل عراق اون کو مجبور کر کے نکالینگے اور وہ جنگ کرینگے۔ اگر وہ لڑنے کے لئے نکلین اور تو اون پر فتح یاب ہو جائے تو اون کے ساتھہ سلوک کرنا۔ کیونکہ اونسے قرابت قریبہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہونے سے اونکا ہمارے اوپر بہت بڑا حق ہے۔ مگر وہ جو تجھہ کو لومڑی کی طرح بہلا دے گا اور شیر کی طرح تجھپر ٹوٹ پڑے گا عبداللہ بن زبیر ہے اگر قابو مین آجائے تو اوس کی بوٹی بوٹی کاٹ ڈالنا۔ میرے بیٹے! جہانتک ہو سکے اپنی قوم کا خون نہ بہنے دینا۔"

مرض الموت مین بھی مخالفین کی سازشون کا انسداد کرتے رہتے تھے اور جب زیادہ مرض بڑہا تو یہ خیال ہوا کہ ایسا نہو کہ اس وقت مین دشمن فرصت پاکر کوئی جھگڑا پیدا کردین۔ چنانچہ سرمہ لگا کر اور منہ پر تیل وغیرہ ملکر کہا کہ دربار مین مجھکو بٹھا دو۔ پھر اذن عام دیا گیا۔ سب لوگون نے آکر سلامی کی اور مشرف بزیارت ہوکر چلے گئے کسیکی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہان بیٹھہ جائے۔ وزرا اور امرا تک ہاتھہ باندھے کھڑے رہتے۔ اور چہرے کی رونق وغیرہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ اب طبیعت اچھی ہوگئی

جب سب چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ اشعار پڑھے۔

وتجلدی للشامتین اریہم	انی لریب الدہر لا اتضعضع
دشمنون پر مین اپنی جوانمردی کا اظہار کرتا ہون	اور مین مصیبت زمانہ سے زبون نہین ہوا۔
واذا المنیۃ انشبت اظفارہا	الفیت کل تمیمۃ لا تنفع
جب موت کا شہباز اپنے چنگل جمالیتا ہے	تو کوئی تعویذ فائدہ نہین کرتا۔

اور اوسی دن انتقال فرمایا۔ قبل وفات کے یہ وصیت کی تہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجکو ایک قمیص پہنائی تہی مین نے اسے محفوظ رکہا ہے۔ اور آپ نے ایک دن ناخن کٹوائے تہے وہ مین نے ایک شیشی مین رکھ چہوڑے ہین۔ مجکو اوسی قمیص مین دفن کرنا۔ اور وہ ناخن پیس کر میری آنکہون مین ڈالدینا۔

ان کے پاس ذاتی مال بہی بہت تہا۔ اوسکے متعلق وصیت کی کہ آدہا بیت المال کو دیدیا جائے۔ اور آدہا ورثہ کو۔ دمشق مین باب الصغیر کے سامنے دفن کئے گئے۔ ابتک اون کی قبر مشہور ہے۔ اور لوگ زیارت کرتے ہین۔

اخلاق } امیر معاویہ کو جس چیز نے اون کی کامیابی مین سب سے زیادہ مدد دی وہ اون کی خوش اخلاقی تہی بہت سے لوگ انکے حد سے زیادہ مخالف تہے۔ مگر سب کے دل انہون نے اپنے اخلاق کی بدولت اپنی مٹہی مین لیلئے۔ انکا حلم بیحد مشہور تہا وہ بیجا اور بیجا تعدی دونونکو گوارا نہین کرتے تہے۔ بہت سے محبان علی علانیہ انکو برا کہتے تہے مگر یہ ٹال جاتے تہے۔ اشتر نخعی جب ان کے دربار مین آئے تو انہون نے پوچہا کہ تم نے ہی حضرت علی کا ساتہہ دیا۔ انہون نے کہا کہ "ہان ابتک وہی دل ہمارے سینے مین ہین۔ اور وہی تلوارین ہماری میانون مین ہین" یہ سنکر کہا کہ یہ الفاظ سچے دل سے نکلے ہین اور قدر کے قابل ہین۔

انکے حزم اور دانائی کا سکہ ابتدا ہی سے لوگون کی دلپر بیٹہا ہوا تہا۔ اور انکی خلافت کی قابلیت مین

ایک شخص نے بھی اختلاف نہیں کیا ہی۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ کسریٰ اور قیصر کی عقلمندی اور مدبری کا کیا تذکرہ کرتے ہو جبکہ تم مین معاویہ موجود ہے ؟

انکی طبیعت مین ایسی ذہانت اور فطانت تہی کہ پیشانی سے لوگون کے دلکے خیالات اور ارادے معلوم کرلیا کرتے تھے ایک وقت بہت سے دنیا دار فقرا بڑے بڑے جبّے اور عمامہ و دستار پہن انکے دربار مین آئے۔ انہون نے اونکو بڑی عزت اور توقیر سے بٹہلایا۔ اور انعام واکرام عطا فرمایا جب وہ رخصت ہوئے تو مسکرائے اور فرمایا کہ سب شکاری ہین لیکن جال مختلف ہین۔ ابوموسیٰ اشعری جو کوفہ کی ولایت سے برطرف کردئے گئے تھے امیر معاویہ کے دربار مین اس امید سے گئے کہ وہ مجکو پہر انہین کی ولایت عطا کرین۔ دربار مین پہونچکر انہون نے کہا۔ السلام علیک یا امین اللہ انہون نے کہا وعلیک السلام۔ اس سے زیادہ گفتگو نہین ہوئی۔ اور وہ تہوڑی دیر تک حاضری دیکر واپس چلے آئے۔ امیر معاویہ نے لوگون سے کہا کہ یہ شیخ اسلئے آیا تہا کہ مین اوسکو یمن کا والی بناؤن لیکن واللہ مین ہرگز اوسکو ولایت عطا نہ کرونگا۔ عمرو بن العاص نے بھی ایک مرتبہ کسی موقع پر کہا کہ کیا مین آپکا خیرخواہ نہین ہون۔ معاویہ نے کہا اسی سبب سے تو تمہارا عروج ہے یعنی تمہاری خیرخواہی اپنے مطلب کے لئے ہے نہ کہ میری بہتری کے لئے۔

روزانہ زندگی۔ بڑے سویرے صبح کو اٹھکے فجر کی نماز مسجد مین جاکر پڑھا کرتے تھے۔ وہان سے واپس آکر جبتک دن نہین نکلتا تہا گذشتہ بادشاہون اور جنرلون کے حالات اور تواریخ سنتے تھے جیسے اسکندر۔ ہنیبال۔ قیصر جولیس۔ آگسٹس اور روم کے حالات اور ان لوگون کے جنگی کارنامے اور سیاست و حکمرانی کے اصول اور طریقے ہوتے تھے اس کام کیلئے بہت سے خوش بیان لڑکے نوکر تھے جو مورخین سے دریافت کرکے تمام تاریخی حالات یاد کرتے تھے اور سناتے تھے۔ چونکہ وہ خود نہایت درجہ مدبر اور بیدار مغز تھے اسلئے انکی یہی روحانی غذا تہی اور اپنے اوس فطرتی مادے کو ان معلومات سے اور صیقل دیتے تھے۔ روشنی جب پہیل جاتی تہی تو پہر قران کی تلاوت کرتے تھے۔ اسکے بعد محل مین جاتے تھے اور تہوڑی دیر کے بعد وہان سے برآمد ہوتے تھے۔ چار رکعت نماز پڑھکر

دربار مین بیٹھتے تھے - اور وزرا و خاص الخاص لوگون کو بلاتے تھے - اور اس دن کے تمام
کاروبار کے متعلق حکم دیتے تھے اور دربار ہی مین ناشتہ لایا جاتا تھا - جب ناشتے فارغ
ہوتے تھے تو پھر اندر تشریف لیجاتے تھے اور بہت جلد باہر آکر مسجد کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ
جاتے تھے - وہان عوام مین سے جسکو جو کچھ کہنا ہوتا کہتا تھا - جب یہان بھی کوئی باقی نہین رہتا
اور سب لوگ اپنی اپنی کہہ چکتے تھے - اور اوسکا بندوبست ادا ہو جاتا تو دربار عام مین تخت پر
بیٹھتے تھے - وہان سب لوگ قرینہ سے اپنے اپنے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سلام کرکے بیٹھ
جاتے تھے اور سبکو امیر معاویہ سلام کا جواب دیتے تھے - ان لوگون سے عام ملکی معاملات کے
متعلق گفتگو کرتے تھے اور اسطرح پر ملک کی عام رائے کا انکو اچھی طرح اندازہ رہتا تھا -
کیونکہ ہر شخص آزادی کے ساتھ وہان اپنے خیالات ظاہر کرتا تھا - اور ان لوگون کو تاکید تھی کہ جو
ایسے معاملات ہون کہ مجھ تک نہ پہونچ سکتے ہون اونکو لوگ مجھ تک پہونچاؤ اور اونکے
بندوبست کا طریقہ بتاؤ - کیونکہ ہم اور تم سب ملک کی بہتری کیلئے کام کرتے ہین پھر دربار برخاست
ہوتا تھا - اور دسترخوان بچھایا جاتا تھا اسوقت بھی جو شخص کوئی عرضی یا درخواست پیش کرنا چاہتا ہو اسکو
اندر آنیکی اجازت تھی - اندر آکر وہ بھی دسترخوان پر بیٹھ جاتا - اور کھانا کھانے لگتا - اور جب اوسکا کام
ہو چکتا تو فوراً وہ ہٹ جاتا - اور دوسرا شخص آجاتا - اسکی بھی جب تک عرضی پڑھی جاتی اور اوسپر حکم لکھا جاتا
وہ دسترخوان پر کھانا کھاتا - اور جب حکم لکھا جا چکتا تو فوراً اوٹھکر الٹے قدمون واپس چلا جاتا - بعض بعض
روز ایسے لوگون کی تعداد کھانا کھانے تک چالیس تک پہونچ جاتی تھی -

پھر وہ اوٹھکر زنانخانہ مین قیلولہ کرنیکو تشریف لیجاتے - جب ظہر کی اذان ہوتی تو نکلتے اور ظہر کی نماز
پڑھاکر دیوان خاص مین بیٹھتے - اور وہان وزیر خاص کے ذریعہ سے بیرونجات اور مضافات
کے معاملات پیش ہوتے - اور اونپر حکم لکھاتے - پھر اگر جاڑے کا موسم ہوتا تو کلچہ خشک نان حلوا
لوزینہ وغیرہ اور خشک میوے تناول فرماتے اور گرمی مین تر میوے - اکثر وزیر یا بعض اور وزراء
الخاص سے خاص معاملات مین مشورہ لیتے پھر عصر کی اذان ہوتی - اور جاکر نماز پڑھاتے - وہان سے
سیدھے گھر مین چلے جاتے - اور پھر کسیکو باریابی نہین حاصل ہوسکتی تھی آفتاب ڈوبنے کے قبل پھر
برآمد ہوتے اور اسوقت دسترخوان بچھا جاتا - اور تمام اہل دربار انکے ساتھ کھانا کھاتے بعد نماز

مغرب کی اذان ہوتی اور نماز پڑہاتی اور اسکے بعد چار رکعتیں اور پڑہتے پھر محل میں تشریف لیجاتے جب عشا کی اذان ہوتی تو مسجد میں تشریف لاکر نماز پڑہاتے اور پھر وزراء خاص نشین ارکان سلطنت جمع ہوتے اہل ادب اور علما بھی آجاتے اور علمی قسم کی باتیں مختلف عنوانات پر ہوتی رہتیں اس وقت دن بھر کے کام سے تھکے ہوئے دماغ کی تفریح ہوجاتی زیادہ تر گذشتہ کار نامے اور آنحضرت و خلفاء سابقین کے تذکرے رہتے تھے۔ عرب کے اشعار اور انکی جہالت کے زمانہ کے قصے اور انکی مکر و فریب کے واقعات بھی لوگ بیان کرتے تھے۔

یہ امیر معاویہ کی روزانہ زندگی ہے جسکو پابندی کے ساتھ انہوں نے نباہا اور سوائے اہم مواقع مثلاً جنگ یا دورہ یا حج وغیرہ کے اسمیں کسی قسم کی بھی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔

اقوال حضرت امیر معاویہ کی تمام باتیں نصیحت خیز اور عقل و حکمت سے پر ہیں۔ یہ نہ صرف ایک بہت بڑے مدبر یا بادشاہ ہی تھے بلکہ نہایت اچھے عالم و زبردست مقرر تھے جمعہ کو خود ہی (جو) وعظ فرمایا کرتے تھے انکا وعظ اطالہ ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ طبیعتوں میں کام کرنے اور اسلام کی خدمت کرنیکیلئے ایک اعلیٰ جوش پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ وعظ میں نہایت جوش میں فرمایا تھا کہ مجھکو دنیا میں اوس شخص کے ساتھ زیادہ محبت ہے جو بنی نوع انسان کی محبت رکھتا ہے۔ انکا قول ہے کہ حلم عقل اور علم یہ تین نعمتیں اللہ کے بندوں پر تمام نعمتوں سے زیادہ افضل ہیں۔ جب اوسکو بات بتائی جاتی ہے تو وہ سمجھتا ہے جب انعام پاتا ہے تو شکر کرتا ہے جب مصیبت آتی ہے تو صبر کرتا ہے غصہ کو برداشت کرتا ہے برائی سے توبہ کرتا ہے اور خطاوں کی بخشش چاہتا ہے انکی باتوں میں ایک فلسفیانہ حلاوت بھی ہے جو جہلا کو کم لیکن عقلا کو نہایت لطیف معلوم ہوتی ہے۔ اشعار میں سے وہ شعر کو پسند فرماتے تھے جو عاشقانہ نہو اور جسمیں کوئی حکمت کی بات نہایت خوبی سے ادا کی گئی ہو۔ ہجو اور جلب منفعت کیلئے مدح کو وہ بہت برا سمجھتے تھے

صورت حلیہ علما کا قول ہے کہ اگر حزم۔ دانشمندی اور بیدار مغزی پر خلافت کا انحصار ہوتا تو امیر معاویہ کے سوا اسوقت کوئی دوسرا خلیفہ ہو نہیں سکتا تھا اسیطرح اگر صرف خوبصورتی ہی پر خلافت کا مدار ہوتا تب بھی سب سے زیادہ اس کے مستحق یہی ہوتے جیسا کہ بعید ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسکے یہ معنی ہوئے کہ جسطرح امیر معاویہ اپنے اعلیٰ باطنی اوصاف میں فرد تھے اوسی طرح خوبصورتی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انکا رنگ گورا تھا جسمیں سرخی جھلکتی تھی چہرہ آفتابی تھا۔ اور بشاشت اور بشاشت نظر آتا تھا آنکھیں بڑی بڑی اور نہایت چمکدار معلوم ہوتی تھیں نیچے کا لب ہنسی میں الٹ جاتا تھا۔ یہ ایک ادا میں وقار رہتا تھا۔ اور نہایت بارعب تھے۔ باوجود حد درجہ خوش خلقی کے ممکن نہ تھا کہ انکے چہرہ کو کوئی آنکھ بھر کر دیکھے۔ قد متوسط دہرا اور جسم گول گداز تھا۔

ایجادات پیشتر خطوط بذریعہ قاصد کے بھیجے جایا کرتے تھے۔ انہوں نے ڈاکخانہ کا نظام قایم کیا جس سے ہر شخص کو خط بھیجنے میں آسانی ہوگئی اور خاصکر سرکاری مراسلات کی باقاعدہ پہنچنے سے نظام سلطنت ٹھیک ہوگیا۔ فقط

مرزا عبدالجبار شاہپوری۔

تنقید

نواب محسن الملک مرحوم

نواب صاحب مرحوم کی بیوقت وفات سی مسلمانان ہندوستان کو ایک ایسا عظیم صدمہ پہونچا ہی جسکی تلافی شاید مدت تک نہو سکیگی مرحوم نے جس جوش اور ہمت کے ساتھ قوم کی تعلیمی اور سیاسی بہبودی کیلئے اپنی ذات کو وقف کردیا تہا اسکی اور کوئی مثال مسلمانوں مین سوا سرسید علیہ الرحمۃ کی نظر نہین آتی۔ اس باب مین جیسی بےنظیر سرگرمی آخر وقت تک نواب مرحوم کیجانب سی ظاہر ہوتی رہی اسکی لحاظ سی ہم انکو بلا شبہہ "شہید وفا" کا خطاب دیسکتی ہین۔ سیاسی معاملات مین مرحوم کی رائے سی ہمکو اتفاق نہ تہا اور نہ اب ہی لیکن ہمکو بحیثیت مسلمان انکی اس آخری بیان کو صحیح تسلیم کرنا چاہیی کہ "مینے جو کچہ کیا وہ نیکنیتی کے ساتہ قوم کی بہبودی کیلئے کیا" پس جب انکی نیک نیتی مسلم ہوگئی تو پہر انکی سیاسی رائے کی صائب یا غیر صائب ہونیکی بحث ہی باقی نہین رہتی بلکہ صرف یہ دیکہنا رہجاتا ہی کہ آیا وہ اپنی رائے پر استقلال کیساتہ قائم اور عامل ہی یا نہین۔ بیشک ہی اور مرتی دم تک رہی اور یہی وہ بات ہی جسکی بنا پر ذاتی اختلاف رائے کے باوجود ہماری نظر مین مرنیکی بعد انکی عزت کچہ گونہ زیادہ ہوگئی کیونکہ بقول غالب ؎

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہی
مرے بتخانے مین تو کعبے مین گاڑو برہمن کو

انکی جانشینی کیلئے نواب وقار الملک بہادر سے بہتر اور کوئی شخص نہین ہوسکتا اور ہم خوش ہین کہ جمہور کا بہی یہی خیال ہے۔

اُپادھیا برہم بندہب

اڈیٹر بنگالی اخبار "سندھیا" کی افسوسناک انتقال سی ملک کی ہاتہ سی تحریک حریت کا ایک زبردست حامی جاتا رہا ہی کلکتہ کانگریس کی موقع پر ہمکو ان سی ذاتی طور پر نیاز حاصل ہوا تہا اور ہم کہہ سکتے ہین کہ انکی ذات ہمت و استقلال کا ایک عظیم الشان پہاڑ تہی اور انکا دل آزادی اور بیخوفی کا ایک بے پایان سمندر تہا یہی وجہ ہی کہ انکی مرگ بے ہنگام کو ہم تمام قوم کیلئے عموماً اور قومی گروہ فریق کے لئے خصوصاً ایک سخت حادثہ سمجہتی ہین۔ مقدمہ سندھیا کے دوران مین انکا یہ عزیز بیان ہندوستان کی تاریخ آزادی مین ایک یادگار رہنے کے طور پر درج کیا جائیگا کہ "سوراج کی تحریک ایک خدائی تحریک ہی اور اسکی تائید مین جو کچہ مینے کیا فرض سمجہکر کیا ہی اسکی لئے مین کسی غیر قوم کی گورنمنٹ کو جوابدہ نہین ہوں" مرحوم کی قید نے یورپ والوں کو ساتہ انکی شاہانہ طبیعت نے چل کر ایک ایسی شان پیدا کردی تہی پس اب انکو کوئی ملکی و الا الغیر تماشہ نہین دیکہ سکتا تہا انکی جدائی کی حسرت اور رنج کے درمیان ایک اطمینان کا بہی موجب ہے کہ اب وہ آزادی حاصل کرکے ایک ایسی عالم مین پہونچگئے ہین جہان ظالمون کا ظلم قانون و انصاف کی پردہ مین روپوش نہین ہوسکتا

آئندہ اجلاس کانگریس

فریق نرم کے گروہ ہونے کی آئندہ کانگریس کو ناگپور سی امید نہ تہا انکی نزدیک نا ممکن ہو سکتا تہا کہ فریق گرم فریق کی قوت کا اندازہ کیا جائے لیکن جب یہ اندازہ غلط ثابت ہوا تو انہوں نی مصمم عہد کرلیا کہ کانگریس کو ناگپور مین نہ ہونے دینگے چنانچہ پہلے خود ہی بے ضابطہ کارروائیان کرکے انہوں نے بنائے فساد پیدا کی

اور پھر خود ہی وہ شست گئے اور ایسے روٹھے کہ کسیطرح نہ منے انتخاب صدارت کا اختلاف اور بعض طالبعلموں کی
گستاخی کے بہانے ظاہری تھے اصلی سبب یہ تھا کہ آخر میں مسٹر مہتہ اور انکے گروہ کو اس امر کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا
کہ ناگپور کانگریس کے ڈیلیگیٹوں میں زیادہ تعداد قومی فریق کی ہوگی اور اس حالت میں نرم پریسیڈنٹ کا ہونا
نہونا برابر ہو جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب گرم فریق نے یہ سب باتیں منظور کرلیں کہ صدر انجمن نرم ہو۔ اگزیکٹیو کمیٹی سے
گرم ممبر بالکل علحدہ ہو جائیں اور فریق نرم کی مطلوبہ رقم بھی بطور قرض ادا کر دیجائیگی تب بھی گرم مجالس مذکورہ بالا
نظر سے اور شاید (گورنمنٹ ممالک متوسط کے ایما کی بنا پر) نرم لوگ کسیطرح کانگریس کو ناگپور بلانے پر راضی ہوئے
اور انکے رہنما یعنی سر فیروز شاہ مہتہ نے جسقدر جلد ہو سکا کانگریس کو پہلے مدارس لیجانیکی کوشش کی لیکن یہ معلوم
ہوا کہ وہاں بھی قومی گروہ کی ایک کافی تعداد موجود ہے تو سورت کو جو سیاسی معاملات میں سوتی ہوئی شہر ہے محض اس خیال سے
پسند کیا کہ وہاں انکے زیر اثر ہیں اور انکی ہی بہار ہوگی سو اگر فریق تو وہاں کسی قسم کے لیڈر کا بھی وجود نہیں پایا جاتا
کانگریس کو قومیت کی پاک اثر سے محروم رکھنے کے متعلق ہمارے نرم بزرگوں کی یہ کاروائی قابل افسوس ہی نہیں بلکہ
لائق مضحکہ بھی ہے کیونکہ تحریک حریت اور جذبہ قومیت کی روزافزوں قوت کی خلاف ایسی چالاکیاں دریا کے
تند دھارے کے مقابلہ میں خس و خاشاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتیں اور ہر ہوشمند شخص ان سادہ لوح لیڈروں سے
بزبان عوام یہ سوال کرسکتا ہے کہ "بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی"۔

فخر ملک لالہ لاجپت رائے کی رہائی۔ پر اہل ہند کا خوش ہونا ایک فطرتی امر ہے لیکن اس
باب میں ہمارے نزدیک گورنمنٹ ہند کسی شکریہ کی مستحق نہیں ہے کیونکہ اس نے لالہ صاحب کو جمہور کی
درخواست پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ محض اپنی خوشی سے اور غالباً اپنی کسی پولیٹیکل غرض کے لئے (جسمیں مسٹر مارلی
کی فریق نرم کو اپنی جانب کھینچ لانیوالی پالیسی کا بھی شائبہ ضرور ہے) اب جیسا بتایا جا رہا ہے اور ایک طرح
جمہور کی ہتک کی ہے کہ ہمارے نزدیک تمہاری خواہشوں اور رائے کی ایک پر کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں ہے
اور ہم جس ہندوستانی کو جسوقت چاہیں قید کرسکتے ہیں اور پھر جس وقت چاہیں رہا کرسکتے ہیں پس بقول
اخبار بندے ماترم۔ ہمکو اس آزادی کو آزادی تسلیم کرنے سے انکار ہے جو ایک وقت میں بلا وجہ سلب ہو سکے
اور دوسرے وقت پھر دلائی جائے اور اسلئے اس موقع پر کسی ہندوستانی کا حد سے زیادہ خوش ہونا یا گورنمنٹ
کو مبارکباد دینا ہمارے خیال میں ہوشمندی سے بعید ہے۔ اہل ہند لالہ صاحب کی ملکی خدمات کا
اعتراف اس سے بہتر طور پر نہیں کرسکتے کہ انکو بلا اختلاف رائے آئندہ کانگریس کا پریسیڈنٹ مقرر کریں۔

غزل جناب مولوی رضا علی صاحب وحشت کلکتی

نہ میسر آئی اک دن مجھے قلب کی حضوری
ہوئی عمر اپنی آخر گئی مگر نہ یہ دوری

نہیں کام کا سلیقہ ہے ولی ہوائے خدمت
نہ کہیں سبک بنائے مجھے میری بے شعوری

ترے پھر کے آتے آتے کہیں یہ نہ ہو کہ قاصد
مری جان پر بنا دے میری دل کی ناصبوری

میں غرور سے ہوں مجسم کہ ہے ناز خاکساری
میں قصور ہوں سراپا کہ ہے زعم بے قصوری

ہے یہ رنگ فارسی کا جو ہے تیرے ریختے میں
تیری اب جگہ ہے **وحشت** بمقابل ظہوری

غزل جناب مولوی حکیم عبد الهادی خان صاحب وفا رامپوری

وہ دماغ اب کہاں ہے کہ مجھے خیال ہوگا
نہ رہا وہ دل کہ ظالم تجھے پھر ملال ہوگا

جو فروغ لایزالی بسر کمال ہوگا
نہ یہ صبح و شام ہوگی نہ یہ ماہ و سال ہوگا

صف حشر چھپاتی ہے عبث اے ہوائے محشر
اسی کوئے دلنشیں میں دل پائمال ہوگا

دم واپسیں ہے بلکہ لب خامشی ہے حسرت
ابھی ہو کے خون جو ٹپکا وہ مرا سوال ہوگا

نہ خاک رنگ لائی ہے بہار کا سماں بھی
مرے دست خونچکاں میں دل خستہ حال ہوگا

ہے دماغ جنت آئیں تو بسا رہے ہو رنگیں
وہ کرشمہ باغبان چمن خیال ہوگا

یہ **وفا** دل حزیں ہے جسے ہم نے خوش نہ دیکھا
یہ نہال وہ نہیں ہے جو کبھی نہال ہوگا

غزل حضرت ضامن کنتوری

خدا تو کہہ نہیں سکتے خدا کی شان عالی ہے
مگر اپنی جگہ وہ بت مثال بے مثالی ہے

تیرے اک گوشۂ دامن کا طالب ہے غبار اپنا
نہ ذوق سرفرازی ہے نہ تاب پائمالی ہے

دیے سب کام چھوڑ اب والفرشتوں ہمیشہ کر تو رہیں
تیرے دربار میں آنے کی یہ صورت نکالی ہے

خدا آباد رکھے تیرے میخانے کو اے ساقی
بھرے ہیں سیکڑوں دل لیکن مرا پیمانہ خالی ہے

یہ مہر و ماہ ہیں دونوں ہمتی کو داغ گردوں پر
سو پستی کہیں جھکتے ہیں جنکی طبع عالی ہے

بچائے خاکساری خاک ہو [illegible]
یہ ہستی صورت نقش قدم مٹ جانے والی ہے

نہ پوچھو حال ہے **ضامن** آزادہ مشرب کا
نہ مومن ہے نہ کافر اک رند لاابالی ہے

غزل جناب محشر لکھنوی

زینت میں ہر ایک اپنی ادا دیکھتے رہنا / آنکھوں سے مری شان خدا دیکھتے رہنا
اے دیدۂ پرنم تمہیں قاتل کی قسم ہے / خنجر کی روانی کو ذرا دیکھتے رہنا
دل دیدیا بے عذر مگر عرض ہے اتنی / فرصت ہو تو انداز وفا دیکھتے رہنا
تاکید دل و شوق یہ ہے مجھکو شب وصل / شکوہ نہ بڑھے حد سے سوا دیکھتے رہنا
احباب سے ہے نزع میں اتنی مری خواہش / وہ آتے ہیں پہلے کہ قضا دیکھتے رہنا
محفل میں جو دیکھا مجھے دربانوں سے بولے / ہمنے نہ کہا تھا کہ ذرا دیکھتے رہنا

دل دیکے تم اوس بزم میں جاتے تو ہو محشر
لیکن طرف زلف رسا دیکھتے رہنا

غزل جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی

ہنگامہ اک لئے شب فرقت بھی آگئی / لو آگئی عزیز قیامت بھی آگئی
ہو لے تعلق اوسکی نگاہوں کا کیا کہوں / اڑنا نظر کا تھا کہ طبیعت بھی آگئی
پیدا وہی ہوئی کہ تحمل نہ ہو سکا / آخر کو میرے لب پہ شکایت بھی آگئی
مقتل میں اک وہی تو طرفدار ہیں مرے / جب تیغ اٹھا لی تمنے نزاکت بھی آگئی
کیا دیکھتے ہو گور غریبان میں عزیز / ہم کو ڈھونڈتے تھے وہ تربت بھی آگئی
اے طول شام ہجر بس اب داد مانگ لی / میں منتظر تھا صبح قیامت بھی آگئی
بدلے ہوئے ہیں دن ہی سے آثار روز ہجر / کیا دیکھئے ہو شام مصیبت بھی آگئی
تھا دلفریب یہ کنعان کا کچھ خیال / پیش نگاہ آپکی صورت بھی آگئی
کیوں چارہ ساز ایک نظر اوسکو دیکھ لوں / اب کیا ہے مجھمیں تھوڑی سی طاقت بھی آگئی
تھا یہ خیال مجھمیں تغیر ہے اتنا کیوں / آئینہ دیکھئے آپکی صورت بھی آگئی
اے جانیوالے گور غریبان کے ہوشیار / زیر قدم عزیز کی تربت بھی آگئی

غزل جناب مولوی محمد اسمعیل صاحب فصیح وکیل فتحگڈھ

رخنہ گر چرخ کی بند او نہ ہو راہیں کیونکر / وہ اگر چاہیں بھی ہمکو تو نباہیں کیونکر

تم گلے کو ملو ہم نکرین اُف کیسا خوب
تم سے ملتے رہو دل ہم نہ کرین کیونکر

دل تو دل ہمکو نہین جان بہی اپنی یہ عزیز
وہ کہنچا ہین تو بہلا ہم اُسے چاہین کیونکر

تم تو تہے مجہہ سے کہین بڑہ کے پراگندہ حواس
تم چہپا لیتے تو محبت کی نگاہین کیونکر

رخصت اے رشک کہ ہم صلح عدو سے کرلین
دیکہہ لین ہم بہی کہ لڑتی ہین نگاہین کیونکر

کوئی رستہ عالم بالا سے پلٹتی ہی نہین
اے وزیر آتی ہین واپس تیری آہین کیونکر

غزل حسرت موہانی

اے گریۂ محرومی تو جان محبت ہی
تو جان محبت ہے ایمان محبت ہے

ہرچند کہ بیتابی ہے لازمۂ محنت
ہم چپ ہین کہ ایسا ہی فرمان محبت ہے

ہون دولت و حشمت پر یا بہجہ ہر نازان
یان بیسروسامانی سامان محبت ہے

مجبوری و حیرانی آغاز کی تہین باتین
اب بیخودی و بیجانی پایان محبت ہے

درخورد شکایت تہی بیداد تری لیکن
منظوری وفا سوزی شایان محبت ہے

اظہار کرم ویسا یا مشق جفا ایسی
وہ شان مروت تہی یہ آن محبت ہے

بیگانۂ آرائش مستغنی آسائش
اے بیخبری حسرت حیران محبت ہے

غزل جناب تفضل حسین صاحب فطرت کلکتی

دل مین ہر موج ذرہ کوہ آتشبار ہے
بیخودی مین ارتعاش عشق بہی بیکار ہے

تجہکو اپنی دید مین کیون مجہ سے انکار ہے
دیکہہ آ [illegible] خوددار ہے

حدت طبع کی کثرت ہے یہان باد آفرین
جیسے اشک غم دلیل آہ آتشبار ہے

اب نہین تاب شنیدن طبع نازک کو مری
جنبش منقار عنقا بہی مجہے آزار ہے

ورنہ ہے ولی ابہی مین منزل اول مین ہم
پیروی غالب کی اے فطرت بہت دشوار ہے

اردوئے معلی کا ماہوار رسالہ جدید

اڈیٹر سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے

[illegible]

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک

قسم اول [illegible]

قسم دوم [illegible]

قسم سوم [illegible]

نوٹ (۱) اردوئے معلی [illegible] سالانہ [illegible]

[illegible] شائع ہوتے ہیں [illegible]

[illegible]

نوٹ (۲) [illegible] کتابوں [illegible]

[illegible] قسم اول دوم و سوم [illegible]

[illegible]

دیوان غالب - طبع ثانی [illegible] دیوان قیمت [illegible]

دیوان مصحفی [illegible] **دیوان شیفتہ** [illegible]

دیوان حسرت [illegible] **دیوان میر سوز** [illegible]

دیوان قائم [illegible]

[illegible]

[illegible]

اردوئے معلی جلد [illegible]

اردوئے معلی جلد [illegible]

اردوئے معلی جلد [illegible]

[illegible]

درخواست خریداری بنام مینجر اردوئے معلی علیگڈھ

سرمے کا [illegible]

[illegible] مرحمت [illegible]

[illegible] یونیورسٹی سے سند یافتہ [illegible] ڈاکٹر [illegible] کی تصدیق فرمائی ہے [illegible] ضعف بصارت و تاریکی [illegible] ابتدائی موتیا بند [illegible] پانی [illegible] استعمال سے بینائی [illegible] جاتی ہے اور [illegible] عینک کی حاجت [illegible] سے لیکر [illegible] قیمت فی تولہ [illegible] سرمہ اعلیٰ [illegible] فی تولہ [illegible] خالص [illegible] فی تولہ [illegible] محصول ڈاک [illegible]

المشتہر

[illegible] شہر بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

ان سے بڑھکر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے

[illegible] صاحب نے خود بنایا [illegible] استعمال کر کے [illegible] سرمہ نہایت ہی مفید [illegible] آنکھوں کی بیماری کے واسطے [illegible] آج تک کوئی سرمہ [illegible] زیادہ فائدہ بخش نہیں [illegible] آنکھوں [illegible] شکایت [illegible] استعمال کرینگے [illegible] سفارش کرتا ہوں [illegible] مفید اور فائدہ بخش ثابت ہوگا [illegible] انگریزی ادویات سے زیادہ فائدہ [illegible] ثابت ہوگا [illegible] ملک اور قوم پر [illegible] احسان کیا ہے اسکا شکریہ [illegible] آپکو [illegible] اور ہر طرح کی بیماریوں سے نجات حاصل کریں۔

[illegible] حضور نواب صاحب بہادر بہاولپور

رجسٹرڈ نمبر ا ۲۵۱

اردوئے معلی

نمبر ۶ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۷ء | جلد ۹

مرتبہ سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے

فہرست مضامین

مقام اشاعت دفتر اردوئے معلی علیگڈھ

اردو پریس علی گڈھ میں طبع ہوا

قیمت سالانہ قسم (۲) (۲) روپے چار آنے

نوٹس کتب واخبارات جدید

سٹیزن الہ آباد - صوبجات متحدہ کا یہ مشہور نیشنلسٹ اخبار شروع سنہ ۱۹۰۶ء سے اپنے مالک واڈیٹر مسٹر جتندر ناتھ سین کے عالی ہمتی کی بدولت ہفتے مین ایک بار کے بجائے دو بار شایع ہونے لگا ہے اور قیمت سالانہ مع محصولڈاک سے مقرر کیگئی ہے - ہم اپنے اس ہمعصر کی کامیابی کے دل سے خواہشمند ہین اور ناظرین اُردوی معلی کی اسکی خریداری کیجانب توجہہ دلاتے ہین -

سوراجیہ الہ آباد - الہ آباد کے اس ہندو قومی اخبار کی نسبت ماہ گذشتہ مین ہم ایک نوٹ دیچکے ہین لیکن تو اس خوبی کیساتھ اپنے فرائض ادا کر رہا ہے کہ ہمین خریداران اُردوی معلی کو اسکی خریداری کی جانب دوبارہ متوجہ کرنے کے لئے اپنے اس قول کے دہرانے مین ذرا بھی تامل نہین ہے کہ صوبجات متحدہ مین اس سے بہتر اور کوئی نیشنل اُردو پرچہ اسوقت موجود نہین ہے - امید کہ روزافزون ترقی کے ساتھ اسکی اشاعت بھی اخبارون سے بڑھ جائیگی - قیمت سالانہ مع محصول صرف ۲ھ

برق گورکھپور - ریاض الاخبار کو لکھنو منتقل ہونے کے بعد سے حکیم برہم صاحب سابق ایڈیٹر ریاض الاخبار و فتنہ نے اپنا ایک ہفتہ وار اخبار اپنے زیر اہتمام نکالنا شروع کیا ہے - تجم ۲۰×۲۶ کی تقطیع کے ۱۲ صفحونکا ہوتا ہے - قیمت مع محصول للعہ سالانہ ہے - کاغذ لکھائی چھپائی سب قابل اطمینان ہین مضامین بھی دلچسپ مرنجان مرنج قسم کے ہوتے ہین شائقین درخواست خریداری حکیم صاحب موصوف کی خدمت مین روانہ کرین -

ید بیضا - اس نام کا ایک قابل تعریف رسالہ سکندرآباد ضلع بلند شہر سے ماہوار شایع ہوتا ہے عبد الغفار صاحب اختر الہ آبادی بی - اے سابق طالبعلم علیگڈھ کالج کی توجہہ سے اس رسالے کے مضامین اُردو کے معمولی رسالون سے بہتر ہوتے ہین - لکھائی چھپائی قابل اطمینان - حجم ۴۸ صفحہ قیمت سالانہ عہ مع محصولڈاک درخواست خریداری بنام منیجر روانہ کیجائے -

مخزن الفوائد - مولفہ سید محمد رفیع عالی موظف اہلکار مطبع سرکاری بھوپال جسمین مختلف زمانون کے پیمانون سکہ جات اور مقادیر کی تاریخ اور انکا حال بیان کیا گیا ہے - کتاب کی مفید ہونے مین کوئی شبہہ نہین حجم ۲۳۰ صفحے قیمت صرف ۸ر منیجر صاحب اخبار نیر اعظم مرادآباد سے ملیگی -

سفرنامہ کشمیر - مولفہ محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین لاہور قیمت ۸ر کتاب عجیب اور مفید ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہر

از ۱۱۵۶ھ تا ۱۲۰۶ھ

نام و تخلص فخرالدین خان نام ماہر تخلص خلف اشرف علی خان فغان شاگرد مرزا رفیع سودا دہلوی اپنے والد کی طرح انہون نے بھی ترک وطن کر کے لکھنؤ مین سکونت اختیار کر لی تھی۔

عہد شاعری ان کے قیام لکھنؤ اور نواب آصف الدولہ کے دور حکومت کا ایک ہی زمانہ تھا چنانچہ نواب ممدوح کے علاوہ اس عہد کے دیگر مشاہیر امرا تک بھی انکی رسائی تھی ان سب مین سے مہاراجہ ٹکیت رائے کی مدح انہون نے خصوصیت کے ساتھ اور متعدد مقامات پر کی ہے اور حق یہ ہے کہ مہاراجہ موصوف کی فیاضی اور انسانی ہمدردی اسیقدر بلکہ اس سے بھی زیادہ ثنا و صفت کی مستحق تھے۔ لکھنؤ اور نواح لکھنؤ مین اکثر پل تالاب اور کنوین ان کے بناکردہ اسوقت تک موجود ہین جنسے خلق خدا کو فائدہ پہونچ رہا ہے اور جو بزبان حال ماہر کی مدحیہ رباعیون اور قطعون کے بجا ہونے کی آجتک گواہی دے رہی ہین۔

سلسلۂ شاعری ماہر کے والد اشرف علی خان فغان[سلہ] (کوکہ احمد شاہ بادشاہ) بڑے باخبر شاعر تھے جنکی استادی دہلی سے لکھنؤ اور لکھنؤ سے عظیم آباد تک مسلم تھی[عل]۔ لیکن انہون نے اپنے فرزند کو شاعر بنانا پسند نکیا۔ یہی وجہ ہے کہ ماہر فغان کے بجائے مرزا سودا کے شاگرد ہوئے اور انہین کا طرز سخن اختیار کیا۔ ۱۱۹۵ھ مین جب سودا نے انتقال کیا تو ماہر نے تاریخ وفات کہی اور اسی روز سے غزلگوئی ترک کر دی جیسا کہ انہون نے اپنی آخری غزل کے مقطع مین اشارہ بھی کر دیا ہے ملاحظہ ہو۔

ہوئے اب ہمسے ہم گردشمن جانی تو بہتر ہے ۔۔۔ میان غیرون نے ملکر دلین یون ٹہانی تو بہتر ہے

سلہ ۲۵ دیکھو صفحہ ۳

نہین ہے خوب صحبت یہ کسی کم ظرف سے کرنا — نہین گر مانتے از راہِ نادانی تو بہتر ہے
مری آنکھون نین بس کر کیون مجھی پر دم رلاتی ہو — یہ کشتی گر نہ ہونے پائے ملو فانی تو بہتر ہے
جہان سے اُٹھ گیا سودا سا شاعر جب نہ ماہر — کرے گر ترک تو شعر و غزل خوانی تو بہتر ہے

استعداد علمی و تصنیفات

اُردو زبان کے علاوہ ماہر کو فارسی اور عربی مین بھی کافی مہارت حاصل تھی چنانچہ آغاز دیوان مین کئے عربی مناجاتین اور متعدد فارسی سلام اور جا بجا فارسی غزلین اس بیان کی تصدیق کو موجود ہین انکی تصانیف مین سے دیوان ماہر جو غالباً انہین کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اسوقت تک ہمارے پاس محفوظ ہے

ماہر کی شاعری

ماہر کا صاف اور سادہ کلام قدر زبان اور بیان کا معمولی مذاق ہمکو نسبت دکھا سکتے ہین کہ بحیثیت مجموعی مسکا ط شعور کے اندازے بہت کچھ ملتا ہے۔ اگرچہ شکوہ الفاظ و دبدبہ مضمون کے لحاظ سے استاد و شاگرد کی شاعری مین آسمان کا فرق ہے۔ بہرحال انکی شاعری مین چونکہ کوئی مابہ الامتیاز خصوصیت نہین پائی جاتی اسلئے ہم اس موقع پر ان کے دیوان سے چند غزلون کا انتخاب درج رسالہ کرنے پر اکتفا کرتے ہین۔

یان ہمنے جو برگ و ساز پایا — تیرا ہی انہون مین راز پایا
دیکھا جو بچشم غور اسکو — سر تا بقدم مین ناز پایا
ہو عمر دراز زخم دل کی — جس سے در دل کو باز پایا
تو آپ ہی کیا ہے ماہر — جب دل نے ذرا گداز پایا

روکون اب کسطرح فغان و خروش — موسم گل نے پہیر مارا جوش
کیا ہوئین گرم جوشیان وہ یار — بستے رہتا ہے اب جو تو روپوش
ماہر اب ساغر محبت مین — شربت سم جو کچھ کہو ہی نوش

یون پوچھئے تو خوبان دنیا مین کہین ہین ظالم نہین فلک کی خواب و خیال مین بہی	جو ہم نے دیکہیان تہین وہ وصف تین نہین ہین تجہہ عشق مین جفائین ہمنے جو کچہہ سہین ہین
تجہہ بن اس شخص کو خوشی کیونکہ میّسر ہو نا ب لگی جوش چشم اپنے کو پہچو نہ کبہی جوش تنور سبز و خورم ترو تازہ ہے گلستان ہر چند دست بردار ہو دنیا کی طلب سے ماہر	غم ہجران مین تیرے زہر جیسے آب لگے بیقراری کو مرے دل کی نہ سیماب لگے تو ہی جب پاس نہو کیونکہ یہ شاداب لگے ہاتہہ اپنے وہ اگر گوہر نایاب لگے
مر کر میان کرم سے ٹک اسطرف کو دیکہو آنکہین چرانا ہمسے کیا قہر ہے تمہارا ماہر کی بیخودی کی سوگند دون ہون تمکو	روٹہے تھے جاؤ ہم سے ٹک اسطرف کو دیکہو گذرو میان ستم سے ٹک اسطرف کو دیکہو منکر نہو قسم سے ٹک اسطرف کو دیکہو
سئے مین قدم جو اسکے تو کیا عتاب اُلٹا	کہی بات مینے سیدہی تو دیا جواب اُلٹا
عجب رشتہ محبت کا باہم ہی گیا گذرا	ہم تجہہ سے گئے گذرے تو ہم ہی گیا گذرا

لہ کوکہ ترکی زبان مین برادر رضاعی کو کہتے ہین۔

عہ فغان پہلے نواب شجاع الدولہ کے ملازم ہوئے لیکن بقول مصحفی "و نسبے نواب وزیر الممالک در عالم اختلاط بہ فلس سوختند آزردہ کردو آخر برہمین حرکت آزردہ شدہ بطرف عظیم آباد رفت و در سرکار راجہ شتاب رائے اقتدار کلی بہم رسانید"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو علم ادب پر جو مرزا غالب کے احسانات ہین وہ محتاج بیان نہین اور اون کے خطوط کی سلاست و بے ساختگی اور انداز تحریر خصوصیت سے قابل داد ہے۔ ہم مرزا غالب کے بعض دلچسپ خطوط سے ناظرین اردوئے معلی کی ضیافت طبع کرتے ہین یہ خطوط ہم کو اپنے کتب خانہ واقع بلگرام مین دستیاب ہوئے ہین یون تو اردوئے معلی اور عود ہندی کی صورتون مین رقعات غالب کے معتد بہ حصہ سے اہل ملک مستفید ہو رہے ہین مگر ان خطوط مین جدت اور خصوصیت یہ ہے کہ ابتک یہ خطوط اشاعت پذیر نہین ہوئے اب قدردانان غالب کی خوش بختی سے مدتون زاویۂ گمنامی مین بسر کرنے کے بعد اشاعت کا موقعہ آیا اور اردوئے معلی کا حق مین لئے اندراین خصوص مرجح پایا۔ غرض یہ مرزا غالب کے فرزندان معنوی ہین اور آپ لوگون پر انکے بڑے حقوق ہین ان کے باپ کی داد دینے والا اب بجز آپ کے کوئی نہین رہا۔ یہ رقعات مرحوم سید غلام حسنین قدر بلگرامی شاگرد و قدردان غالب کے نام ہین۔ ان رقعات سے قدر و غالب کے ابتدائی تعارف کا حال، طرز اصلاح وغیرہ اور پھر انتہائی محبت کی کیفیت سے ناظرین محظوظ ہونگے ۱۲ (علی)

رقعات مرزا غالب

بنام

سید غلام حسنین قدر بلگرامی

بندہ پرور آپ کے عنایت نامے آنے سے تین طرح کی خوشی مجکو حاصل ہوئی ایک تو یہ کہ آپ نے مجکو یاد کیا دوسرے آپکی طرز عبارت مجکو پسند آئی تیسرے یہ کہ آپ حضرت آزاد مغفور کی یادگار ہین اور مین اون کے حسن کلام کا معتقد ہون خواہش آپکی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہو جب مزاج مین آئے آپ نظم و نثر بھیجدیا کیجئے دیکھکر بھیجدیا کرون گا اور آرائش گفتار یعنی حک و اصلاح مین کوشش دریغ نہوگی۔

بارہ برس کی عمر سے نظم و نثر مین کاغذ مانند اپنے نامہ اعمال کے سیاہ کر رہا ہون باسٹھ برس کی عمر ہوئی پچاس برس اس شیوہ کی ورزش مین گذرے اب جسم و جان مین تاب و توان نہین نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف اردو سوا وہین عبارت آرائی متروک

جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے پانو رکاب مین ہے اور ہاتھ باگ پر کیا لکھون اور کیا کرون یہ شعر اپنا پڑھتا ہون ؎

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائین کیا۔

آپ ملاحظہ فرمائین ہم اور آپ کس زمانے پیدا ہوئے ہین اور کی فیض رسانی اور قدردانی کو کیا روئین اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہین۔ تباہی ریاست آودہ نے با آن کہ بیگانہ محض ہون مجکو اور بہی افسردہ دل کر دیا بلکہ مین کہتا ہون کہ سخت ناانصاف ہونگی وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہوئے ہونگے الله ہی الله ہے کل آپ کا خط آیا آج مینے جواب لکھا تاکہ انتظار جواب مین آپ کو ملال نہو والسلام مع الاکرام از اسدالله نگاشتہ بست و سوم فروری سنہ ۱۸۵۷ء۔

قدر بلگرامی کے نام۔

حضرت مینے چاہا کہ حکم بجا لاؤن اور عبارت کو اصلاح دون مگر مین کیا کرون آپ غور کرین کہ اصلاح کی جگہہ کہان ہے اگر بمثل آپ خود نظر ثانی مین کوئی لفظ بدلنا چاہین تو ہر گز جگہہ نپائین جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے تو بین السطور زیادہ چہوڑتے ہین جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کرون تب حک و اصلاح کا طور بنے پہر اکا دم اصلاح عبارت سے نہ کرتا بت۔ زردشت آتشکدہ الخ زردشت کو آتش کدہ سے وہ نسبت نہین جو ساقی کو میخانے سے زردشت باعتقاد مجوس پیمبر تہا آتشکدہ کے پجاری کو موبد اور ہیربد کہتے ہین۔ آب حرام اشتیاق آب حرام شراب وصل تو ... نہین تو کہین ورنہ بادہ و رحیق و مے و راوق کی طرح اسم نہین ناچار شراب شوق یا بادۂ شوق لکہنا چاہیے اشتیاق سے شوق بہتر ہے۔

باہم دو سہ جا نگی علی التواتر زدہ بودہ ... مازدہ بودم تمہارا دل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے من زدہ بودم یا مازدہ بودیم اس سے علاوہ دو سہ جاگی بکاف فارسی یعنی جیسے جام معلوم کاف تصغیر کا جیا تک جاہیے جا تک کیا مگر یہ پیروی قتیل کی ہے کہ وہ ایرانیون کی تقریر کے موافق تحریر بناتا ہے ظہوری جلالا از ظہیرا - طاہر وحید

کسی کے ہان جام کو جامک نہین لکہا۔ دوسرے جاگی کی جگہہ دوسرے ساغر یا دو قدح لکہو۔
یا چناری گلستان بر باغبان است و تیماری او بر قدردانان۔ مین اِس فقرے کو نہین سمجہا یعنی بر باغبان کیا ہے۔ تیماری کیا ہے۔ تیمار بمعنی بیمارداری و غمخواری ہے جب یہ لفظ خود افادہ بمعنی مصدری کرتا ہے تو یائے مصدری کیسی۔
تیرہ شبی ہا بسر آمد۔ تیرہ شبی ہا بسر آمد خیر۔ تیرہ شبی بسر آمد یعنی چہ۔
لیلائے دیدم کہ با ہزار طرہ طرار۔ طرہ زلف کو کہتے ہین وہ دو ہوتے ہین نہ کہ ہزار در ہزار۔
جاگی مکرر دیکہا گیا معلوم ہوا حضرت نے جو کہین جاگی خوار دیکہا ہے تو اوسکو جام خوار بمعنی شراب خوار سمجہا ہے یہ غلط ہے جاگی خوار اوس نوکر کو کہتے ہین کہ جسکی تنخواہ کچہہ نہو روٹی کپڑے پر اوس سے کام لیتے ہون۔
در توبہ باز است و باب رحمت فراز معنی اِس کے یہ کہ توبہ کا در کہلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند ہے فراز اضداد مین سے نہین ہے۔ باز کہلا۔ فراز بند۔ قدر زعفران زار را بوی گل کرد۔ اس کا لطف کچہہ میرے سمجہہ مین نہین آیا۔ قدر زعفران زار کیا۔ اور پہر اوسکو کس نے بوی گل کر دیا۔
تہ کرر۔ کدام زبان است عربی یا فارسی۔
حسب لیاقت خود کافی است خودم چہ محل دارد۔ مگر ہمان شیوہ قتیل۔ بندہ مجبورم ہمان سکہ قتیل۔
صاحب من تحریر مین اساتذہ کی تحریر کا تتبع کرو نہ یہ کہ مغل سے لہجہ کا۔ لہجہ کا تتبع بہانڈون کا کام ہے نہ دبیرو لکا اور شاعرون کا زیادہ زیادہ جناب نور روز علیصاحب کی خدمت مین میرا سلام نیاز عرض کیجئے گا اور یہ کہئے گا کہ بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا پڑیگا ہر مہینہ مین آٹہہ خط تک بلکہ سولہ خط تک مین نہ گہبراؤن گا۔ بہیجئے پر جواب کا لکہنا۔ کاش آپ یہان ہوتے اور میرا حال دیکہتے تو جانتے ہر روز صبح کو قلعہ جانا دو پہر کو آنا بعد کہانا کہانے کے حضرت کے مسودون کا درست کرنا۔ احباب سے

خط لکہنے کی فرصت بہت کم ہاتہہ آتی ہے والسلام ۔

ایضاً

حضرت آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ دوسری طرف اگر کچہہ لکہا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو درست نہ پڑہ سکوگی ناچار یہہ اگلا نہ ورق پر سوالات کا جواب لکہتا ہون ۔

رنگ بوزن ننگ ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے جب اس کو اردو مین متصرف یا بقول بعضے متصرف کرینگے تو لون کا تلفظ موہوم سا رہ جائیگا ۔

رنگنا بوزن چند جانہ کہینگے بلکہ وہ ہجا اور ہے جیسا کہ اس مصرع مین ؎

ہمنے کپڑے رنگے ہین شنگرفی ۔ یہ صحیح ہے اور فصیح ہے ؎ ہمنے رنگو ہین کپڑی شنگرفی ۔ یہ اعلان نون گنواری بولی اور غیر صحیح اور قبیح ہے ۔

خرام کو جو ن مونث بولیگا مگر وہ کہ دعوے فصاحت سے ہاتہہ دہولیگا ۔ رفتار مونث اور خرام مذکر ہے رفتار کی تانیث کو خرام کی تانیث کی سند ٹہرانا قیاس مع الفارق ہے حرف مسروری جسکو ثنائی بہی کہتے ہین موحدہ سے زاے معجمہ تک الف کی جگہہ تحتانی بہی قبول کرتے ہین ۔ مولوی آل نبی سہارنپوری اور مولوی امام بخش دہلوی مین اسبات پر بڑا جہگڑا ہوا مولوی امام بخش باکوبے کو ناجایز نہین رکہتے تہے آخر مولوی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اسکا جواز ثابت کر دیا مگر صرف از روئے تلفظ اور اوسکی اجازت کوئی قاعدہ خاص اس کے واسطے نہین اردو مین طا کو طوی اور ظا کو ظوی کہتے ہین اور باقی حروف کے آخر مین تحتانی بولتے ہین لسان عرب و عجم مین موحدہ سے زائی معجمہ تک اواخر حروف مین الف بہی لاتے ہین اور تحتانی بہی طا ظا کو طا ظا ہی کہینگے نہ طوی ظوی نہ طے ظے علی ہذا القیاس حروف باقیہ راقم اسد اللہ خان ۔

انوری ؎

بعہد جود تو دائم بیک شکم زاید ۔ زغایت کرم اندر کلام تو لے نیست
زمانہ صورت سوال و صدای آری را ۔ باعتنا و نو صد جہت نون مگر لے را

قدر بلگرامی کے نام

مشفق میرے مین بعد آپ کے جانے کے دلی سے رام پور آیا اور یہان مینے ایکا دوسرا خط پایا پہلا خط مجھے دلی مین پہنچا تہا مگر چونکہ اوس خط مین آپ نے مسکن کا پتہ نہین لکہا تہا مین تحریر جواب مین قاصر رہا اب جو یہ خط رام پور مین پہنچا اس مین پتا مرقوم تہا مین پاسخ نگار ہوا آپ کے مسودات ایک بکس مین تہے وہ بکس وہین رہا اب جبتک دلی نجاؤنگا اون کو نہ پاؤنگا اور ایک آپکو اطلاع دیتا ہون کہ جب مین دلی مین تہا تو ایک خط میان نورروز علیخان کا تمہارے نام بہ نشان میرے مقام کے آیا تہا چونکہ اون دنون مین محکمہ آپکا مسکن معلوم نہ تہا مین نے اوسپر لکہدیا کہ وہ بلگرام گئے خدا جانے تمہارے پاس وہ خط پہنچا یا نہین برخوردار مرزا عباس کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہین اگر وہ سعادتمند ہین تو وہی ایک خط کافی ہے اب آپ جو مجکو خط بہیجئے تو رام پور بہیجئے پتا مقام کا کچہہ ضرور نہین رام پور کا نام اور میرا نام کفایت کرتا ہے۔ خوشنودی کا طالب غالب۔

ایضاً

سید صاحب تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلون کے پہنچا جواب کے لکہنے مین اگر درنگ ہوئی تو آزردہ نہونا اب غزلون کو دیکہا کہین حک و اصلاح کی حاجت نپائی مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزای خطابی یہان شامل اسم نہین ہین صرف اسم مبارک خطوط و عرایض پر لکہا جاتا ہے رہا قصیدہ کا بہیجنا زاید محض اور بے فائدہ اگر مین یہان رہتا اور تم بہی تکلیف ہر وقت اٹہاتے اور یہان آتے اور قصیدہ گذرانتے تو البتہ صلہ کچہہ ملنے کا احتمال تہا یہ طرز کہ تم بہیجو اور مین گذرانون اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بہی نہین رکہتے یہ توسط میرے خلاف وضع ہے مجکو معاف رکہئے اور اب جو خط بہیجئے دلی کو بہیجئے گا کہ مین اس مہینہ مین اودہر کو جاؤنگا رویت ہلال ماہ صیام اغلب ہے کہ دلی ہی مین ہو والسلام مع الاکرام غالب۔

سہ شنبہ ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۰ء

قدر بلگرامی کے نام

میر صاحب ماجرا یہ ہے کہ مین ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار مین سیدہی صف مین دسوان نمبر اور سات پارچہ اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تہا غدر کے بعد پنشن جاری ہوگئی لیکن دربار اور خلعت بند اب کے جو لارڈ صاحب یہان آئے تو اہل دفتر نے بموجب حکم کے مجکو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت واگذاشت ہوگیا مگر دلی مین دربار نہین انبالے آؤگے تو دربار میں نمبر اور خلعت معمولی پاؤگے مین نے خبر مین جہان کا نہ پایا اور انبالے نہ گیا رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہان آئے دربار کیا مین دربار مین نہ گیا دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آکر مجکو بلا لے گیا بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا۔

آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع مین ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہین ہے ہان ردیف الف کی یہ امر قابل پرسش کے نہین بدیہی ہے دیکہہ لو اور سمجہہ لو یہ جو دیوان مشہور ہین حافظ و صائب و تسلیم و کلیم ان کی آغاز کی غزل کے مطلع دیکہو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو کبہی ایک صورت ایک ترکیب ایک زمین ایک بحر نپاؤ گے چہ جائے اتحاد حروف و الفاظ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ایضاً

سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچہی ہے کہیں اصلاح کی حاجت نہین مگر دوسری تاریخ میرے سمجہہ مین نہین آئی اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ مین سے تکلف کے عدد نکالنے چاہین یعنی پانسو تیس ۔ کلوخ انداز را پاداش سنگ است۔ اس مصرع کے اعداد مین اتنی گنجائش کہان کہ پانسو تیس نکل جائین اور ۱۲ تاریخ رہیں۔ صاحب تم بہت دن سے بیکار رہو ایک جگہہ مساعدت روزگار کی صورت ہے تم بے تکلف میرا یہ رقعہ مہری لیکر لکہنو چلے جاؤ مطبع اودہ اخبار مین میرے مشفق دلی یعنی منشی نولکشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ ان کو پڑہوا دو اپنی نظم و نثر ان کو دکہاؤ اور اپنا

مبلغ علم اور ہنر ظاہر کرو اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھینگے تو مطبع کا کام تمہارے سپرد کر دینگے منشا ہر چہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائیگا معزز و مکرم رہوگے زندگی کا لطف اوٹھاؤگے لیکن شرط یہ ہے کہ جب وہاں چلے جاؤ لکھنو تم سے نزدیک ہے اتنی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں اگر نوکر ہو جاؤگے پھر چلے آنا بخت آزمائی ہے۔

قدر بلگرامی کے نام

بندہ پرور۔ آپکا خط آیا جس سے آپکا حالات معلوم ہوے یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا کام آپکو سپرد ہوا ہے یہ بھی لکھا کہ چند روز صبر کرو اگر وطن میں ہوتے تو اس بیکاری میں گھر کی خبر کیا لیتے جس طرح سب گذرتی ہے یہ بھی گذر جائیگی بلکہ تمہارا خرچ کم ہو گیا یہ حال اچھا ہے اضافہ کے واسطے تم نے جو لکھا ہے میں لکھوں تو ہاں بیٹھے کام کر رہے ہیں اگر بلگرام میں چھاپہ خانہ جاری ہو گیا تو مستعد ہو کر بیٹھ جانا یہ وہاں بعد چند روز کے تماشا ہو جائیگا تو پھر امکان سے باہر نہیں۔

ایضاً

سید صاحب سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے آپ کا خط آیا اور پہنچا اور اسکا جواب بھیجا اس رقعہ کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہئے اور یہ رقعہ ان کو پڑھا کر عرض کیجئے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے ملتوی ہے تو سبب کہئے جاری ہے تو کیفیت لکھئے کہ رسالہ بھیجدوں اور نسخ کلیات کا مطبع میں چھاپا لگا ہے یا نہیں اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں تو ان کی نقل بھیجدوں۔

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے ملے گئے یا نہیں جان عالم بہادر کی اجازت بلطف بندہ کی ہوئی یا نہیں اگر بندہ کی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہو کہ وہ جو بچا ہے جلد ہی بھیجدیں اور بہت جلد لیکن جناب فیضمآب خدا و ندنعمت آیہ رحمت قبلہ و کعبہ جناب مجتہد العصر کی خدمت میں جانا نہ ہوا ہو میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب پیش کردو اور کہو کہ غلام نے بہت خواہش کی کہ فارسی کی تحقیق کو اور

پایہ پر پہنچا ہے کہ اوس سے بڑھکر متصور نہین یہ مجال کہان کہ داد کا طلبگار رہون صرف حسن
قبول کا امیدوار ہون سمجھے سید صاحب منشی صاحب سے چارون سوالون کا جواب
اور جو قبلہ و کعبہ فرمائین اوس تقریر مین تغیر بالمرادف بہی ہنو جو الفاظ حضرت کی زبان سے
سنو وہی لکہہ بہیجو بارے مولوی مادہ علی صاحب کا جو حال معلوم ہووے وہ بہی ضرور لکہنا
اور ہان خط کا جواب بہت جلد بہیجنا چاہئیے ازراہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر سے
اس خط کو بیرنگ بہیجتا ہون دوشنبہ غرہ ذی القعدہ و مئی سال رستاخیز -

قدر بلگرامی کے نام

سید صاحب آپ کا خط جس مین قبلہ و کعبہ کا حکم تہا وہ استفسار لو تسبیح ملفوف تہا پہنچا
مین نے بہت راضی ہوا کہ حضرت نے تکلیف فرمائی اور میری نذر وہان پہنچائی اب ایک اور
تکلیف دیتا ہون کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہو اور اون کی خدمت سے ایک نسخہ
قاطع برہان کا مطبع مین سے لو اور مرزا کاظم علی کو دیکے جناب منشی میر عباس صاحب
کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خون جگر مین نے اس تالیف
مین کہایا ہے یقین ہے کہ اوس کی داد تمہارے سوا اور سے نپاؤنگا - ہان صاحب
جناب منشی صاحب سے یہ بہی کہنا کہ چہاپہ مین سے سو جلدین مین نے پائین اب قیمت
کا روپیہ بہیجکر کہو اور یہ بتلاؤ کہ کیا ہون کیا متن کے انطباع کی تاریخ مین کیون لکہون
اگر قطعہ تو خود منشی صاحب کے مطبع ملفوفہ مین سلامت رہکے کہہ دینگے چہاپا ہوا ہے
مین شروع ہوا ۱۹ ے مین تمام ہوگا مولوی مادہ علی صاحب کے مطبع مین آنے کا
احوال تم لکہو اور کلیات کے کاپی نگار کے آنیکا بہی حال معلوم کرکے لکہو جواب کا طالب
غالب ۲۴ - مئی سنہ ۱۸۶۳ء -

ایضاً

سید صاحب آپ نے خوب کیا کہ مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دیا اپنے
پاس امانت رکہئے جب مفتی صاحب آئین اون کو پہنچا دیجئے تمہارا قصد لکہنؤ کو بلگرام
جانیکا تہا وہان کے بخار (؟) مین پہنستی پائی جو فسخ عزیمت کیا اسکی کیفیت ضرور

لکھے اور جو کچھ تم نے سفارش کے باب میں لکھا ہے میں اس خواہش کو کیونکر قبول کروں وہ شخص میرا شاگرد نہیں مرید نہیں صورت آشنا بھی تو نہیں کیونکر لکھوں مجھ کو ا تمہارے واسطے میرا لکھنا ضرور ہے یعنی وہ صاحب سمجھینگے کہ حضرت نے کچھ میری شکایت و حکایت لکھی ہوگی جب غالب نے مجھکو یہ لکھا ہے۔

دوست آپکی وحشت انگیز تحریر پہنچی ادھر اوسکو پڑھا اور ادھر یہ خط تمہیں اور ایک مرزا عباس کو اور ایک خط تہنیت کا منشی صاحب کو لکھا لیکن چونکہ بلاد شرقیہ کو ڈاک نو دس بجے روانہ ہوتی ہے ناچار یہ تینوں خط بند کرکے تمہارا اور مرزا عباس کا خط بیرنگ اور منشی جی کا خط پڑا رکھ چھوڑتا ہوں کل صبح کو بعد از طلوع آفتاب ڈاک میں بھجوا دونگا خاطر جمع رکھو میں نے برخوردار کو ایسا کچھ لکھا ہوگا کہ مفید مطلب ہوگا انشاء اللہ العلی العظیم خوشنودی احباب کا طالب غالب چہار شنبہ بارہ پر تین بجے۔

قدر بلگرامی کے نام

حضرت کیا فرماتے ہو ہوا ہی ہو وقفا بھی ہوا اس ردیف کے ساتھ قافیہ معمولی نہیں سکتا بنیالی ہو مہتابی ہو کیونکر درست ہوگا دکان موحدہ کے مابعد یائے ہوز ہے یہاں موحدہ کے آگئے - خیال کرو بائے فارسی اور یائے حطی ہے پالے اور کالے پیلے اور رلیلے اور باسپلے یہ قافیہ ہرگز ہو سکتے ہیں جیلے لغت انگریزی ہے اس زمانے میں اس اسم کا شعر میں لانا جایز ہے بلکہ مزا دیتا ہے تاریکل ہو وہ خانی جہازوں کے مضامین میں مشتقے بننے یا ددن کو ہو سکتے ہیں اور روان نے ہی باندہے ہیں روبکاری اور ڈبلی اور فوجداری اور سررشتہ داری خود یہ الفاظ میں نے باندہے ہیں جا لیے یعنی کلید شوق سے لکھو نہ چاہیئے تاریخ لکھتا ہے سے مصرع سے کیسے آگئے تھے الفاظ بھول گیا ہوں آخر مصرع یہ ہے - مثل کے - ناز بیجا و تباہ ان کس کس کو ہے - الہی بخش خان معروف لکھتے ہیں سے نگین دل سوا کھودے تو گہر نیلام ہو جائے - والسلام غالب ۱۲

صاحب مثنوی خوب لکھی ہے کہیں کہیں املا میں یعنی انشا میں جو اغلاط تھے دور کئے اور بہ اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی فکر تاریخ مثنوی سر دست تا العمر معاف ہو دن ۱۲ غالب

قدر بلگرامی کے نام

صاحب۔ واللہ سوائے اس خط کے تمہارا کوئی خط نہیں آیا کیسے چار خط تم نے بھیجے کیوں باتین بنالیتے ہو۔ یہان بھی ٹکٹ پر تحریر کی مبالغت سے بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائین کہ یہ قصہ مٹ جائے برخوردار مرزا عباس کی بدلی کی خبر مینے پہلے ہی سے سنی ہے مگر یہ نہین معلوم تہا کہ وہ کہان گئے اب دریافت ہوا کہ تمہارے ہمسایہ مین آئے ہین اب اون سے ملئے خدا اون کو مروت کی توفیق دے مطلع مین نام اپنا لکھنا رسم نہین ہے تیر کا تخلص اور صورت رکہتا ہے میر جی اور میر صاحب کرکے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اورکو اس بدعت کا تتبع نہ چاہیئے غالب ۱۲

ایضاً

قدر کا شکر غیر وںکی سرائی ہو میری نذر کو ڈالدون سولے کا آنڈو پاؤن مین جلاد کی آنڈو بدال ہندی یا بدال عربی بہائی واللہ یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہین آیا مین اس کی حقیقت سے آگاہ نہین ہان سنا ہے کہ فلانا مرزا ایسا بہادر ثابت قدم تہا کہ معرکہ کارزار مین ہاتہی کے پانون مین انڈو ڈلوا دے ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتہی کو مانع رفتار ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بند خاص ہے استعمال اس لفظ کا محال العام مین نہ چاہیئے غالب۔

آبستن و آبست کے باب مین یہ قول معترض کا غلط ہے کہ آبست کو بجائے آبستن سمجہتا ہے آبست کوئی لفظ نہین ہے آبستن اصل لفظ اور آبستنی مزید علیہ یہ دونون صحیح بلکہ آبستنی زیادہ فصیح اگر معترض فیضی کو نہین مانتا تو آپ معترض کو کیون مانتے ہین فیضی کی سند قبول اور مسموع۔ ارمغان و ارمغانی آبستن و آبستنی اسے یہ تو فارسی لغت ہین فارسی گویون نے حضور کو حضوری اور فضول کو فضولی اور نقصان کو نقصانی لکھا ہے آجتک سنا نہین کہ رب کبریا کسی نے لکھا ہو ہان کبریائی الہی یعنی خدا کی بزرگی اس نظر پر رب کبیر لکھینگے نہ رب کبریا کبریا صفت واقعی ہے لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکہین تو ممکن ہے جیسا زید عدل بجائے زید عادل

مذہب کبریا کا ہے جناب الٰہی جایز۔ ایک نکتہ دقیق ہے یعنی مذہب حقہ امامیہ میں
جمیع صفات عین ذات ہیں پس اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق
ہدایت نبی اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہے حال کی جگہہ حالات یا احوال لکھنا صحیح نہیں
ہے خصوصاً احوال کہ یہ بمعنی واحد مستعمل ہے اور استعمال یہانتک پہنچا ہے کہ احوال
بمعنی جمع مستعمل نہیں ہوتا جیسے حور کہ بمعنی حوراء کے اہل فارس اسکو صیغہ واحد قرار دیکر
الف نون کے ساتھ جمع لاتے ہیں سعدی کہتا ہے ؎

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف ۔ از دوزخیان پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ حور کو حوری بنا کر اسکی جمع حوریان لاتے ہیں حافظ کہتا ہے ؎

حوریان رقص کنان ساغر شکرانہ زدند [illegible] ہے آپ نے قطع میں حال کی جگہہ احوال لکھا ہی
سے جا ہی غالب [illegible] ہے [illegible] اور [illegible] ہوگا [illegible] احوال [illegible]
آخر مجکو ورطہ میں [illegible] ہے [illegible] کے [illegible] ہوا [illegible] کیوں
لکھتا اور [illegible] احوال [illegible] ہے ؎
یہ لفظ [illegible] ایک جگہہ [illegible]
واد کا طالب غالب ۔

قدر [illegible] ناصر

ہے جہیز خوبوں سے [illegible] وصل تو حسرت ہی سہی
یاس سے [illegible] رہو اگر تیرا [illegible] زاہد [illegible] احسان تو ہی
اس شعر کے معنی کا ترجمہ فارسی [illegible] کیا آیا ہے ۱۲ قدر

جواب ۔ اسماء کے لغت کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں جو کہتے ہیں اور
انگریزی میں یا اور ہندی میں یہ طرز گفتار ہندی کی فارسی یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں
ہو سکتی مثلاً چودھری کا گھر [illegible] اس کی فارسی نہ [illegible] ۔ [illegible] اور تو سہی کی فارسی
[illegible] یہ [illegible] ہے گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی اس مطلب کے
مطابق فارسی عبارت [illegible] ہو سکتی ہے وصل اگر [illegible] عالمی [illegible]

زاہد اتنگو کروں مرہون احسان تو ہی۔ ایک نوع کی تنبیہ ایک قسم کا دعوی ہے
نامرد باشم اگر فلان کار نکنم تا فلان کار نکنم نیاسایم۔ اہل ہند کی فارسی اسیطرح خام
اور ناتمام رکہی کہ اصول مین انہون نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی
اور اردو کے خاص روزمرہ کی فارسی بنا لئے ہماری مین کچہ نہین کی جگہہ خاک نہین بولتے
ہین فارسی مین ہیچ نیست کی جگہہ خاک نیست کبہی کوئی نہ کہیگا تمثیل چارون شانے
چت گرا ہے ع گرفتہ برگشتہ تبان بود گر خاک نبود یعنی ہیچ نبود لاحول ولا قوۃ
ایک جگہہ سے مجکو خط آیا چونکہ مین بیمار ہون تکیہ مین رہتا ہون اوس نے یہہ
لکہا کہ در محلہ گربہ کشتان واہ فارسی ۱۲ غالب ع

مردم از مین داستان رانند و از دو ان چرخ گفت حضرت طمع زاغ و زغن عنقای من

ایضاً

صاحب مین برس دن سے بیمار تہا ایک پہوڑا اچہا ہوا دوسرا پیدا ہوا اب فی الحال
دونون پانون ہاتہون مین اٹہ پہوڑے ہین دونون پانو پر دو پہوڑے پنڈلی
کی ہڈی پر ایسے ہین کہ جنکا عمق ہڈی تک ہے انہون نے مجکو بٹہا دیا اوٹہہ نہین سکتا
حاجتی دہری رہتی ہے پاس پلنگ کے بستر سے کہسل پڑا پہر پڑ رہا روٹی بہی اسیطرح کہاتا ہون
پاخانے کیا کہون کیونکر جاتا ہون صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہون
یہ سطور لیٹے لیٹے لکہی ہین تم مردہ ہون قریب مرگ ہون ان کو دوا استعداد و اصلاح
کے حواس نہین غزل رہنے دو یہ حال تمکو لکہدیا نجات کا طالب غالب شنبہ
۲۳۔ اگست ۱۸۶۳ء

ایضاً

سید صاحب تمنے جو خط مین برخوردار کامگار مرزا عباس بیگخان بہادر کی رعایت
اور عنایت کا شکوہ لکہا ہے تم کیون شکر گذار رہو سنتے ہو جو کچہ نیکی اور نیکوئی اوس
اقبال نشان نے تمہارے ساتہہ کی ہے وہ گویا میرے ساتہہ کی ہے اوس کا سپاس
بجا لا سکون خدا کی قسم دل سے دعائین دیتا ہون بہائی اوس کا جوہر طبع از زمان

فطرت شریف ہے پروردگار اوس کو سلامت رکھے اور مدارج اعلے کو پہنچاوے یہ اپنے والدین کے خاندان کا فخر ہے اور چونکہ اوس کی مان کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے پس وہ فخر میری طرف بھی عاید ہوتا ہے وہ اپنے جی مین کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ مین نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا ہے مین تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہین سمجھتا مگر کیا کرون کہ مجھ مین دم ہی نہ تھا کاش کے جب ایسا ہوتا جیسا اب ہون تو سب سے پہلے پہنچتا جی اوس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے دیکھون اوس کا دیکھنا کب میسر آتا ہے مین اب اچھا ہون برس دن صاحب فراش رہا ہون چھوٹے بڑے زخم بارہ اور ریزہ زخم پھوٹے چکان ایک درجن پہلے لگ جاتے تھے جسم مین جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا تھوڑا سا جو جگر مین باقی ہے وہ کھا کر جیتا ہون کبھی کہاتا ہون کبھی پیتا ہون مرض کے آثار مین سے اب بھی یہ نشان موجود ہین کہ دونون پاؤن کی دو دو انگلیان ٹیڑہی ہوگئی ہین بدستور ورم ہے جوتا نہین پہنا جاتا ضعف کا تو بیان ہو ہی نہین سکتا مگر ہان یہ میرا شعر

در کشاکش ضعفم نگسلد روان از تن　　این کہ من نمی میرم ہم ز ناتوانی ہاست

اب کے رجب یعنی ماہ آیندہ کی آٹھوین تاریخ سے سترواں برس شروع ہوگا جو ہفتا د آمد اعتبار رفت از کار۔ پس اب شکوہ ضعف نادانی ہے ایمان سلامت رہے نجات کا طالب غالب سہ شنبہ ۲۴ - نومبر سنہ ۱۸۶۳ء

قدر بلگرامی کے نام

صاحب تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر مین مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا مرزا کی بی بی میری بہو ہے بیٹی نہین تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے کیا سمجھ کے لکھا مین مرزا کی اولاد کا نانا کیونکر بنا بھانجی کی اولاد پوتا پوتی ہے نہ نواسا نواسی مجھکو اوس کی اولاد کا جد فاسد لکھنا ٹکسال باہر بات ہے خیر یہ تو ظرافت تھی تم یہ تو بتاؤ کہ غزل

لکہنو کیون جاتا ہے اگر کچہہ اسباب خریدنا تہا تو ایک معتمد کو بہیجدیا ہوتا بذات خود ایس
تکلیف بیجا کو گوارا کرنا کیا ضرور یہ بات جواب طلب ہے۔ میرے آنیکی یہ صورت ہے کہ مرزا
کی استدعا سے قطع نظر میرا دل بہی تو پہیر رہا ہے کا ہین جو اپنے بچون کو دیکہنے کو نجلے ہے
ایک بہن اوسکی مجموع اولاد وہان میرا تو وہ خانہ باغ ہے بہار کے موسم مین بلغ کی
سیر کو کس کا جی نہ چاہیگا بشرط صحت آونگا انشاء اللہ صبح یکشنبہ ۲۳۔ رمضان ۲۲۔
فروری سال حال۔

قدر بلگرامی کے نام

قرۃ العین میر غلام حسنین سلمکم اللہ تعالےٰ تمہارا خط پہنچا دل خوش ہوا مولوی نجف علی
صاحب کی کیا تعریف کرتے ہو تم کچہہ لکہو تو جانون واللہ اگر کبہی مولوی صاحب میرے
گہر آتے ہون یا مین نے اونکو دیکہا ہو چہ جائے اختلاط وارتباط صرف برعایت جانب
حق چند کلمات انہون نے لکہے ہین تم میرے یار رہو اور میری خدمتگذاری کے حقوق
ہین تم مجہکو مدد دو وہ اپنی قوت علمی صرف کرو محرق قاطع برہان میرے پاس موجود
ہے مجہسے منگواؤ مین ہر موقع پر خطا اور زلت مولف کا اشارہ کردونگا تم ہر فقرے
کو بغور دیکہو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر مین تولو عامی نہین ہو عالم
ہو آخر مولوی نجف علی صاحب نے بہی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر محرق
کے جامع کی دہجیان اوڑائی ہین تمہارے پاس دو نسخے ایک دافع ہذیان ایک
سوالات عبد الکریم مع استفتا و افتا و دستخطی علما دہلی موجود ہین اور اب اوس
کتاب کے ساتہہ میری کے اشارات سودمند پہنچینگے تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا مدعی
کا کلام دراصل لغو ہے تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود اور تین نسخے معقول اوس پر
مزید علیہ او سیر محرق اور صاحب محرق کا خاکہ اوڑجائیگا میرے اس خط کے پہنچتے ہی
جواب لکہئے اور اجازت بہیجے کہ مین نسخہ مطبوعہ مطبع محرق بسبیل ڈاک بہیجدون
مگر جلد لوسے کہ کتاب پہنچ جائے اوسی دن سے آپ اردو زبان مین یہ رسالہ
لکہنا شروع کیجئے اور بعد اختتام مجہے اطلاع دیجئے پہر مین جیسا لکہون ویسا

عمل مین لائے غالب اثنا عشری حیدری۔
ہان صاحب آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی کا خط مع اشعار آیا اور مین نے اوس کا جواب بہجوایا اب جو ڈہونڈا تو میرا مسودہ ہاتہہ آیا مگر آغا کا خط نہ آیا مین مسودہ کو صاف کر کے تمہارے پاس بہیجتا ہون آغا صاحب کا جب خط نکل آوے گا وہ بہی بہجوا دیا جائے گا سعادت و اقبال نشان مرزا عباس بیگ خان کو میری دعا کہنا اور یہ ورق اونکو سراسر پڑہا دینا مسودہ شروع بر نظم قطعہ

نخلبند حدیقہ تحقیق	آبیار گل و نہال و گیاہ
ناخدائے سفینہ معنی	آن محمد حسین والا جاہ
سوئے من ناگرفتہ رو آورد	تبسم گل زنامہ زد ناگاہ
رندی و راستی شعار من است	مومنم لا الہ الا اللہ
بستومن اگرچہ شاد م کرد	من ہمان ناکسم سخن کوتاہ
من کہ بیرنجم از نگہ کہ مرا	ورآئینہ نیست غیر روز سیاہ
دیرہ در آرزوئے دیدن اوست	کہ نگہ داشتم بدیدہ نگاہ

قلمرو مہر و وفا را دادبیشہ وادرآغای نام آور کہ سخن در ستایش این تاہوکش پاہو سرائے سزودہ است ہمانا خود را از روئے انصاف بہ شیوہ خستہ نوازی و درویش ستائی ستودہ است یاد آوری را قدر روائی انگاہ نپنداشتہ باشم کہ بر خود گمان کمالے داشتہ باشم از انجا کہ از عز و جاہ بہرہ و از علم و ہنر نشان ندارم ہر آئینہ ازان نگزیرد کہ سپاس قدر افزائی بجاے آرم نگارش خواجہ در بارہ نکوئی قاطع برہان نامہ نگار را بہ شگفت زار افگند چہ این سواد نا مقبول طبائع دانشمندان

حل متعلقات۔ ناگرفتہ مرادف ناگاہ۔ دیرہ بواو مجہول و یائے مجہول و زائے پارسی مفتوح بمعنی خالص و خاص و خصوصًا و علی الخصوص تاہو تہراشراب۔
پاہو سرائے کمترازان نگزیرد یعنی ازان گزیر و چارہ نباشد۔ ۱۲

بسند افتادہ است و دعوی مراسلم نمی دارند و گفتار مرا نمی پسندند تا زان میان یکے کہ در زور آزمائی و مردم گزائی شیر شرزہ او مار گرزہ را ماند بے ہنری خیرہ سرزہ از پارسی ناآگہی واز تازی بے خبری خشمش جہان فرو گرفت کہ ہمچو دیوانگان کف برلب آورد وزان کف بدان سان کہ تگرگ از ابر بارد مغیچہ چند فرو ریخت خواجہ سنجیدہ باشد کہ چہ گفتم وازین گفتن چہ خواستم فرومایہ کتابی نبشت و دران فرو کاش نامہ جامع برہان قاطع راکہ یکے از عوام دکن است بہ ہمہ دانی نام گرفت و غالب کہ جز زباندانی فرزانگان پارسی گناہے ندارد و نبربان بیاد دشنام گرفت مبالغہ نہ پندارند و چنان اندیشند کہ چون مخنثان در ستیزہ کف برکف زنند واز قوم ہنود ہمنوئیان در موسم ہولی بہ لنگ دائرہ دف زنند چہ گویند ہمان گفت بلکہ لختے تا سزاتر زان گفت حیف کہ گیتی را بداد رسیگاہ چون امیر علیشیر محتسبی مانند مولوی جامی مفتی نیست تا این آدم بیکر دیو سار را باد افراہ نکوہش بجاد کیفر نفرین ناروا یافتے ناچار بدین مایہ خوشنودی کہ ہرگاہ ہوشمندان سخندان آن نگارش بے آرش را خواہند نگریست باد ہر و دت آن شعر از شعر نشناس موجب رسوائی نندی خواہد بود خود را تسلی دادم گلہ دشمن پیشکش از دوست ہمہ آن ہمیخواہد کہ چون رسم نامہ نگاری از ہر دو سوے بمیان آمد دیگر این سلسلہ از ہم نگسلد و آمد و رفت نفس آسا متواتر و متوالی مانند منشیانی یکدیگر مہر گرائی و مہر در میانہ ہم لکھا و بد پائی باد بندہ علی ابن ابی طالب اسداللہ المتخلص بہ غالب ۔

قدر بلگرامی کے نام

سید صاحب تم قدردا ور لونر چشم مرزا عباس قدردان خاطر جمع رکھو نوکری تمہاری ہو جاویگی صاحب کی اور راجہ کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستے ہین مگر مرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو یہ تو ایک باغ ہے سرسبز و شاداب جس مین گلبن ہزار در ہزار میوہ دار درخت بے شمار زمین سراسر سبزہ زار بہت حوض بہت نہرین مٹی نظر نہین آتی سبزہ یا نہرین فقیر غالب تمہارا خیرخواہ اور تمہارے ممدوح کا دعاگو ہے سنہ ۱۲۸۴ھ

شرزہ بشین و نار مفتوح صفت شیر یعنی خشمگین۔ گرزہ بوزن شرزہ قسمی از مار مغیچہ مراد وث ژالہ و تگرگ فرو کاش ہر لوف فرومایہ نگارش ۔۔۔ ولام مشموع تلی شیرے ۔۔۔ رمسکوہ بمعنی ۔۔۔ باد افراہ سزای کار بد کیفر مثلہ ۱۲۔

قدر بلگرامی کے نام

تئیں کا لفظ متروک اور مردود و قبیح غیر فصیح یہ پنجاب کی بولی ہے مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اصیل ہمارے ہان نوکر رہی تھی وہ تئیں بولتی تھی تو بی بیان اور لونڈیان سب اوسپر ہنستی تھیں ۔

خروش رعد غران می شود بادر کابش عنان بہ سینہ چون چید گرنگ برق جولانش

یہ شعر ناطق کا ہے اور ناطق تو وہ کا تخلص ہے سندیلہ کا رہنے والا اوس کا منطوق کیا ادراک کرے زبان کیا بادر رکاب ہونا عبارت ہے سیر و سفر کے آمادہ و مستعد ہونے سے خواہی منشاء عزیمت خواہی خوف خواہی کوئی اور سبب عنان بر سینہ چیدن مہمل و محض مہمل نہ روزمرہ نہ محاورہ نہ اصطلاح نہ مفید معنی ورنگ نہ مفید معنی شتاب۔ غالب

شکار صیغہ مبالغہ کا ہے لغت عربی املا اسکی غلط ہے طیر لا تحریر طائر فاعل بطور جمع باز داروں میں اس لفظ نے جنم لیا حقیقت بدل گئی طوطی سے بن گئی یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا باز داروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلان باز شکرہ طیار شدہ است و صید میگیرد بہرحال اب تائے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا اس لفظ کو تحریر اردو اصل اردو و اوتہ بائے قرشت اور بعض آمادہ اشخاص و اشیاء پر عام تصور کرنا چاہیے اور عبارت فارسی میں اسکا استعمال کبھی جایز نہوگا ۱۲ غالب۔

فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور دہی ترجمہ جغرات یہ تینوں اسم مذکر ہیں منکر سے مجھے بحث نہیں مجیب کا میرا احسان مند نہیں لغت فارسی ہو اور روزمرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں منطق فارسی میں تذکیر و تانیث کہاں پس اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغہ متکلم مع الغیر ہے یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا و شعرائے دہلی و لکھنؤ لیکن دو آدمی کا اتفاق شک ہے زیادہ جھگڑا کیے فائدہ ۱۲ غالب۔

بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالب نے تمام جوہر تیغ زبان او بہر آسے

غزل کی زمین یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جایز ہے قدم مفرد قدموں جمع ہے ۱۲

گھبرا رہا ہوں متعدی ہے لیکن اسکو لازمی جانتے ہیں لازمی کہو گیا ہوں ہم

اہل یورپ ہینگے جگتے ہین - جان و دل دل و جگر یہ صحیح جان و جگر یکسان باہر ۱۲
فریاد مونث ہے فریاد کر یعنی چاہئے فریاد کرنا انگریزی بولی ہے - ذکر مونث ہے
معشوق کو ہمزاد بنانا ظرفا کو اپنے اوپر ہنسانا ہے راقمہ

اندیشہ بلند ورا مکارم لورد　　چون خواست بام جاہ ترا نردبان نہاد

دیدش ہمان بجا جو سپہر از فراز کوہ　　بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقدان نہاد

پہلے مصرع مین اندیشہ فاعل ہے خواست کا جو مصرع ثانی مین نہاد بمعنی مصدری ہے دوسرے شعر مین دید کا اور نہاد کا فاعل وہی اندیشہ ہے اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائین تو آسمان کو چھو لین مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان کو اوتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا تہا فرقدان ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھوین آسمان پر جاسے قیاس مین آیا کہ فرقدان پر سے بام جاہ ممدوح نظر آویگا بہت قریب ہم فرقدان پر گئے وہان بہی قریب نہ پایا فرقدان پر ہزار پائی رکہی او سپر چڑھ کے دیکہا تو بام ممدوح بین اور اوس مقام مین اوتنا ہی بعد ہے جتنا پہاڑ مین اور آسمان مین یہ مبالغہ حد تبلیغ و غلو سے گذر گیا ۱۲-

رنگا دیتے ہو اور اوٹہا دیتے ہو خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے یعنی تم معشوق مجازی کو تم اور تو دونون طرح یاد کرتے ہین خدا کو یا تو کہتے ہین یا صیغہ جمع غایب یعنی صیغہ جمع غایب کا بقرینہ افادہ قضا و قدر کا رکہتا ہے تمہاری غزل مین دو چار جگہہ دیتے ہو اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اوس کا مرجع کبہی نہین ہوسکتا ہے

لاکے دنیا مین ہمین زہر فنا دیتے ہو　　ہائے اس بہول بہلیان مین غنا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو سوائے قضا و قدر کے کوئی زندی کوئی لونڈا اس کا مخاطب نہین ہوسکتا اور علیٰ ہذا القیاس دو ایک شعر اور ہین - ناچار صیغہ جمع رکہدیا تاکہ خوبان اور بتان کی طرف ضمیر راجع ہو یا شخص واحد کیطرف آپ کے لفظ کے ساتہہ یا قضا و قدر کیطرف

اب خطاب معشوقان مجازی اور قضا و قدر مین مشترک رہا ۱۲ غالب

س۔ بود او رباشد کہ دونون بیصیغے مضارع کے ہین بہ معنی ہست آتے ہین یا نہین ۱۲ قدر۔

ج۔ البتہ آتے ہین ۱۲ غالب۔

س۔ نظم و نثر مین ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہی ۱۲ قدر۔

ج۔ بیجا ہے جب تک علامت استمرار نہو معنی استمراری کیونکر لئے جائین ۱۲ غالب

س۔ پارسی مین مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے ۱۲ قدر

ج۔ خود عربی مین مصدر کی صفت مقتضب نہین آئی فارسی مین کہا سے ہوگی مقتضب صفت بحر کی ہے نہ صفت مصدر کی ۱۲ غالب۔

س۔ کس قسم کے مصدر لازمی سے متعدی بنتا ہے اور کس طور سے مصدر سے نہین بنتا ہے ۱۲ قدر۔

ج۔ جب لازمی کو متعدی کرنا چاہین تو مضارع مین سے مصدر بنائین اور وہین فقط الف نون یا الف نون اور تحتانی بڑھائین مثلاً گشتن کو گشتاندن نہ لکھینگے گردد سے مصدر بنائینگے گردیدن اور اوسکو گرداندن اور گردانیدن کہینگے جس مصدر کیساتھ مضارع ہوگا وہ متعدی نہ بنیگا جیسے برشتن اور رستن ۱۲ غالب۔

س۔ پناہ کا ترجمہ لغت اردو مین کیا آیا ہے۔

ج۔ اردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنی پناہ کا لفظ مشترک ہے اردو مین اور فارسی مین پناہ کا ترجمہ اردو مین پوچھنا نادانی ہے ہان پناہ کی ہندی آسرا ہے برتنا آنا فصیح نہ برآنا ٹکسال باہر قافیہ ہای اصلی الفیہ سیکڑون ہین اونکو چھوڑ کر نسخہ و زمانہ اور افسانہ ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک نامناسب نہین ایسا قافیہ غزل بھر مین ایک جگہہ لکھو ۱۲ غالب

قدر بلگرامی کے نام رقعہ اخیر

حضرت قیصر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے اصلاح دینے سے توبہ کی ہی شعر سننا تو ممکن ہی نہین بہرا ہوں شعر دیکھنے سے نفرت ہی چھتہر برس کی عمر پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہون ساٹھہ برس بکا مدح کا

صلہ طلانہ غزل کی داد بقول انوری سے

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار مدیح — وے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

سب شعرا سے اور احباب سے متوقع ہون کہ مجھے زمرۂ شعرا مین شمار نہ کرین اور اس فن مین مجھہ سے کبھی پرسش نہو اسد اللہ خان المتخلص بہ غالب والمخاطب نجم الدولہ خدا اُنکو بیاد زادے

بنام شیخ لطیف احمد بلگرامی

میان لطیف مزاج شریف غالب گوشہ نشین کی دعا تمہارا مسودہ آیا کمتر جگہہ اصلاح کی پائی روش تحریر بہی مجھے پسند آئی دل خوش ہوا لیکن سے

ہشدار کہ نتوان بیک آہنگ سرودن — نعت شہ کونین و مدیح کے وجم را

سید ابن حسن خان صاحب وہان موجود مین بیان مختصر وجود بے جوودہ تو میرے نزدیک علامہ ہین اور جوان ہین اون کے نزدیک ایک مشت استخوان ہون وہ بہی بوسیدہ اور ناتوان اگر خانصاحب وارستہ مزاج ہین تو سید غلام حسین قدر بہی وہ تو میرے قدر دان بہی ہین اور شاگرد بہی ہین اگر کچہہ بہی اپنے دل و دماغ مین قوت پاتا تو اپنی طبیعت کو آپ سے اصلاح دریغ نہ کرتا کیا لکہون اور کیا کہون نور آنکہون سے جاتا رہا اور دل سے سرور ہاتہہ مین رعشہ طاری ہے کان سماعت سے عاری ہے سے

عتاب عروسان در آمد بجوش — صراحی تہی گشت و ساقی خموش

مخزن ایجاد و تکوین مولانا فضل حق ایسا دوست مرجائے غالب نیم مردہ نیم جان رہ جائے

مرتے ہین آرزو مین مرنے کی — موت آتی ہے پر نہین آتی۔

آگے آتی تہی حال دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہین آتی۔

اگر جوان ہوتا اور بیمار تو آپسے دعائے خیریت چاہتا اسی برس کا بڈہا ہو لے آیا ہون دعائے مغفرت کا امیدوار ہون شراب کمبخت ابہی چہوٹتی نہین نماز کا اب بہی عادی ہوتا نہین

جانتا ہون ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادہر نہین آتی

کعبے کس منہ سے جاؤگے غالب — شرم تمکو مگر نہین آتی

نجات کا طالب غالب۔ فقط

بیاض حسرت موہانی

غزل مخلوط ماخوذ از غنچہ جاویدی

وہ اٹھکے خوابگہ سے سوے بوستان چلے — قمر — کہدے نسیم صبح سے اے باغبان چلے

غنچوں کی طرح کہل گئے دل انکو دیکھکر — الور — باد بہار بنکے جدہر وہ جہان سے چلے

مانا کہ آپ ہین ستم ایجادیون فرد — ثاقب — اچھا جو کوئی چال نئی آسمان سے چلے

جہونکون مین آہ سرد کے دم ہوگیا فنا — ؍؍ — دوش نسیم صبح پہ ہم ناتوان سے چلے

پانی کی اور رائے ہوا کا کچہہ اور حکم — جاوید — اب کسطرف سفینۂ عمر روان سے چلے

اپنی گرہ مین داغ دغا کے سوا ہے کیا — کیفی — چلکر وہین رہینگے یہ سکہ جہان چلے

پیچھے سے مست بیٹھے ہین اس انتظار مین — ماہر — پہوٹے شفق تو جام مے ارغوان چلے

چارون طرف کی آئی ہوا لوٹ لے اسے — خیال — گلشن سے بوے گل کا اگر کاروان چلے

نکلے وہ تا کہیں گھر سے جو تارونکی چھاؤنمین — ؍؍ — باد صبا سحر کو ہوا خوریان سے چلے

کہدے کوئی حسن کی عیادت کیواسطے — حسن — مجھکو نہین یقین کہ وہ بدگمان چلے

سید احمد صاحب ناطق لکہنوی

نگہ [illegible] ہے گریان آنکھ دل فریاد کرتا ہے — غرض ہر ایک مجھے اپنی زبان مین یاد کرتا ہے

ولہ

کیا کہون مین حال کہان ہے اور کیسا درد ہے — مین سراپا دل ہون دل میرا سراپا درد ہے

حکیم علی محسن آبر لکہنوی

وہ بعد مرے کرتے ہین الفت کا مری ذکر — جو راز تہا کبہی وہ اب افسانہ ہوگیا

ولہ

اسنے پہر تیغ نہ باندہی جو اسیر مرتا — بعد میرے وہ ستمگر بہی ستمگر نہ رہا

سید علی تقی صاحب صفی لکہنوی

بیکسی کہدی کہ خلوت مین آئی یا نئی شمع — ہم بسر کیا جانے کیونکر سب ہجران گئی

تعلیم صنعت و حرفت کی ضرورت

تقریر جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے معتمد ہوم سکریٹری ریاست حیدرآباد دکن

(ماخوذ از بیاض سید علی بہادر رضوی لکھنوی)

اگر ضرورت زمانہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ دعوی کہ قومی ترقی کے لئے مدارس صنعت و حرفت کا قیام لازمی ہے، اقلیدس کے اصول موضوعہ کی طرح کسی دلیل یا ثبوت کا محتاج نہین ہے لیکن اگر یہ خیال کیا جائے کہ ہم اور ہماری قوم ضروریات زمانہ سے کسقدر دور ہین۔ تو معلوم ہو گا کہ اس ساحل پر ایک طرف تو رسم و رواج کی طوفان خیز موجین (جنکے پھیلاؤ اور زور کو قدامت پرستی اور امتداد زمانہ نے اور بھی بڑھا دیا ہے) ٹکراتی ہین۔ اور دوسری طرف نئے خیالات کا مد و جزر (جسکو سر سید احمد اور اونکی تعلیم کے مقناطیسی اثر نے اعلی تعلیم کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے) زور سے حملہ آور ہے غرضکہ انکی مخالف موجون کی کشاکش کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اگرچہ صنعت و حرفت کی کشتی مدتون سے روان دوان دور سے منڈلاتی ہوئی نظر آ رہی ہے مگر اب بھی ساحل مراد کے قریب نہین پہونچنے پائی۔ پس قبل اس کے کہ ان قدیم و جدید تعصبات پر غور کیا جائے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بتایا جائے کہ تعلیم صنعت و حرفت سے کیا مراد ہے اور اوس کے فوائد کیا ہین۔

اوس بھولے بھالے زمانہ کا ذکر کرنا تو اب فضول ہو گا جبکہ انسان سوائے عریانی کے اور کسی لباس سے آراستہ نہ تھا۔ اور سوائے حوائج ستہ کے دوسری ضرورتوں سے ناواقف تھا۔ لیکن مادہ تعقل نے (جو اوسکو دوسرے ذی روح سے متمیز کرتا ہے) بہت جلد اوسکو ابتدائی سادگی سے نکالکر میدان تمدن مین پہونچا دیا اور۔ مصرع

بنی آدم اعضای یکدیگر اند۔ کا مضمون اچھی طرح اوسکے ذہن نشین کردیا
تمدن نے اوسکے حوائج مین توسیع کی۔ اور اس توسیع نے ہر فرد واحد کو دوسرے
کی محنت اور دماغ کا محتاج بنا دیا۔ صنعت وحرفت کا فلسفہ یہی ہے اور اس سے
یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ اقوام متمدنہ مین سب سے قوی اور بابرکت قوم وہی ہوگی
جو اپنی ضرورتون کی پورا کرنے پر قادر ہو اور سب سے ردی اور ذلیل حالت
اوس قوم کی ہوگی جو ضروریات زندگی کے لحاظ سے دوسرون کی محتاج ہو تاریخ
بتاتی ہے کہ قدیم مصری اور فنیشین اقوام سے لیکر زمانہ موجودہ کی ترقی یافت
اقوام یورپ تک جب کسی قوم نے میدان ترقی مین قدم رکھکر اولو العزمی کے
دوڑ مین بازی لی ہے تو گو ابتدا مین اوس کی ترقی کا پایہ اوسکے افراد کی جرات
واستقلال، اوسکے سپہ سالارون کی اولو العزمی وتدبیر، اور اوسکی فوج کی دلیری
وسپہگری اور اوس کے آلات حرب کی عمدگی و مشاقی نے ڈالا ہو لیکن اوسکو قیام
اور پائداری جب ہی نصیب ہوئی ہے جبکہ اوسکے صناعون کی محنت ہنرمندی اور
دستکاری دوسرے اقوام کی ضرورتون پر حاوی ہوجاتی ہے انگلستان اور امریکہ
کی ترقی کا یہ راز نہین ہے کہ اون کی بری اور بحری قوت دوسری مہذب اقوام سے
زیادہ ہی۔ نہین بلکہ اون کی عظمت وجبروت کا اصل راز یہ ہے کہ اون کے ہاتھ
کے ہنر نے دنیا کی تمدنی ضرورتون کا احاطہ کرلیا ہے۔ اور اسی کی بدولت
ہم آج یہ تماشہ دیکھتے ہین کہ دہر انگلستان مین مسٹر چیمبرلین جیسے اثر
وزیر اور بیدار مغز مدبر کو جب معلوم ہوا کہ زمانہ موجودہ کی باعظمت ہوئی
آزادی اور تجارت سے لئے اپنے پرستش کرنیوالون سے منہ موڑ لیا ہے اور
اوس کی انصاف پسندی با اتفاق بہت جلد انگلستان کی صنعت وحرفت کا
خاتمہ کردے گی تو اونہون اپنے اعلے مرتبہ کا خیال کیا نہ دوستون سے
چھوٹنے نہ دشمنون کے بڑ لگنے اور نہ لوگون کے بیٹھے ہوئے تعصبات کا بلکہ
سب سے قطع نظر کرکے نہایت مردانگی کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے

اور سرپرستی رفتہ رفتہ دولت کی وجہ سے بیداری عاقبت اندیشی لئے اون کوششون
کی مخالفت پر آمادہ کیا ہے - اور دوسری طرف لارڈ روز بری جیسا بیدار مغز رکن
قوم باوجود قوم کے اسقدر ترقی کرجانے کے موجودہ وسائل تعلیم صنعت وحرفت
کو ناکافی ظاہر کرکے ایک اعلیٰ درجہ کے انسٹیٹیوشن کے قیام پر زور دیلے رہا ہے
یہ ہین قومی ترقی کے آثار و علامات - جس قوم نے ہماری آنکھون سے دیکھتے ترقی
کی درجہ پایا ہے اور اگر آپ اسکے اسقدر جلد ترقی کرجانیکے راز کو دریافت کرینگے
تو معلوم ہوگا کہ چند لئے اور سکوت نے قلیل زمانہ مین دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کا
ہمسر بلکہ مد مقابل بنادیا ہے وہ سوائے اسکے کچھ نہین ہے کہ اہالی جاپان پہلے سے
صناعی مین شہرۂ آفاق تھے اور جدید تمدن سے بہرہ ور ہوجانے کے بعد سب
سے پہلا کام جو انہون نے کیا وہ یہی تھا کہ اپنی ہنرمندی کی رفتار کو زمانہ موجودہ
کے مطابق بنالیا - اسیطرح ہم مسلمان جب مسلمان تھے تو ہمارے ممالک محروسہ
کی ہر بستی اور چھوٹی بستی صنعت و حرفت کی مخزن بنی ہوئی تھی - اور دنیا کا کوئی
ملک ایسا نہ تھا جو ہمارے صناعون اور تاجرون کا بازار نہو - یورپ کے دوسرے
ممالک کا تو ذکر ہی کیا ہے انگلستان جیسے دور دراز جزیرے ملک مین بھی آجتک
مسلمان سوداگرونکی اولوالعزمی کے آثار پائے جاتے ہین - یا یہ حالات اسکے
آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اپنے جسم کو دیکھتے ہین تو سر سے پاؤن تک - گھر کو
دیکھتے ہین تو قلم دوات سے لیکر کاغذ تک کوئی شے ایسی نہین ہے جس کے لحاظ سے
ہم دوسرون کے محتاج نہون -

مین عرض کرچکا ہون کہ اصلی حاکم تلوار نہین ہے بلکہ ہنرمند ہاتھ ہے اور اسی
وجہ سے اہل برطانیہ کی حکومت ہمپر تلوار کے ذریعہ سے قائم نہین ہے - بلکہ
اونکی حکومت (جیسا کہ مولانا نذیر احمد صاحب اکثر فرمایا کرتے ہین) اونکے سوئی
بنانیوالون اونکے کپڑا بننے والون اونکے مشین چلانے والون کی ہے - اور انہین
کی دستکاری کے بدولت اہل برطانیہ نے نہ صرف ہمکو بلکہ ہماری تمام حوائج

دنیوی کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا ہے۔ ہندوستان کی تجارت اسوقت کئی کرور روپیہ کی ہے اور اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان دولتمند ملک ہے۔ لیکن اگر مال درآمد اور برآمد شدہ کی نوعیت پر غور کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اسمین ہمارا کیا حصہ ہے۔ تو سوائے کف افسوس ملنے کے اور دوسرا چارہ کار نظر نہین آتا۔ حالت یہ ہی کہ زیادہ تر خام پیداوار ہمارے ملک سے جاتی ہے اور ممالک غیر سے ہماری ایحتاج اشیاء کی شکل مین تبدیل ہو کر آتی اور بجائے ایک پیسہ کے ایک روپیہ قیمت پر بکتی ہے۔ چمڑے ہی کی نسبت خیال کیجئے کہ ایک بکری کا چمڑا آپ کئی آنہ کو بیچتے ہین۔ اور جب اوسکا مال کو لیدر بنکر آتا ہے تو کتنی گران قیمت کو بکتا ہے۔ اسی طرح آپ ایک پونڈ روئی تین آنہ کو بیچتے ہین اور جب اوسکا باریک کپڑا بنجاتا ہے تو پندرہ بیس روپیہ کو خریدتے ہین۔ ایک ایسی تجارتی شہر مین جیسا کہ بمبئی ہے مجھے ان تفصیلات کے بتانے کی مطلق ضرورت نہین ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ آپ ان امور مین میری بہ نسبت بدرجہا زیادہ واقفیت رکھتے ہین۔

اسلئے مسلمانان بمبئی اس مین شک نہین کہ آپ بلحاظ اپنی تجارتی اولوالعزمی اور مالی کامیابی کے مسلمانان ہند کے سرتاج ہین اور اس میدان مین آپکا کارنامہ نمایان تمام قوم کے لئے باعث فخر ہین لیکن اسلئے آپکو یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ معراج کمال پر پہونچ چکے ہین اور آپکو آیندہ کچھ کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ اگر آپ اپنی حالت پر غور کرینگے تو بلا کسی وقت یا دشواری کے معلوم ہو جائیگا کہ آپکی تجارت گو آپکے حق مین کسقدر مفید ہو لیکن دراصل قوم اور ملک کے حق مین کچھ بھی مفید نہین ہے کیونکہ آپ ملک کی خام پیداوار کے باہر جانے اور ممالک غیر کے مصنوعات کے اندر آنے کا ذریعہ ہین۔ اور اس لئے ملک کے عام افلاس مین ایک حصہ آپکا بھی ضرور ہے اگرچہ بمبئی کی دوسری دیسی قومین خواب غفلت سے چونک چکی ہین اور کسیقدر صنعت و حرفت کیطرف متوجہ بھی ہو گئی ہین۔ لیکن جو آثار ترقی نمودار ہین اونمین آپکا

کیا حصہ ہے۔ پس اب وہ وقت آگیا ہے کہ جس طور پر آپنے اپنی ملک کے افلاس مین حصہ لیا ہے اوسیطرح پر دولتمندی مین بہی حصہ لین۔

مسلمانون کے قومی زوال کی داستان نہایت دلچسپ ہے اور بڑے بڑے اہل الرائے اسپر اپنی جولانی طبع دکہا چکے ہین۔ لیکن جہانتک مین نے غور کیا ہے منجملہ دوسرے اسباب کے ایک بڑا سبب یہ بہی ہے کہ عین ترقی کے زمانہ مین فلسفہ اشراقیین کی اشاعت ہوئی۔ جسکو عجمی تمدن اور خیالات کی اشاعت نے اور بہی قوی کر دیا اور اوس نے دنیا سے دل اوٹہا کر تصوف کی طرف مائل کیا۔ اور بالآخر ہر قسم کی دنیوی ترقی کو باعث ننگ و عار بنا دیا۔ اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہمارا قومی سلسلۂ تعلیم مذہبی ہو گیا۔ اور اسکے علاوہ کوئی ایسا سلسلہ تعلیم قائم نہوا جو اون لوگون کا رہبر طریق بن سکتا جو پیشوائے مذہب بننے کے شائق نہ تہے

اگر آپ تاریخ ترقی یورپ پر غور فرمائینگے تو یہی معلوم ہوگا کہ عہد وسطی مین جسکو عصر تاریک کا لقب تاریخ نے دیا ہے۔ کوئی نصاب تعلیم دنیوی کا مروج نہتا بلکہ تعلیم کا دارومدار مذہب پر تہا۔ اور جب سے کہ تعلیم مذہب کی قید سے آزادی ہوی اوسی وقت سے یورپ کی دنیوی ترقی کی بنیاد پڑی ہے۔ اگرچہ عروج اسلام کے زمانہ مین سیکڑون مدرسے ہر ملک مین موجود تہے لیکن سوائے کاریگرونکی دوکانونکے کوئی ایک مدرسہ بہی صنعت و حرفت کا نہ تہا۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ رفتہ رفتہ لوگ خود صنعت و حرفت ہی کو ذلیل سمجہنے لگے اور اوسی کا خمیازہ آج ہم قومی ادبار اور افلاس کی صورت مین بہگت رہے ہین۔ وہ زمانہ کچہ دور نہین ہے جبکہ ہندوستان دنیا مین صناعی کا مرکز سمجہا جاتا تہا۔ اور کوئی ملک ایسا نہ تہا جو ہمارے صناعون کی ہنرمندی کا محتاج نہو۔ یا اب یہ زمانہ ہے کہ ہم سوئی سے لیکر ریل تک کے لئے دوسرون کے محتاج ہین اور اوسکا باعث سوائے اسکے کچہ نہین ہے کہ صنعت و حرفت جاہل و ناداں لوگون کے ہاتہ مین (جو ضروریات زمانہ سے واقفیت پیدا کرنیکی صلاحیت نہ رکہتے تہے) چہوڑ دی گئی۔ اور تعلیم

صنعت وحرفت کیطرف کبہی توجہ نہ کیگئی ۔

مجہے امید ہے کہ مینے کافی وضاحت کے ساتہہ ثابت کردیا ہے کہ ملکی وقومی ترقی مین صنعت وحرفت کا کیا درجہ ہے ۔ اور اب اس امر کی ضرورت ہے کہ قدیم وجدید لوگونکو جو اعتراضات تعلیم صنعت وحرفت پر ہین اونپر تہوڑی دیر کے لئے غور کیا جائے ۔

اگرچہ اس روشنی کے زمانہ اور خاصکر اس روشن خیال سوسائٹی مین بہت کم لوگ ایسے ہونگے جنکو علانیہ پیشہ کو حقیر کہنے کی جرارت ہو لیکن پہر بہی قدیم اور جدید خیال کے لوگون مین بہت کم لوگ ایسے ہین جنکے دلون مین یہ چور موجود نہو۔ گو اسمین شک نہین کہ مسلمانان بمبئی جنکی معقول تعداد کو کاروبار تجارت نے وسیع کردیا ہے اس سے بڑی حد تک بری ہین ۔ اگر آپ ابتدائی اسلام کی ہسٹری کی تعلیم پر غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اونہون نے اپنے ہاتہہ کی صنعت کو اکثر حالتون کا اعلیٰ درجہ قرار دیا ہے اور اگر آپ اپنی تاریخ کے زرین صفحون کو ذرا غور سے دیکہیں اور ان بزرگ اور باعظمت لوگون کی سوانح عمری کو ملاحظہ فرمائینگے جنہون نے زمانہ کی لوح سادہ پر ایسے نقش چہوڑے ہین جو ہمیشہ یادگار رہینگے تو معلوم ہوگا کہ پیشہ باعث ذلت نہ تہا بلکہ بڑے بڑے لوگ پیشہ ور تہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جنکی تقلید کو اسوقت بہی کئی کرور مسلمان ذریعہ نجات سمجہتے ہین بزاز تہے شمس الائمہ حلوائی کا پیشہ حلوا سازی تہا جیسا کہ اونکے نام سے ظاہر ہے ۔ کون ایسا مسلمان ہے جو منصور حلاج اور فرید الدین عطار کی بزرگی وعظمت سے انکار کریگا ۔ علامہ مقری نے تاریخ اندلس مین لکہا ہے کہ سلاطین بنی امیہ کا قاعدہ تہا کہ ولی عہد کو ضرور کسی نہ کسی پیشہ کی تعلیم دیتے تہے مثلاً کسیکو خیاطی کی تعلیم دیجاتی تہی کسیکو صرافی کی ۔ اور کسیکو نجاری کی ۔

نیشنل کانگریس کا خاتمہ

سورت کانگریس کے خلاف اور خاتمۂ التوا نہا کے باب میں اکثر حضرات بربنائے ناواقفیت و سادہ لوحی فریق گرم کو ملزم قرار دینے میں مطلق تامل نہیں کرتے لیکن ہمکو قوی امید ہے کہ حقیقت حال کے دریافت ہونے پر ہر انصاف پسند شخص نرم فریق کی بزدلی اور پُر فریب دروغگوئی پر اظہار ملامت کے لئے مجبور ہو جائیگا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں تحریک حریت کے آغاز سے خوفزدہ ہو کر حکومت غیر نے اہل ہند پر سختی شروع کی لیکن گورنمنٹ کی اس سخت پالیسی کا اثر مخالف طبائع پر مختلف ہوا یعنی جہاں قلوب احرار میں جبر و تشدد سے جذبۂ حریت کو مزید استقلال اور حوصلہ بہم پہونچا وہیں بزدل اور دنی الطبع بندگان غرض کے دلوں میں دو جو ایک مادہ غلامی کا پنہاں تھا اسمیں بھی تحریک پیدا ہوئی اور نرم فریق نہ صرف خود آمادہ فرار ہوا بلکہ اپنے ساتھ وطن پرست محبان ملک کو بھی لے ڈوبنا چاہا۔ خوشامدیوں کا یہ ننگ وطن گروہ خود بھی اطاعت جور و عبودیت جبر پر (دفاداراتہ ڈیپوٹیشنوں کے ذریعے سے) رضامندی ظاہر کرنے میں مصروف تھا کہ اسپر

مسٹر مارلے کی پُر فریب تقریر

نے سمند غلامی پر تازیانے کا کام دیا۔ اور فریق نرم کو اپنی ابا جب گورنمنٹ کے بیرالنیوالی پالیسی کے سرپرستی محسوس ہوگئی یہ خوشامدی ٹٹو سرپٹ چل نکلے۔ اور حصول جاہ کی خیالی امید نے انھوں اسقدر اندھا بنا دیا کہ مقابلہ دشمن کے بجائے انھوں نے اپنے ہی قوم کے وطن پرست جانبازوں کے مٹا دینے کا اصرار اختیار کر لینے کا مصمم قصد کر لیا اور اسطرح پر مسٹر مارلے سے لیکر لارڈ منٹو، سر جان ہیوٹ اور کمشنر برار تک کے اس حکم کی حرف بحرف تعمیل شروع ہوئی کہ نرم فریق کو لینے ہی کافی نہیں ہے کہ وہ گرم فریق سے تعلق نہ رکھے بلکہ اسکا یہی فرض ہے کہ نیشنلسٹ فرقے کو ہندوستان سے نیست و نابود کرنے میں

گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائے۔ چنانچہ۔ اسی وقت سے

فریق گرم کے اخراج کی متعلق نرم فریق کا قصد مصمم

عملی صورت اختیار کرنے لگا۔ اور اسکی پہلی علامت کانگریس کو بیجا طور پر ناگپور سے سورت لیجانے کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی اس تبدیلی مقام کا منشا سوا اسکے اور کچھہ نہ تہا کہ سورت میں نرم فریق کی یقینی کثرت تعداد کے زور سے کانگریس کے لئے ایک ایسا ضابطہ منظور کرلیا جائے جسکی رو سے قومی فریق کو آیندہ شرکت کانگریس کا استحقاق ہی باقی نہ رہے چنانچہ اندو پرکاش بمبئی بند و پیٹریٹ کلکتہ ٹریبیون لاہور انڈین پیپل الہ آباد اور ایڈ وکیٹ لکھنؤ وغیرہ تمام خوشامدی اخبار پہلے ہی سے، اور اسی نوبیل کارروائی کو پیش نظر رکھکر، بلحجۂ غرور و فتح چلا رہے تہے کہ امسال کانگریس میں اسبات کا فیصلہ یقینی ہوجائیگا کہ گرم فریق یا تو ہمارا شیوۂ غلامی وگداگری قبول کرے یا کانگریس سے علیحدہ ہوجائے۔ ہم اس موقع پر تمام حق شناس بزرگان ملک سے سوال کرتے ہیں کہ

آیا نرم فریق کا یہ وطیرہ کسی طور پر بھی جائز ہوسکتا تہا؟

انصاف یقیناً جواب دیگا اور حق پسندی ضرور بولیگی کہ نہیں اور ہرگز نہیں۔ نیشنل کانگریس کسی خاص شخص یا فریق کی ملکیت نہ تہی اور اسلئے کسی ایک فریق کو کسی دوسرے فریق کے اخراج کا مطلق حق نہ تہا۔ اور اگر بفرض محال ہوتا بہی تو گرم فریق کو ہوتا جو نرم فریق کی سست دلیل سے کہیں زیادہ قوی حجت کے ساتہہ کہہ سکتا تہا کہ زمانے کی ترقی یافتہ حالت نے چونکہ عرض معروض کی بوسیدہ پالیسی کو بیکار ثابت کردیا ہے اسلئے جو لوگ اب بہی اوس قدیم عقیدے پر قائم رہنا چاہتے ہیں اور رفتار زمانہ کا ساتہہ نہیں دے سکتے اونکو لازم ہے کہ بجائے اس کے کہ اپنے نوجوان اور اولوالعزم ساتہیوں کو آگے بڑہنے سے روکیں خود ہی پیچہے رہ جائیں۔

ہم نہیں سمجھتے کہ جو لوگ ایک قومی مجلس میں اختلاف رائے کے وجود گوارا نہیں کرسکتے وہ گورنمنٹ کی کونسلوں میں مساویانہ شرکت کے کس منہہ سے دعویدار ہوسکتے ہیں کیا جسطرح سے یہ دشمنان حریت قومی فریق سے کہتے ہیں کہ یا تو ہمارا عقیدہ منظور کرو ورنہ

کانگرس سے نکل جاؤ۔ اسی طرح سے گورنمنٹ ان سے نہین کہہ سکتی کہ یا تو مسٹر مارلے کا یہ عقیدہ تسلیم کرو کہ ہندوستان کی حکومت ہمیشہ شخصی اصول کے ماتحت رہے گی کیونکہ کسی ہندوستانی مین حکومت کرنے کی قابلیت ہی نہین ہے " یا ہماری کسی کونسل مین شرکت کا تمکو کوئی استحقاق نہین ہے۔

ہم سر فیروز شاہ مہتا سے دریافت کرتے ہین کہ جب آپ کانگرس کے موقع پر عام ڈیلیگیٹون سے دور شاہانہ بنگلے مین فروکش ہو کر بلا صلاح جمہور خود سرانہ طور پر حکومت کرنا چاہتے ہین تو آپ کو لارڈ کرزن اور سر فلر کی خود سرانہ بے ضابطگیون پر شکوہ و شکایت کا کیا حق ہے۔ نیز جب آپ جمہور کی رائے کو ایک پر کاہ سے زیادہ وقعت نہین دینا چاہتے تو پھر جب عوام بھی آپ کو اپنا لیڈر تسلیم کرنے سے قطعی انکار کرتے ہین تو آپ اسمین اپنی توہین کیون سمجھتے ہین۔

قصہ مختصر یہ کہ جب نرم فریق کے لیڈر اپنی تمام کارروائیون مین جمہوریت کے اصول کو چھوڑ کر شخصیت سے کام لینا پسند کرتے ہین تو پھر اپنے لئے انگریزون سے جمہوری حکومت طلب کرنے مین انہین شرم کیون نہین آتی۔

خدا کی شان

ڈاکٹر فیروز شاہ مہتا۔ کرشن سوامی آئر اور مدن موہن مالوی کے پیرو یعنی ان لوگون کے مقلد جنہین حاکمون کی خوشنودی مزاج کے لئے عزیز ترین قومی فوائد کو قربان کر دینے مین ذرا باک نہو۔ جنکے نزدیک اہم سے اہم ملکی امور مین مشورت کے لئے بھی حاضری کھانے کے وقت مین چند منٹ توقف کرنا گناہ ہو۔ جو اپنے ہم قوم ممبران کانگرس کے ساتھ ہوتی کہ اپنے آزادانہ بات چیت کرنیکو بھی خلاف شان لیڈری تصور فرماتے ہون جو بظاہر سودیشی کے حامی ہون لیکن سر سے پیر تک انگریزی لباس سے ملبوس ہون جنکی ساری ہمت گورنمنٹ سے کوئی اعلےٰ عہدہ خطاب یا تمغائے افتخار حاصل کرنیکی کوشش مین صرف ہوا کرتی ہو جو مادر ہند کی خدمت مین مصوبات قید و عتاب حکومت کی برداشت کا خیال تک دلمین نہ لا سکتے ہون، جو ہندوستان کے دشمنون کو اپنا دوست اور دوستو

کو دشمن تصور کرتے ہون۔ جو اہل ہند کو ہمیشہ یہ مشورہ دیا کرتے ہون کہ جو شخص ٹھوکر دیکر تمہاری خبر لیتا ہو تم اسکی قدمبوسی کو اپنے لیئے سرمایہ فخر سمجھا کرو غرضکہ جنکا دلی مدعا یہ ہو کہ ہندوستان کے باشندے ابدی غلامی کی ذلت مین گرفتار ہین وہ اور مسٹر تلک پر خود غرضی اور جاہ پسندی کا الزام لگائین۔ تفو بر تو اے چرخ گردان تفو۔

کون مسٹر تلک

جنکی جانب منسوب ہونیکی بنا پر حریت و وطن پرستی کو اپنی ذات پاک پر ہزارہا ناز ہین جنہون نے اپنی ساری عمر اور ساری ہمت ملک اور صرف ملک کی خدمت مین صرف کردی جنہون نے عیش و آرام اور مال و آزادی کو ہاتھ سے دینا بخوشی گوارا کیا لیکن اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہ آئے جنکی مقلدون کو اس بات پر بجا ناز ہے کہ ہمارے لیڈر نے اپنی زبان سے کبھی کوئی بات ایسی نہین نکالی جسے بعد مین کسیکے خوف سے یا مسٹر گوکھلے کی طرح بعذر مصلحت کبھی واپس لینا پڑا ہو۔ جو رہنمائی کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہونیکے باوجود اصول جمہوریت کے اسدرجہ پابند ہین کہ انہین عوام کے ساتھ رہنے سہنے، کھانے پینے لینے بیٹھنے صلاح و مشورہ کرنے اور بعض اوقات انکی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دینے مین تامل کرنے کے بجائے حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ جنکی صحبت مین بیٹھنے سے روحونکو بالیدگی اور حوصلون کو بلندی حاصل ہوتی ہے۔ جنہون نے ملک کی خاطر سخت سے سخت مصائب کو بخوشی برداشت کیا ہے اور اب بھی برداشت کرنے پر آمادہ ہین جو اہل ہند کو ذلت و غلامی کی جانب نہین لیجاتے بلکہ انہین خودداری اور خود اعتمادی کا سبق دیتے ہین۔ جو اپنے ہموطنون کو ذلیل نہین سمجھتے بلکہ انکی ظاہری اور باطنی قابلیتون پر اعتماد کرکے اس بات کی امید رکھتے ہین کہ ایک دن وہ اپنی ضائع شدہ قوت و جبروت کو یقیناً دوبارہ حاصل کرینگے۔ غرضکہ جنکی عمر کا ہر لمحہ اسی فکر مین گذرتا ہے کہ کسطرح ہندوستان اور اہل ہندوستان کو آزادی نصیب ہو سکے۔

زمزم اخبار کو شرم آنا چاہیے

کہ وہ تلک سے بے نفس اور وطن پرست قومی رہنما کو خود غرض اور دشمن ملک بتاتے

اور انکے پیروان صادق کو بانئے شور و شر قرار دیتے ہیں۔ کاش کہ انہیں سے کسی نے قومی کانفرنس سورت کا دلفریب نظارہ دیکھا ہوتا کہ انکے مفروضہ شریر اور مفسد لوگ اپنے رہنما کے زیر ہدایت جمہوریت کے سچے اصولوں اور قاعدوں کی پابندی کی ساتھ کس خوبصورتی و آسانی سے کل مسائل کو حل کرتے تھے۔ اس خوبی سے کہ ایک مسلم الثبوت مبصر کی زبان سے ہمارے سامنے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا تھا کہ "امریکہ و فرانس کی جمہوری مجلسوں کے دیکھنے کے بعد مجکو ہرگز امید نتہی کہ ہندوستان میں بھی کسی آزاد مجلس میں آزاد بحث و فیصلہ دیکھنے کی نوبت آئیگی۔ لیکن شکر ہے کہ اس کانفرنس میں مجکو حریت کے تمام اصول اور تمام خوبیاں اسی شان میں نظر آئیں جنکی مثال میں سمجھتا تہا کہ امریکہ کے سوا اور کہیں نہ ملسکیگی"

غرض اس بیان سے یہ ہے کہ گرم فریق پر شور و شر کا الزام محض بیجا ہے۔ اگر انمیں سے کسی نے جوش سے کام لیا بھی تو ایسے موقعوں پر جہاں بجز اس کے اور کوئی چارہ نتہا مثلاً سورت کانگرس میں جو ۲۶ دسمبر کو جبکہ ہمارے نزدیک

قومی فریق کانگرس کی کارروائی میں بلا وجہ بھی رخنہ ڈالنے میں حق بجانب ہوتا

کیونکہ ۲۵ دسمبر کو مسٹر گوکہلے کی طرف سے کانگرس کا ایک ضابطہ شائع ہوا تھا جسکا منشا سوا اسکے اور کچھہ نتہا کہ آئندہ سے کانگرس کے ڈیلیگیٹ اور پراونشل و ڈسٹرکٹ کمیٹیوں کے ممبر صرف وہی لوگ ہو سکیں جو مسٹر گوکہلے کے مجوزہ عقیدہ کانگرس پر بلا چون و چرا ایمان لے آتے ہوں اس وا؟ لیکہ وہ عقیدہ مجوزہ، قومی فریق کے پولیٹکل عقیدے نیز کلکتہ کانگرس کے پاس شدہ رزولیوشن سوراج کے بالکل مخالف تہا، کانگرس میں اس عقیدے کو پاس ہوجانے دینا اس امر کی برابر ہوتا کہ گرم فریق نے خودکشی کرلی اور آئندہ کے لئے از خود کانگرس سے دست بردار ہوگیا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اگر اور کوئی وجہہ نہوتی تو بھی اور صرف یہی ایک مذکورہ بالا سبب گرم فریق کی مخالفت کے جواز کے لئے کافی تہا۔

لیکن مسٹر تلک کی صلح پسندی سے ایسا نہیں ہوا

اور باوجود نرم فریق کے صریحی فریب اور چالاکیون کے مسٹر تلک نے طریق آشتی کو قابل ترجیح قرار دیا اور نیشنلسٹ کانفرنس نے گرم ممبرون کی ایک کمیٹی مقرر کردی جسے اختیار دیا گیا کہ نرم فریق کے لیڈرون سے ملکر اس بات کا تصفیہ کرلے کہ اگر وہ لوگ کم از کم سال گذشتہ کی منظور شدہ تجاویز سوراج سودیشی بائیکاٹ اور قومی تعلیم کو اس سال بھی تسلیم کرلین یا بالفاظ دیگر یہ کہ اگر سال گذشتہ سے کچھ ترقی نہ کرین تو کم از کم تنزل بھی گوارا نہ رکھین تو ایسی حالت مین گرم فریق کسی قسم کی مخالفت نہ کریگا لیکن اگر یہ بات منظور نہ ہوا اور وہ لوگ قومی گروہ کے اخراج ہی کے درپے ہون تو پھر سوا اسکے اور کوئی چارہ نہین ہے کہ انکے تمام رزولیوشنون کی حتی کہ تجویز انتخاب صدارت کی بھی مخالفت کیجائے۔

اس موقع پر یہ بھی بیان کردینا ضروری ہے کہ تجویز صدارت سے فریق گرم کا ارادہ اختلاف ڈاکٹر راش بہاری گہوش کی ذاتی مخالفت پر ہرگز مبنی نہ تہا بلکہ اسکی بنا مندرجہ ذیل دو اصولون پر مبنی تہی کہ اول نرم فریق کے تقریبًا کل رزولیوشنونکی تردید کرکے یہ بات بخوبی واضح کردیجائے کہ سورت مین اتفاقیہ اور مصنوعی کثرت تعداد کے زور سے کانگرس کو پیچھے ڈھکیلنے اور وطن پرستون کو اس سے خارج کرنے کی بیجا کارروائی قومی گروہ کے لئے کسیطرح حجت نہین قرار پاسکتی

؎ مثلاً جب ۵ ۱- دسمبر تک خلاف امید ۱۱۰۰ ڈیلیگیٹون سے ۶۰۰ نیشنلسٹ ڈیلیگیٹ پائے گئے تو مسٹر فیروز شاہ مہتا نے خود دوبارہ بمبئی جاکر بہت سے جدید ڈیلیگیٹ بمبئی سے بہرتی کئے جنکے لئے مسٹر واچا نے اپنے دستخطی سادے فارم ٹکٹ آفس مین رکہوا دئے تھے کہ جو شخص بمبئی سے آئے وہ فارم پر دستخط کرے اور ٹکٹ لیکر داخل کانگرس ہو اور اس طرح پر آغاز کانگرس کے وقت تک نرم فریق کی مصنوعی مجارٹی قایم ہوجائے ہمارے پاس مذکورہ بالا سادے فارمون مین کا ایک فارم برائے ثبوت موجود ہے۔

دوم یہ کہ انتخاب صدر کے بارے مین گورنمنٹ کی خوشنودی مزاج[۵۱] کا لحاظ رکھنے کی پالیسی سے عملی مخالفت کا اظہار ہو جائے۔ یہ بھی واضح رہے کہ مندرجہ بالا ارادے صرف اس حالت مین جائز قرار دئے گئے تھے کہ سر فیروز شاہ اور اونکے مرید مسٹر تلک کی مناسب و معقول تجویز مصالحت کو کسی طرح قبول نکرین ورنہ درصورت مصالحت و مراعات بلا وجہ اختلاف کا کسی نیشنلسٹ کے دل مین وہم و گمان بھی نہ تھا لیکن افسوس

مصالحت سے فریق نرم کی بیزاری

اس حد تک نوبت پہونچی تھی کہ تجویز مصالحت کا سننا تو در کنار کسی نرم لیڈر نے مسٹر تلک سے ملنا تک پسند نکیا چنانچہ سر فیروز شاہ کا شغل ناشتہ خوری اور مسٹر مالوی جی کا شغل عبادت کے عذر ہائے لنگ پیش کر کرکے کترا جانا نیز لالہ لاجپت رائے اور مسٹر سرایا داس ساکن بمبئی کی کوششون کا بیکار ثابت ہونا اسی بیزاری کی بدولت تھا۔ اطلاع ناظرین کے لئے

اس بیزاری کا سبب اور اسکا نتیجہ

یہ بطور اختصار بیان کیا جاتا ہے۔ نرم فریق کے انکار صلح کے اسباب مین سے سب سے بڑا سبب ابتدا مین غرور اقتدار اور یقین کثرت رائے کو سمجھنا چاہئے حالانکہ یقین کثرت رائے کی نسبت ہم بوثوق کہہ سکتے ہین کہ اوسکی حقیقت زعم باطل سے ہرگز زیادہ نتھی کیونکہ نرم فریق مین سے بھی ڈیلیگیشونکی ایک معقول تعداد مسٹر تلک کی تجویز صلح کو دل سے پسند کرتی اور

---

[۵۱] واضح ہو کہ مسٹر گوکھلے نے سورت جا کر ملک کی متفقہ رائے کے خلاف لالہ لاجپت رائے کو پریسیڈنٹ نہ بنانے کے باب مین اہل سورت کی رو برو یہی دلیل پیش کی تھی کہ ہماری موجودہ حالت اس امر کی مقتضی نہیں ہے کہ ہم گورنمنٹ کو ناراض کرین کیونکہ بصورت ناخوشی گورنمنٹ ہماری پولٹیکل تحریک کو دم زدن مین نابود کر سکتی ہے اور اسکے بعد مختلف مقامات سے تار بھیجکر لالہ صاحب کو مجبور کیا تھا کہ آپ امسال صدارت کانگرس کی قبول کرنے سے انکار کر دیجئے۔

اور اسکی تائید پر آمادہ تھی؎۔ اور کیا عجب ہے کہ اسی واقعے کے علم نے نرم لیڈروں کو آخرکار
اس عزم پر قائم کر دیا کہ تجویز صلح کو کسیطرح کانگریس کے روبرو پیش ہی ہونے نہ دینا
چاہیے کیونکہ انکو خوب معلوم ہوگیا تھا کہ اگر یہ تجویز ڈیلیگیٹوں کے روبرو آگئی تو
نرم فریق کے بھی ایک حصے کی تائید سے یقیناً پاس ہوجائیگی۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اگر صلح ہوجاتی
تو پھر سارا بنا بنایا کھیل ہی بگڑ جاتا۔ کیونکہ پھر تو مسٹر گوکھلے کا مجوزہ عقیدہ کانگریس ہی باقی
رہتا۔ نہ تو قوم پرست گروہ کے اخراج کی تجویز چلتی نہ ساتھ ہی انگلو انڈین فریق اور مسٹر مارلے
کے پروانہ خوشنودی مزاج کی امید بھی بالکل خاک میں ملجاتی۔ چنانچہ ان جملہ ضروریات کے
لحاظ سے نرم لیڈر آزادانہ و علانیہ کارروائی کے بجائے خفیہ اور پُرفریب پالیسی
کو ترجیح دینے پر آمادہ ہوگئے جسکا ظہور اس طرح پر ہوا کہ ظاہر میں تو اس مضمون کا
ایک افیشل نوٹ شائع کیا گیا کہ گرم لیڈروں کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ امسال
کانگریس بجائے ترقی کرنے کے تنزل کریگی لیکن خفیہ طور پر تجویز ہوا کہ رزولیوشنوں میں
ضروری الفاظ کی اسطور پر ترمیم و تجدید کیجائیگی کہ کلکتہ کانگریس کے رزولیوشنوں کا مفہوم
اگر بالکل نہیں تو اس حد تک ضرور بدل جائے کہ وہ انگریزوں کو ناگوار خاطر نہ رہے
علاوہ بریں یہ بھی طے کر دیا گیا کہ مجوزہ رزولیوشنوں کا مسودہ آخر وقت تک کسی نیشنلسٹ
کو نہ ملے تاکہ وہ اسی دھوکے میں رہیں کہ حسب اعلان افیشل نوٹ کلکتہ کانگریس کے ضروری
رزولیوشن بجنسہ پروگرام میں موجود ہیں اور اسلئے نیشنلسٹ کانفرنس کے فیصلے کے مطابق
انکو اختلاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بحث پر مسٹر گوکھلے کی جانب سے ایک نہایت کمزور عذر

؎ ۲۵ دسمبر کو مسٹر تلک نے کانگریس کیمپ میں بذات خاص جاکر نرم فریق کے ایک گروہ کثیر کی مجلس میں اپنا یہ خیال
ظاہر کیا تھا کہ امسال اگر کانگریس ترقی نہ کرے تو اُسے تنزل بھی نہ کرنا چاہئے۔ آپنے یہ بھی صاف صاف کہدیا تھا کہ اگر سودیشی بائیکاٹ
سوراج اور قومی تعلیم کے متعلق کم از کم وہی رزولیوشن بجنسہ پاس کر دئے جائیں جو کلکتہ کانگریس میں بصدارت دادابھائی نوروجی
پاس ہوئے تھے تو ہم مطلق اختلاف نہ کرینگے ورنہ تمام رزولیوشنوں کی مخالفت کیجائیگی جنمیں انتخاب صدر انجمن کا
رزولیوشن بھی شامل ہے۔ لوگوں نے (مع جی سبرامنیا آیر و مسٹر کرندکار) اس بیانکو پسند کیا بلکہ
بعضوں نے اس مضمون کے محضر پر اپنی منظوری کے دستخط بھی کر دئے جسکی نقل ہمارے پاس موجود ہے۔

یہ شایع ہوا ہے کہ رزولیوشنونکی قبل اجلاس کانگرس شایع نہ ہوسکنے کی وجہہ یہ تہی کہ مجکو آخر وقت تک مسودہ رزولیوشن تیار کرنیکی فرصت نہین ملی لیکن یہ عذر بالکل ناقابل قبول ہے اول سلیئے کہ بقول مسٹر تلک گوکہلے اسقدر نالائق نہین ہین کہ چند رزولیوشن بنا لینکے لئے انکو ایک مہینے کی مدت ناکافی خیال کیجائے دوم اس بنا پر کہ کل رزولیوشنون کی نقل ایک دن پہلے ایڈوکیٹ آف انڈیا بمبئی کو تار کے ذریعے سے نہین بلکہ بذریعہ ڈاک روانہ کیجاچکی تہی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف قومی گروہ سے اُن کا پوشیدہ رکہنا منظور تہا۔

علاوہ برین جب (حسب ادلیٹے افیشل نوٹ) سال گذشتہ کے رزولیوشنون مین کسی غیر معمولی تبدیلی کا ارادہ نہتا تو پہر سمجہہ مین نہین آتا کہ ایک صفحے یا دو صفحون کی عبارت کو نقل کرنے اور ٹائپ کرا دینے مین کچہ اہتمام اور فرصت کی ضرورت تہی۔ پس نرم فریق کو لامحالہ ان دو باتون مین سے ایک کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا تو نہین مذکورہ بالا رزولیوشنون کی ترمیم و تنسیخ یقیناً مد نظر تہی جسکے لئے غور و فکر نیز پوشیدگی و تعویق کا لازم آنا ضروری تہا یا یہ کہ انکا عذر عدیم الفرصتی محض دفع الوقتی اور فریب دہی کی بنا پر تہا۔ مسٹر گوکہلے رزولیوشنون کی عدم اشاعت کو ایک غیر وقیع معاملہ قرار دیتے لیکن ہم کہتے ہین کہ

مسٹر سریندرو ناتہ بنرجی کی پہلی سپیچ مین گڑبڑ

زیادہ تر اس معاملہ کی وجہہ سے پیدا ہوئی۔ اور وہ اسطرح پر کہ قومی گروہ کو قومی امید تہی کہ نرم لیڈر مسٹر تلک کی معقول تجویز صلح کو ضرور منظور کرلینگے اور انکو اظہار اختلاف کی ضرورت نہ پڑیگی لیکن جب ۲۶- دسمبر ۲ بجے تک بہی مسودہ رزولیوشن کسیکو نہ ملا تو قدرتاً انکے دلونمین نرم فریق کی بدعہدی کا خطرہ پیدا ہوا کہ وہ لوگ یا تو کلکتے کے پاس شدہ رزولیوشن بالکل ہی اُڑا دینگے یا اگر رکہینگے بہی تو کسی تبدیل شدہ اور بیکار ہئیت مین نیز یہ کہ نرم لوگ کسی نہ کسی طرح نیشلسٹس کو دہوکے ہی دہوکے مین رکہکر صدر انجمن کو منتخب کرا لینا چاہتے ہین تا کہ بعد اسکے اپنی مصنوعی کثرت تعداد کی زور سی پہر جو کچہ چاہین

پاس کرالین۔ ان خطرات کو چند سربرآوردہ نرم حضرات کے اِس قول سے اور بھی تقویت حاصل ہوئی کہ انتخاب صدارت کی کارروائی محض ایک ضابطے کی کارروائی ہے ورنہ اس باب مین استقبالی کمیٹی کے فیصلے کو آخری فیصلہ سمجھنا چاہیئے۔ یا بالفاظ دیگر یہ کہ انتخاب صدر انجمن کے لئے صرف کسی شخص کا تجویز پیش کرنا اور کسی کا برائے نام تائید کر دینا کافی ہوگا اور جمہور کی رائے لینے کی مطلق ضرورت نہوگی۔ غرضکہ ان خطرات کی وجہہ سے قومی گروہ کے دل بدگمانیون سے یونہی بھرے ہوئے تھے کہ اسی اثنا مین ایک اور واقعہ ظہور مین آیا وہ یہ کہ مدنا پور کانفرنس مین پولیس کی امداد طلب کرنے کی وجہہ سے مشرقی بنگال کے جو بعض ڈیلیگیٹ مسٹر بنرجی سے بدظن تھے انہون نے ”نہین نہین“ کے نعرون سے اپنے خیالات ناراضی کا اظہار کرنا چاہا۔ جسکا جواب نرم فریق کی جانب سے ”کہے جائیے۔ کہے جائیے“ کے شور سے دیا گیا اور ان دونون گروہون کے شور مین بعد کو وطن پرستون کا عام گروہ بلا قصد سابق اسوجہہ سے شامل ہوگیا کہ اس کے خیالات قبل ہی سے نرم فریق کی پوشیدہ کارروائیون اور چالاکیون کے باعث، خطرات اور بدگمانیون سے لبریز ہو چکے تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ محض فریق نرم کی بدسلیقگی کے سبب سے نامعلوم طور پر جلسے مین ایک ایسی ابتری پیدا ہوگئی جسکا رفع کرنا امکان سے خارج ہوگیا اور کانگریس مجبوری ایک دن کے لئے ملتوی ہوگئی۔ اب اگر نرم لیڈرون کو صلح کی کچھہ بھی خواہش ہوتی تو وہ اس التوائے یکروزہ سے فائدہ اٹھانے کی ضرور کوشش کرتے یا خود کچھہ کوشش نکرتے تو کم از کم مسٹر تلک کی سعی مصالحت کو ناکام بنانے ہی سے محترز رہتے۔ لیکن وہان تو کچھہ اور ہی سامان ہو رہا تھا۔ اور صورت کا نرم فریق مسٹر تلک کو ذلیل کرنے کے لئے ایسی ایسی

[1] بعد کے واقعات سے ثابت ہوا کہ قومی گروہ کے دونون خطرے صحیح تھے کیونکہ رزولیوشنون مین ضروری الفاظ کی تغیر کے علاوہ نرم لیڈرون نے دوسرے دن انتخاب صدارت کے معاملے مین واقعی پہلے درجے کی دھاندلی سے کام لینا چاہا جسکا ذکر آگے آئیگا۔

قابل نفرین ہتھکنڈیان

کرنے مین مصروف تہا جنکا ذکر ہی کرتے ہوئے تہذیب کو شرم آتی ہے - یعنی اول تو شہر کے متعدد بد معاش کرایے پر محض اس غرض سے بلا کر کانگرس پنڈال کے اندر متعین کئے گئے تھے کہ اشارہ پاتے ہی وہ مسٹر تلک اور انکے ساتھیون کی زدوکوب مین مصروف ہو جاوین[1] - پھر قومی فریق کے جو چند والنٹیر تھے وہ پہلے ہی سے بلا وجہ موقوف کر دیے گئے تھے - اور احاطہ کانگرس کے ہر چہار طرف پولیس بٹھال دیگئی تہی تاکہ بوقت ضرورت آسانی طلب کیجا سکے علاوہ برین ان سب باتون پر اکتفا نکر کے ایک اور بہی کمینہ حرکت کیگئی تہی وہ یہ کہ گجراتی زبان مین ایک اشتہار چہاپکر ڈیلیگیٹون مین تقسیم کرا دیا گیا تھا کہ "اے اہل گجرات شیواجی نے سورت کو دو دفعہ لوٹا - دوسری دفعہ جاتا ہوا کہہ گیا تہا کہ مین تیسری مرتبہ پہر آؤنگا - وہ نہ آسکا - اب اسکا اوتار تلک تمہاری ناک چوٹی لینے آیا ہے - پس اے بہائیو - جاگو - تلک کے مقابلے کو تیار ہو جاؤ" -

اب ایک جانب تو یہ شیطانی تجویزین در پیش تہین دوسری جانب مسٹر تلک پہر بہی مصالحت کی سعی بلیغ مین مصروف تھے - لیکن جب انہون نے دیکھا کہ نرم لیڈر آپس کی ملاقات ہی سے گریز کرتے ہین تو پہر انہین اسکے سوا اور کوئی مناسب صورت نظر نہ آئی کہ وہ اپنی تجویز مصالحت کو اجلاس کانگرس ہی مین پیش کرین تاکہ پہر کسی نرم لیڈر کو گریز کا موقع ہی نمل سکے

[1] یعنے ان بدمعاشون کو ہدایت تہی کہ ہم یہ جانتے ہوئے اور حملہ کرتے ہوئے بچشم خود دیکھا ملاوہ برین مسٹر جی سبرامنیا آیر کے سے مشہور و معروف ... سی نرم لیڈر نے حال مین اخبار ہندو مین ایک خط چہپوایا ہے جسمین صاف صاف لکہدیا ہے کہ مین مسٹر تلک بڑا و سے کانگرس کا وجہہ سمجہتا تہا کہ جب خود مسٹر فیروز شاہ کی ایک ... از دارسے کانگرس پنڈال مین بدمعاشون کے متعدد گروہ کا حال بتحقیق معلوم ہوا ہے اسوقت سیکرٹری کی لکہی علاوہ برین ایک "گہر کے بہیدی" کا بیان ہے کہ "۲۶ - دسمبر کو دن کا ... بجے گہوش صاحب سکرٹری استقبالیہ کمیٹی نے چار پہلوانونکو جو کہ نہ والنٹیر تہے نہ وزیٹر نہ ڈیلیگیٹ نہ استقبالیہ کمیٹی کے ممبر ایک رقعہ دیکر بہیجا تہا اس پر یہ لکہا تہا کہ ان پہلوانونکو چار پاس داخلہ کے دو - اس حکم کی تکمیل مین مسٹر جاجی والا آنریری کلرک نے چار پاس پہلوانونکو مہیا کر دئے ان پاسون کے فوٹو اب تک موجود ہین - اگر سکرٹری صاحب کو ہمت ہو تو اس سے انکار کرین -

اور یہ کل معاملہ کانگریس کی کارروائی مین باضابطہ درج ہوسکے[له]۔ یہ بھی لحاظ رہے کہ مسٹر تلک نے دوسرے دن مسٹر بنرجی کی تقریر کو بخاموشی تمام سننے کا حکم دیدیا تھا جس کی سب نے پابندی کی۔ اب رہی یہ بات کہ

مسٹر تلک تجویز صلح کو انتخاب صدر سے قبل کیوں پیش کرنا چاہتے تھے

اسکی وجہ صاف ظاہر ہے کہ مسٹر تلک اور انکی تمام مقلدین کو تجویز صدارت سے اختلاف کرنا دل سے ناگوار تھا (اگرچہ انہین بضرورت اسپر آمادگی ظاہر کرنی پڑی تھی) لہذا انکی دلی خواہش یہ تھی کہ انتخاب صدر سے قبل ہی صلح و مراعات کا فیصلہ ہوجائے اور اختلاف کی ناگوار ضرورت پیش ہی نہ آئے۔ چنانچہ انہوں نے استقبالی کمیٹی کے پریسیڈنٹ کو داخل پنڈال ہوتے ہی ایک تحریر بھیجی کہ میں تائید تجویز صدارت کے بعد انتخاب صدارت کو تھوڑی دیر کے لئے بدین غرض ملتوی کرنے کی تجویز پیش کرونگا کہ دونوں فریقین کے لیڈر کانگریس کو اختلاف سے بچانیکی کوئی شکل باہم طے کرلین لیکن مسٹر مالوی نے اس تحریک کا کچھ جواب نہین دیا بلکہ مسٹر گوکھلے کی یاددہانی پر بھی دانستہ اس غرض سے خاموش رہے کہ عین وقت پر مسٹر تلک کی درخواست کو بیقاعدہ قرار دیکر انکو تقریر کرنے سے روکدین اور

مسٹر گھوش کو دھاندلی کرکے صدر انجمن بنانیکا بلا شرکت تجویز

قبولیت تمام پاس ہوجائے۔ چنانچہ اسی غرض سے اول مسٹر بنرجی نے خلاف معمول ...

[له] چنانچہ جب یک مسٹر ... دوسرے دن کی اجلاس کانگریس میں قبل پروفیسر ... کے متعلق ... صدارت ... بیان کردیا تھا کہ میں انتخاب صدر سے قبل ایک صلح کی بنا پر ایک تجویز پیش کرونگا جس میں ہر دو فریقین کی جانب سے ایک ایک ممبر ... ممبر ہونگے ... مسٹر تلک کی زبان سے یہ الفاظ سنکر ... ہرگز ... نہ ... کانگریس ہی مین پیش کرونگا۔

[له] مسٹر تلک ... فریق کا یہ الزام ... کارروائی انتخاب صدر کی بجائے ... کو ملتوی کرانا چاہتے تھے ... اگر ... مسٹر تلک کی تجویز پیش ... [illegible]

تائیدی تقریر کو بہت جلد ختم کر دیا بعد ازان مسٹر تلک کے پلیٹ فارم تک پہونچنے سے پہلی ہی پہلی یعنی صرف چند سکنڈ کے عرصے مین فرضی طور پر تجویز صدارت کی تائید مزید بھی ہوگئی اور ووٹ بھی طلب کر لئے گئے اور طرفہ تر یہ کہ بقول نرم اخبارات باضابطہ طور پر کثرت رائے سے وہ تجویز منظور بھی ہوگئی۔ لیکن ہم کہتے ہین کہ جس شخص کے دماغ مین ذرہ برابر بھی عقل موجود ہوگی وہ نرم فریق کی اس صریح غلط بیانی پر مطلق اعتبار نہ کریگا۔

کیونکہ اسقدر قلیل عرصے مین پنڈت موتی لال نہرو کی اسپیچ کا ہونا۔ پھر مسٹر مالوی کا لوگون سے ووٹ طلب کرنا ازان بعد لوگون کا باوجود ابتری مجلس فوراً ووٹ دیدینا اور مسٹر مالوی کا کثرت تعداد کا یقینی اندازہ کر کے تجویز کو طے شدہ قرار دینا عقلی طور پر محال ہے۔ اور جو لوگ ایسے امکان کا دعوے کرتے ہون انکی نسبت ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ یا تو وہ بے عقل ہین یا دروغگو ہیں پھر جب صورت حال اس طور پر واقع ہوئی تھی تو اگر مسٹر تلک نے ڈاکٹر گہوش کے باضابطہ صدر انجمن ہونے اور انکے حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور نرم لیڈرون کی واہیات دہمکیون اور دہمکیون کی مطلق پروا نکی تو بالکل بجا کیا بلکہ یہی انکی مردانگی اور استقلال کے شایان شان تھا۔ حقیقت مین وہ نظارہ قابل دید تھا جبکہ معاندین کے بیچ مین اکیلا جوش کے عین لشکر مین ایک شیر بیشۂ شجاعت اپنی جگہ سے جما ہوا تھا کہ جسے وہ ٹس سے مس نہ کر سکتے تھے اور ثابت قدمی قدمبوس۔

نرم فریق کی شرارت اور کانگرس کا خاتمہ

اسوقت تک پیروان تلک اپنے لیڈر کے حکم کے مطابق خاموش تھے لیکن جب انہون نے استقبالیہ کمیٹی کے ایک کمینہ سکرٹری کو مسٹر تلک کے مقدس جسم پر ہاتھ ڈالتے اور ایک گجراتی کو مسٹر تلک کی جانب جوتا اور ایک کو کرسی پھینکتے دیکھا نیز صورت کے متعصب معاشون کو نرم لیڈرون کے اشارے پر آمادہ بد ذاتی پایا تو انمین سے چند بیشک مسٹر تلک کی حفاظت کے لئے پلیٹ فارم پر پہونچ گئے اور سینہ سپر ہوکر اپنے رہنما کو خطرے سے بالکل بچا لیا۔ نرم لیڈرون نے یہ حالت دیکھکر بزدلانہ طور پر

راہ فرار اختیار کی خصوصاً سرفیروز شاہ نے عورتوں کی نشست گاہ میں پناہ لی - اور پریسیڈنٹ نے پولیس کو مداخلت کے لئے بلایا جو پہلے ہی سے اشارے کی منتظر تھی - بعض مشہور نرم لیڈروں نے پولیس سے مسٹر تلک کی گرفتاری کا بھی تقاضا کیا لیکن انکی درخواست منظور نہ ہوئی غرضکہ نرم فریق کے فریب اور سفاہت نے بیچارے خود کانگرس کو بہوت مار ڈالا اس کے بعد جو کچھہ واقعات پیش آئے انکا بیان نیز اس بات کا ذکر کہ اس اختلاف کا نتیجہ ملک کے لئے کیا ہوگا آئندہ کیا جائیگا - انشاءاللہ تعالےٰ - فی الحال ہم مندرجہ بالا چشم دید واقعات کو درج کرکے اپنے صوبے کے نرم اخباروں کو (مثلاً انڈین پیپل - ایڈووکیٹ - ہندوستانی) یہ تلقین دیتے ہیں کہ وہ یا تو ہماری تحریر کی تردید کریں یا آئندہ اپنے کالموں کو غلط بیانیوں سے پاک رکھیں اور خدا کے غضب سے ڈریں

مسٹر گوکھلے کا غدر (تلک)

٥٢ مسٹر گوکھلے نے [illegible] کہ مسٹر [illegible] بات یہ کہ اسکی کوشش [illegible] نرم لیڈر [illegible] کلکتہ کانگرس کے [illegible] ترمیم کو سوا [illegible] تبدیلی نہیں کی تھی [illegible] مسٹر تلک کی اپنی حق تقریر پر اصرار کرنا [illegible] پریسیڈنٹ کا [illegible] یہ [illegible] طریق عمل اختیار کیا تھا [illegible] کی نسبت جاننا چاہئے کہ رزولیوشنوں میں ترمیم صرف لفظی ہے لیکن جو الفاظ تبدیل کئے ہیں وہ [illegible] اہم ہیں [illegible] چنانچہ انکی اہمیت کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے [illegible] کی تجویز [illegible] کی تھی [illegible] کی [illegible] پارلیمنٹ کے مطابق [illegible] کی [illegible] تجویز [illegible] تمام کارروائی [illegible] تک [illegible] اور صدر انجمن کو بھی کوئی اختیار نہیں ہے کہ کسی ممبر کو ایسی [illegible] کرنے سے کسی وقت میں بھی روک سکے (دیکھو دستور العمل پارلیمنٹ مصنفہ [illegible] ہے)

مسٹر نیوینسن کی رائے

٥٣ [illegible] انگلستان کے مشہور اخبار نویس مسٹر نیوینسن [illegible] الفاظ میں ظاہر کی ہے کہ [illegible] یعنی مسٹر تلک [illegible] اور مسٹر [illegible] پریسیڈنٹ [illegible] تو کانگرس پھوٹ سے بچ سکتی تھی - لیکن میرے نزدیک بمبئی کے نرم لوگ مسٹر تلک اور [illegible] کو کانگرس سے خارج کرنیکی دلیں ٹھان چکے تھے - امید ہے کہ جو لوگ انگریزوں کے بیان کو آیت حدیث سمجھتے ہیں وہ بھی مسٹر نیوینسن کی رائے معلوم کر لینے کے بعد گرم فریق کو ملزم ٹھہرانے کی آئندہ ہمت نہ کرینگے

مثنوی بر سنجر یا تحفۂ درویش

نمبر (۱)

حمد باری عز اسمه

عنوانِ بیانِ هر کتابی | زیباست بنام آن جنابی
کز خاک نمود صورت پاک | شایان کردش بعقل و ادراک
پیدا کنِ عالم و جهان هم | صورت گرِ هم پری و آدم
زینت دهِ آسمان ز انجم | آبادکنِ زمین ز مردم
نی سروری ورا بدایت | نی حاکمی ورا نهایت
طغیانی بحر از نم او | بارانی قطره از یم او
اندر سرِ گل از و خماری | وندر رگِ گل از و نگاری
آن کز رهِ بنده پروریها | نور ایمان بداد ما را
تا ظلمت جهل را ز دل دور | سازیم و کنیم پر از آن نور

نعت نبوی علیه الصلوٰة والسلام

در دامن پاکِ مصطفیٰ گیر | در سجده درگهش جبین گیر
سرکرده خیل پاکبازان | سردارِ گروه جان نوازان
آن صدر نشین بزم خلقت | وآن بانی اتحاد و الفت
یکدل کن ذرات آدم | یکرای نمای جمله عالم
آرایش بزم سروری هم | سرسبزی باغ برتری هم

ہم چشم و چراغ اصطفا را — ہم نور نگاہ اجتبا را
اے مظہرِ لطف یا عنایت — وے لشکرِ رحم ہم کرامت
بر من درِ لطف و رحم بکشا — بر حالِ من شکستہ بخشا

خاکسار دیانت حسین عفی عنہ پنسنر از ستندا ڈاکخانہ عطاسرائے ضلع پٹنہ

غزل جناب مولوی ضامن علی صاحب وحشت کلکتی

حیرت تھی یہ نظارہ تھا جو مقدر جلوہ — ہوا ہوں مجروح نا آسی خراب میخانہ آرزو کا
نگاہ کتنی ہے دیدہ اشتیاق ہی پہ بلا کی حسرت — صدا ہے گویا میری خموشی شہید ہوں شوق گفتگو کا
وصال اُس سے بندہ نواز کا ندیم مجھ ستم زدہ کو — خزاں سے پژمردہ ہو نہ جائے بہار باغ آرزو کا
داغ جگر خون نہ ہو بیر نشتر کی نا تمامی — تہ ابنائے زمین تیرہ ساقی ہی کام کیا ساغر و سبو کا
کبھی جلوہ نقاب میں کبھی ہیں دولی میں بے محابا — نہ ڈھنگ یا نیاز ہی کا نہ سلیقہ مجھے وضو کا
ہے گا ذوق خطا خود اسکا محرم آشنا نوازی — طلب کی خاطر و راز کرنا فزوں کیا دست آرزو کا
داغ میخانہ بیخودی کا نگاہ آئینہ تحیر — عجیب کیفیت میں ہیں وحشت فریفتہ وہ ہونگے لوگ

غزل حضرت ضامن کنتوری

آئینہ بنگیا ہم وقت یہ صورت دیکھی — تمنے میرے دل مشتاق کی حالت دیکھی
نظر غور سے دنیا کی جو حالت دیکھی — ہمنے برپا ہیں ہر روز قیامت دیکھی
ہیں برا تو ان تمہیں اچھی سی جا تو دو نہ ذکر — غیر اوروں کی بھی ہمنے طبیعت دیکھی
حال دل کون کہے کیا کہے اور کس سے کہی — جب ملے ہمسے وہ بگڑی ہی طبیعت دیکھی

ہجر کے ڈر سے کرین ترک محبت کیا خوب
اور وہ پھینکینگے جہان اتنی نسبت دیکھی

غیر کے مال پہ واعظ یہ سخاوت کیسی
پی چکے بادہ کو غیر تری نیت دیکھی

خاک چھانی بہت اس دار فنا کی ظاہر
کنج عزلت ہی مین کچھ راحت دیکھی

عزیز- مرزا محمد ہادی صاحب لکھنوی

سب چھپا دی رات صبح کے آثار دیکھکر
روئے سپید ہی رخ بیمار دیکھکر

اے ناشناس اہل وفا مین ترے نثار
کیا سوچتا ہے خون بھری تلوار دیکھکر

مین اور اپنی زیست سے مایوس ہو گیا
جب رو دیا مجھے کوئی غمخوار دیکھکر

بر نے عشق شیشۂ دل رہگذر مین ہے
اے مست دور ساغر رفتار دیکھکر

ٹہرکے رو بجائین یہ انکھین مری کہین
روتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھکر

یاد آگئین وہ حسن کی یوسف فریبیان
ہنگامۂ خیز عشق کا بازار دیکھکر

ہنستے ہین وہ رقیب افسانۂ کلیم
مجکو ہلاک حسرت دیدار دیکھکر

ذکر خرام ناز کرو مشورہ یہ ہی
وقت اخیر نبض کی رفتار دیکھکر

بے نور ہو چلی ہے نگاہ مریض ہجر
تارونکے ڈوبتے ہوئے آثار دیکھکر

حسرتکدہ مین عشق کے سچ ہی بقول میر
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھکر

غزل جناب شفق عماد پوری

یہ نہین کہتے آشنا کیون ہو
آشنا ہو کے تم جدا کیون ہو

جان لیتی ہے جب ادا تیری
مفت بدنام پھر قضا کیون ہو

ولین جب گھر بنائے بیٹھے ہو
میرے پہلو سے تم جدا کیون ہو

آئینہ دیکھکر خفا ہین وہ
کہتے ہین ہمسا دوسرا کیون ہو

روٹھنے والے سے ہی جلاتے ہین
آؤ منجاؤ اب خفا کیون ہو

شوخیان جسکی ہر ادا مین ہون
اُسکی آنکھون مین پھر حیا کیون ہو

اوسکی رحمت سے ہو لگاؤ شفیق
اتنے شرمندۂ خطا کیون ہو

غزل جناب نواب محمد مرتضیٰ خان صاحب شمیم از کانپور

گر یونہی دور رہیگا گردش افلاک کا
خاک مین ملجائیگا [illegible]

مین وہ میکش ہون کہ ساقی با نمین [illegible]
بنگیا ہی شیشہ [illegible]

منحصر اونکی اداؤن پہ ہے کار آسمان
شیشہ کا پھرنا [illegible]

سُرخی رخسار حق گلابی ہوگئے اے نازنین
تازہ لیے گویا پسینا [illegible]

یار کا عشرتکدہ بھی لامکان سے کم نہین
وان گذارا ہی نہین دنیا [illegible] دل کا

تیرے چشمان غزالی دیکھکر ای ترک [illegible]
آشنا ہو بات [illegible] ہوا تہ بیباک کا

اے شمیم زار جس پردہ نشین پر ہون فدا
کیون نہ دیوانہ ہون مین اوس شہ لولاک کا

غزل جناب مبارک عظیم آبادی

دل کی طرف نگاہ کبھی جان کی طرف
جھوٹی قسم کو بات ہی قرآن کی طرف

بے اختیار آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
جب آنکھ اٹھگئی ہے بیابان کی طرف

قاتل کا ہات تیغ پہ پیر [illegible] یار بار
سر اپنا جھک [illegible] ہے [illegible] کی طرف

آئینہ

سرگرم انسلاد [illegible] تیغ کس [illegible] سے — کیا التفات تہا کسی ایمان کی طرف
ہی دیکہنا بہی [illegible] سے دیکہا نہ جائیگا — دیکہو بگڑ کے بہی نہ نگہبان کی طرف
کسکو لکہا ہے خط مین یہ القاب آپ نے — ہر بار آنکہ پڑتی ہے عنوان کی طرف
کب [illegible] کشاکش دیر و حرم مین ہم — کافر کے ہو رہین کہ مسلمان کی طرف
سا بہی خدائی [illegible] کی طرف [illegible] — آتا نہین کوئی کہ ہو ایمان کی طرف
اٹہین گہٹائین جانب مینا نہ دیکہنا — پریون کا جمگہٹا ہے پرستان کی [illegible]
ہنگامہ [illegible] آج [illegible] — کہتا ہے ہوگا کچہہ کسی میدان کی طرف
تصویر [illegible] کیا آپ کو — دیکہا ہے میفروش کی دکان کی طرف

غزل [illegible] سید شاہد علی صاحب سبز پوش مضطر گورکہپوری

[illegible] عروس بہار تہا — فرقت مین تیری گل مری نظرون [illegible]
[illegible] چہومتے تہے [illegible] — جو تہا چمن مین مست شراب بہار تہا
قمری تہی یاد سرو مین بلبل تہی محو گل — دونون کا دل چمن مین غرض بیقرار تہا
دیکہا اگر جو دیدۂ عبرت نگاہ سے — اس باغ بیخزان کا عجب حال زار تہا
یعنی چمن مین شور [illegible] دل کو [illegible] — ہنگامۂ وداع عروس بہار تہا

مضطر کہین چہپانے سے چہپتا ہے حال دل
رنج فراق [illegible] سے صاف آشکار تہا

غزل نواب سید صادق حسین خانصاحب نہال عظیم آبادی

زمانہ مین مزا نیرنگیون کا پہر کہان ہوتا — [illegible] یار آئینہ ہی تو قائل [illegible] ہوتا
جہان آرام ملتا ہے اسی کا نام جنت ہے — مین ہوتا بیخودی ہوتی کسی کا آستان ہوتا
بلا کی ضد ہے رخ پر اور بہی بکہرا دئے گیسو — غرض اتنی تہی ناصح بہا ہمارا ہمزبان ہوتا
اشارہ تہا انہین کا کیا مین اتنا بہی نہین سمجہا — عدو کو کیا پڑی تہی کیون کسی پر سرگران ہوتا
نہال اس کی خبر کب تہی محبت مین یہ کچہہ ہوگا — یہی امید تہی یہ [illegible] چڑہتا اور جوان ہوتا

فقط

اردوئے معلی علی گڈھ ماہوار

اشتہار

اڈیٹر سید فضل الحسن حسرت موہانی [illegible]

ضروری (تنقید و دیگر مقاصد) [illegible]

[illegible] محصول [illegible]

[illegible] اول درجہ [illegible]

[illegible] دوم عمدہ سفید کاغذ پر [illegible]

[illegible] سوم [illegible] کاغذ [illegible]

[illegible] اردوئے معلی [illegible] مطبوعہ [illegible]

[illegible] دین [illegible]

[illegible] شایع ہوگئے ہیں [illegible]

[illegible] شرح سابق [illegible]

دیوان غالب [illegible] شرح دیوان [illegible]

دیوان مصحفی [illegible] دیوان شیفتہ [illegible]

[illegible] دیوان قایم [illegible]

[illegible] بنارس کانگرس [illegible] کانگرس [illegible]

رپورٹ کلکتہ کانگرس [illegible] اردوئے معلی جلد [illegible]

[illegible] ششم قسم دوم [illegible]

اردوئے معلی جلد ہفتم قسم دوم [illegible] تا دسمبر [illegible]

جلد ہشتم [illegible] قسم سوم [illegible] تا دسمبر [illegible]

[illegible] ملفوظات محمد [illegible]

درخواست خریداری بنام سید فضل الحسن [illegible]

[illegible] کا سرمہ

مصنفہ جناب اسسٹنٹ ڈاکٹر [illegible]

معزز انگریزوں اور میڈیکل کالج کے [illegible]

والیان ریاست اور [illegible]

[illegible] تصدیق فرمائی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] جالا [illegible] کی حاجت نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] سرمہ کا [illegible]

[illegible]

[illegible] محصول ڈاک ذمہ خریدار [illegible]

[illegible] مقام [illegible]

اس سے بڑھکر اور کیا شہادت [illegible]

[illegible] سردار [illegible]

[illegible]

[illegible] خوشی [illegible]

[illegible] بیماریوں کے واسطے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کرتا ہوں [illegible]

[illegible] ادویات [illegible]

[illegible] آپ نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بیماریوں سے نجات حاصل کریں۔

[illegible]